

کشف الغم فی تفسیر العم

ترتیب و تالیف

مفتی نثار محمد

فاضل؛ جامعہ یوسفیہ بنوریہ (شرف آباد)

امام و خطیب جامع مسجد بیت المکرم (لانڈھی)

استاذ؛ مدرسہ تدریس القرآن بنوریہ (لانڈھی)

نوٹ؛

میری طرف سے تمام حضرات کو اس کتاب کی اشاعت کی مکمل اجازت ہے، بس تدلیس اور تبلیس نہ کی جائے فقط غلطیوں کی اصلاح کی اجازت ہے

فہرست عنوانات برائے کشف الغم

34	[گزارشات]
35	اس تفسیر کی چند خصوصیات؛
35	[تقدیم]
35	قرآن کریم کی تعریف:
37	قرآن کریم اور حدیث قدسی میں فرق:
38	تفسیر کا مفہوم؛
38	تفسیر کا لغوی معنی:
39	تفسیر کا اصطلاحی معنی:
40	تفسیر کی عظمت:
40	[سورۃ النبا]
41	آیت ۱ تا ۵
41	ترجمہ:
41	کوائف:
41	ما قبل سے ربط:
41	شان نزول:
41	تفسیر:
41	سوال کرنے والوں کا مصداق:
42	پہلی تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد قرآن مجید کی خبر ہے
42	دوسری تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد آپ کی بعثت کی خبر ہے
42	تیسری تفسیر عظیم خبر سے مراد حیات بعد الموت کی خبر ہے
43	”کلا“ کا لفظی اور مرادی معنی
43	علم الیقین کا معنی ہے:
43	ترکیب نحوی و تہجین سرٹی۔
44	آیت ۶ تا ۱۷
44	ترجمہ:
44	تفسیر:

44	حیات بعد الموت پر اجمالی شواہد اور دلائل؛
45	”ادتاد“ کا معنی
45	”زوج“ کے معنی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال
46	”نوم“ اور ”سات“ کے معانی اور عیند کو ”سات“ فرمانے کی وجوہ؛
46	”نوم“ کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں؛
47	لباس کا معنی اور رات کو لباس فرمانے اور اس کے نعمت ہونے کی وجوہ
48	”معاش“ کا معنی اور اس کے نعمت ہونے کی توجیہ؛
48	لفظ ”بنینا“ لانے کی حکمت؛
49	”وحاج“ کا معنی؛
49	المعصرت کا معنی؛
50	”شماج“ کا معنی ہے؛
50	غلہ اور سبزہ اگانے کی تفسیر؛
50	حیات بعد الموت پر دلائل اور شواہد کا خلاصہ ہے
51	زمکب نحوی تحقیق سرئی؛
51	آیت ۱۸ تا ۳۰
52	ترجمہ؛
52	تفسیر؛
52	فتح صورت کی تشریح؛
53	آسمان کے دروازوں کا ثبوت
54	قیامت کے دن پہاڑوں کے چھ احوال؛
55	”مرصاد“ کا معنی اور مصداق
56	”احتاب“ کا معنی؛
58	”برد“ کی تفسیر؛
58	غساق کا معنی؛
59	حساب کی امید نہ رکھنے کی توجہات؛
60	قوت عملیہ اور قوت نظریہ کا فساد؛
60	اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کا ثبوت؛
60	خفا سے اللہ تعالیٰ کا کلام؛
61	زمکب نحوی تحقیق سرئی؛

62	آیت ۳۱ تا ۳
62	ترجمہ:
62	تفسیر:
62	اہل جنت پر نوازش:
63	جزا اور عطا میں بظاہر تعارض کے جوابات:
64	حساب کا معنی:
64	بلا اذن شفاعت کرنے کی تحقیق:
65	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی:
65	آیت ۸ تا ۴۰
66	ترجمہ:
66	تفسیر:
66	روح کے مصداق میں اقوال مفسرین:
67	روح اور فرشتوں کے صحیح بات کہنے کی توضیحات:
67	روز قیامت کے حق ہونے کی توجیہ:
68	آدی کے متعلق مفسرین کے اقوال:
68	کافر کے قول "کاش! میں مٹی ہو جاتا" کے متعلق روایات:
69	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی:
70	[سورۃ النازعات]
70	آیت ۵۱ تا ۵۵
70	ترجمہ:
70	(کوائف)
71	(ما قبل سے رہا)
71	تفسیر:
71	کافر کی روح کھینچنے کی کیفیت اور کافر کی روح کا بھٹی کے ساتھ جسم سے نکالنا:
72	"ناشحات" کا معنی اور مومن کی روح کا آسانی کے ساتھ جسم سے نکلنا
73	مومن اور کافر کی روح کھینچنے کی کیفیت:
75	"الساہحات" کے مصداق میں اقوال مفسرین:
75	"الساہقات" کے مصداق میں اقوال مفسرین:

76	”المدبرات“ کے مصداق میں اقوال مفسرین؛
76	”کیب نحوی و تحقیق سرئی؛
76	آیت ۶ تا ۱۳
77	ترجمہ؛
77	تفسیر؛
77	قیامت کے احوال؛
77	”راہتہ“ کا معنی؛
78	”حازہ“ کا معنی؛
78	”غزوہ“ کا معنی اور خسارہ کی تفسیر میں دو قول؛
79	”زجرہ“ کا معنی؛
79	”سامرہ“ کا معنی؛
79	”کیب نحوی و تحقیق سرئی؛
80	آیت ۱۵ تا ۲۶
80	ترجمہ؛
81	تفسیر؛
81	حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا فرعون کے ساتھ معرکہ کا قصہ اور اس سے کفایت ملکہ کو ڈرانا؛
81	”طوی“؛
81	”طغی“ کا معنی؛
82	بہت بڑی نشانی کے متعلق متعدد اقوال؛
83	”دلیعی“ کا معنی؛
83	سب سے بڑا رب ہول کا معنی؛
84	”آخرہ“ اور ”اولی“ کی متعدد تفاسیر؛
85	”کیب نحوی و تحقیق سرئی؛
86	آیت ۲۷ تا ۳۳
86	ترجمہ؛
86	تفسیر؛
86	آسمانوں کی تحقیق سے حیات بعد الموت پر استدلال؛
87	”مغطل“ کا معنی؛

87	”نحی“ کا معنی؛
87	”وَحْا“ کا معنی اور زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کی تحقیق؛
88	تعارف کے حسب ذیل جوابات ہیں:
88	”مرماحا“ کا معنی ہے اور زمین کے منافع اور فوائد؛
89	”ارساما“ کا معنی؛
89	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
90	آیت ۳۳ تا ۴۱
90	ترجمہ؛
90	تفسیر؛
90	”لامۃ“ کا معنی؛
91	وقت نظریہ اور وقت عملیہ کا کمال اور فساد؛
91	دیباچی زعمی کو ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث؛
92	دوزخ کی صفات کے متعلق احادیث؛
92	خوف خدا سے محتاط نہ کرنے والوں کی دہمیں؛
93	”مہوی“ کا معنی؛
93	جنت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:
94	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
94	آیت ۳۲ تا ۴۶
94	ترجمہ؛
95	تفسیر؛
95	کفار کا وقوع قیامت کا سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب؛
97	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
98	[سورۃ یس]
98	آیت ۱۰ تا ۱۰
98	ترجمہ؛
98	کوائف سورۃ؛
98	ما قبل سے ربط؛
98	شان نزول؛
99	تفسیر؛

99	”میں“ کا معنی؛
99	امام ابو منصور ماتریدی کی طرف سے آپ کے توری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ
100	علامہ قرطبی کی طرف سے آپ کے توری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ؛
101	علامہ اسماعیل ستہی کی طرف سے آپ کے توری چڑھانے کی توجیہ؛
101	”عتاب“ کے معنی کی تحقیق؛
101	حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنے کی وجہ سے آپ پر عتاب کرنے کی آیات؛
102	زمکب نحوی تحقیق مرنی؛
103	آیت ۱۶ تا ۱۷
103	ترجمہ؛
103	تفسیر؛
103	قرآن مجید کا پاکیزہ فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہونا،
104	سفرہ اور کرام کا معنی اور فرشتوں کا حاجت کے وقت انسان سے دور رہنا ؛
105	زمکب نحوی تحقیق مرنی؛
105	آیت ۱۷ تا ۳۲
105	ترجمہ؛
106	تفسیر؛
107	اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:
108	اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل خارجیہ؛
109	زمکب نحوی تحقیق مرنی؛
110	آیت ۳۳ تا ۴۲
110	ترجمہ؛
110	تفسیر؛
110	”مانہ“ کا معنی ہے :
110	فرار کا معنی؛
112	مؤمنوں اور کافروں کے چہروں کی آخرت میں کیفیات؛
112	زمکب نحوی تحقیق مرنی؛

113	[سورۃ النکور]
113	آیت ۱۳ تا ۱۴
113	ترجمہ:
114	کوائف سورۃ:
114	ما قبل سے ربط:
114	تفسیر:
115	”کورت“ کا معنی:
115	اس اعتراض کا جواب کہ سورج اور چاند کونسے مہنامہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا؟
116	”انکدرت“ کا معنی:
116	”السمار“ کا معنی اور ان کے معطل کیے جانے کی توجیہ:
117	”دوش“ کا معنی اور ”دوش“ سے قصاص لینے کے فائدہ:
117	”تسیر“ کا معنی:
119	زمانہ جاہلیت میں بیٹھنے والوں کو زندہ درگور کرنا:
119	زندہ درگور کرنے کا سبب اور اس لڑکی سے سوال کرنے کی توجیہ:
120	ترکیب نحوی و تحقیق سرنی:
121	آیت ۱۵ تا ۲۹
121	ترجمہ:
122	تفسیر:
122	”انفس“ اور ”انفس“ کے معانی:
123	حضرت جبریل (علیہ السلام) کی چھ صفات کا تذکرہ:
124	صفات مذکورہ کی مصداق رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہے:
124	علامہ محمد بن یوسف ابوالحیاء احمدی القرطابی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:
124	قاضی محمد حماد اللہ مظہری پانی پتی حنفی متوفی ۱۱۲۵ھ لکھتے ہیں:
124	شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
125	نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا اور ”ضنین“ کا معنی:
126	ترکیب نحوی و تحقیق سرنی:
128	[سورۃ الانطار]

128	آیت ۱۲ تا ۱۳
128	ترجمہ:
128	کوائف:
128	ما قبل سے ربط:
129	تفسیر:
129	(ستارے بکھر جائیں گے؛
129	(قبریں اکھاڑ دی جائیں گی؛
129	(روح اور جسم کا دوبارہ ملاپ؛
130	اللہ تعالیٰ کا اپنی کریمی کے تقاضے سے فوراً کما ہوں پر سزا دینا اور اس سے انسان کا دھوکہ کھانا؛
131	انسان کی تخلیق کی تفصیل؛
131	اللہ تعالیٰ کا انسان کو معتدل صورت بنانا؛
132	روزِ جزاء کی تکذیب کی تفصیل؛
132	”کراما کا تبین“ کے اعمال بنی آدم کھنے کی تفصیل؛
134	ترکیبِ نحوی دھچکن سرنی؛
135	آیت ۱۳ تا ۱۹
135	ترجمہ:
135	تفسیر:
135	”ایمان کا معنی اور مرتکبِ کبیرہ کو دائمی عذاب دہونا؛
135	معتزلہ کا رد؛
136	جنت کا ثواب اور دوزخ کا عذاب غیر منقطع ہے؛
136	روزِ جزاء کے ادراک کی نفی کی تفصیل؛
137	اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت کی ممانعت؛
137	ترکیبِ نحوی دھچکن سرنی؛
138	[سورۃ المطففین]
138	آیت ۱ تا ۶
138	ترجمہ:
138	کوائف:
139	اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے؛

139	ما قبل سے ربو؛
139	تفسیر؛
139	ویل اور مطفین کا معنی؛
140	ناپ تول میں کمی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:
140	ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ملامت؛
141	قیامت کے دن گرمی کی شدت سے پینہ آنے کے مختلف احوال؛
142	ترکیب نحوی و تحقیق سرنی؛
142	آیت ۷ تا ۱۳
142	ترجمہ؛
142	تفسیر؛
143	”سبحین“ کا معنی؛
143	”کتاب مرقوم“ کا معنی؛
143	اساطیر کا معنی؛
144	ترکیب نحوی و تحقیق سرنی؛
144	آیت ۱۲ تا ۲۱
144	ترجمہ؛
145	تفسیر؛
145	دل پر دنگ لگانا؛
145	کافروں کا اپنے رب کے دیدار سے محروم ہونا اور مومنوں کا اپنے رب کے دیدار سے محظوظ ہونا؛
146	طیمن اور مومنوں کے صحاف کے متعلق احادیث اور آثار؛
147	علامہ قرطبی نے یہ روایت ذکر کی ہے:
147	ترکیب نحوی و تحقیق سرنی؛
148	آیت ۲۲ تا ۲۸
149	ترجمہ؛
149	تفسیر؛
149	جنت میں ابرار کی نعمتیں، رجن مضموم اور تنیم کے معانی؛
149	”قلینافس“ کا معنی؛
149	تنیم کی آمیزش کا مطلب؛

150	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
150	آیت ۲۹ تا ۳۶
151	ترجمہ؛
151	تفسیر؛
151	(عجربین کون ہیں؛
151	(ضعفا پر طعن؛
152	(کسی کو حقیر نہیں جاننا چاہیے؛
152	(عجربین بمقابلہ مومنین؛
153	(قیامت کے روز ایماندار کافروں پر نہیں گے؛
153	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
154	[سورۃ الانشقاق]
154	آیت ۱ تا ۵
154	ترجمہ؛
155	کوائف:-
155	ما قبل سے ربط؛
155	تفسیر:-
155	ماذت کا معنی؛
156	زمین کو پھیلانے کے متعلق احادیث؛
157	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
157	آیت ۶ تا ۱۵
157	ترجمہ:-
158	تفسیر:-
158	(رب کے سامنے مانسری ہوئی؛
158	(آسان حساب؛
159	(پس پشت اعمالنا سے ملنے والا گروہ؛
160	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
161	آیت ۱۶ تا ۲۵
161	ترجمہ:-
161	تفسیر:-

161	”شفیق“ کا معنی؛
162	”رین“ اور ”آسن“ کا معنی؛
162	ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں سوار ہونے کے متعلق احادیث اور اقوال مفسرین؛
164	ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛۔
166	[سورۃ البروج]
166	آیت ۳۱ تا ۳۴
166	ترجمہ؛۔
166	کوائف؛
166	ما قبل سے ربط؛
166	تفسیر؛۔
166	”بروج“ کا لغوی اور اصطلاحی معنی؛
167	ڈاکٹر وہب زحیلی لکھتے ہیں؛
167	”بروج“ کے مصادر میں اقوال مفسرین؛
167	امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں؛
167	امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں؛
168	شاعر اور مشعو کے مصادر؛
170	ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛
170	آیت ۲ تا ۱۱
170	ترجمہ؛
171	تفسیر؛۔
171	اصحاب الاُعدود کا قصہ؛
174	فائدہ؛
174	اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت؛
175	ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛
176	آیت ۱۲ تا ۲۲
176	ترجمہ؛
176	تفسیر؛۔
176	اللہ تعالیٰ کی عظیم اور منفرد صفات؛

177	الودود کے معنی میں بھی اقوال ہیں،
178	عہد رسالت اور اس سے پہلے کے مکذبین کی کارستانیوں؛
178	مجید، کا معنی؛
179	قرآن مجید کی فضیلت؛
179	روح محفوظ کی تعریف میں اقوال مفسرین؛
180	زمکبب نحوی تحقیق سرئی؛
181	[سورۃ الطارق]
181	آیت ۳۱
181	ترجمہ؛
181	کوائف؛
182	ما قبل سے ربط؛
182	تفسیر؛۔
182	طارق کیا ہے اور انجم الثقب کی مختلف تفسیریں؛
182	حالا کی مراد؛
183	زمکبب نحوی تحقیق سرئی؛
183	آیت ۵ تا ۱۰
183	ترجمہ؛۔
183	تفسیر؛۔
183	”دافق مطلب“ اور ”ترائب“ کا معنی؛
184	علامہ قرطبی لکھتے ہیں؛
184	انسان کو لوٹانے کے دو مطلب؛
185	”سراثر“ اور ”ابتلاء“ کا معنی؛
186	زمکبب نحوی تحقیق سرئی؛
186	آیت ۱۱ تا ۱۶
186	ترجمہ؛۔
187	تفسیر؛۔
187	آسمان کو ”ذات الریح“ فرمانے کی توجیہات؛
187	زمین کو ”ذات الصدع“ فرمانے کی توجیہات؛
188	”قول فصل“ کی دو تفسیریں؛

189	کفار کے ”کبیہ“ اور اللہ تعالیٰ کے ”کبیہ“ میں فرق؛
189	نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مہلت دینے کے حکم کی توجیہ؛
190	ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛
191	[سورۃ الاطی]
191	آیت ۱ تا ۵
191	ترجمہ:-
191	کوائف؛
192	ما قبل سے ربط؛
192	تفسیر؛
192	(تبیح کا مفہوم؛
192	(اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک؛
193	(انسان کو اللہ کے نام سے بلا ناگناہ ہے؛
193	(اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ؛
194	(انسان کے حواس ظاہرہ اور باطنہ؛
194	(جانور انسان کی خدمت پر مامور ہیں؛
195	ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛
195	آیت ۶ تا ۱۳
195	ترجمہ؛
195	تفسیر:-
195	(قرآن پاک کی تعلیم اللہ کے ذمہ ہے؛
196	(اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے؛
196	(ہدایت کا طالب ہدایت پالیتا؛
196	(تلخ مین سرا سرنفع ہے:-
197	(خوف خدا کا مایابی کا ذریعہ ہے؛
197	(حقیقی کامیابی؛
197	ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛
198	آیت ۱۲ تا ۱۹
198	ترجمہ:-
198	تفسیر:-

198	تزکیہ نفس کا معنی؛
200	تزکیہ کی تفسیر حدیث فطر قرار دینے کے متعلق احادیث اور آثار؛
201	دنیا کی لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث اور آثار؛
201	اغروی نعمتوں کے افضل ہونے کی وجہ؛
202	کون سی نصیحت سابقہ صحائف میں مذکور ہے؟
202	نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق؛
203	تزکیہ بخوی و تحقیق سرئی؛
204	[سورۃ الغاشیہ]
204	آیت ۱ تا ۷
204	ترجمہ۔
204	کوائف؛
204	ما قبل سے ربط؛
204	تفسیر۔
205	قیامت کے دن کو "الغاشیہ" فرمانے کی وجہ؛
205	"غاشیہ" کا معنی؛
205	کفار پر شدت عذاب؛
206	"تصلیٰ" اور "حامیہ" کا معنی؛
207	تزکیہ بخوی و تحقیق سرئی؛
208	آیت ۸ تا ۱۶
208	ترجمہ۔
208	تفسیر؛
208	مومنین کا انعام؛
208	تزکیہ بخوی و تحقیق سرئی؛
209	آیت ۱۷ تا ۲۶
209	ترجمہ۔
209	تفسیر؛
209	اوٹ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی نشانیاں؛
211	آسمان، پہاڑ اور زمین میں نشانیاں؛

211	ان مذکور نشانوں میں یا بھی مناسبت؟
212	جبریہ کے نظریہ کا رد؟
213	بہت بڑے عذاب کا مطلب؟
213	کفار اور مشرکین کو عذاب دینا کیوں ضروری ہے؟
214	ترکیب نحوی و تحقیق صرئی؟۔
215	[سورۃ النحر]
215	آیت ۱ تا ۵
215	ترجمہ؟۔
215	کوائف؟
215	ما قبل سے ربط؟
215	تفسیر؟۔
215	والنحر کی تفسیر میں:
216	اس سے کون سی رائیں مراد ہیں؟
216	جنت اور طاق کی تفسیر؟
216	رات کی قسم کھانے کی وجوہ؟
217	”ذی جر“ کا معنی؟
217	ترکیب نحوی و تحقیق صرئی؟
217	آیت ۶ تا ۱۳
218	ترجمہ؟
218	تفسیر؟
219	قوم عاد کا تعارف؟
220	ثمود کا پہاڑوں کو تراش کر مکان بنانا؟
220	میںوں والے کا معنی؟
221	عذاب کے کوڑے کا معنی؟
221	”مرماد“ کا معنی؟
221	ترکیب نحوی و تحقیق صرئی؟
222	آیت ۱۵ تا ۲۰
222	ترجمہ؟
222	تفسیر؟۔

222	عزت و ذلت کا معیار؛
223	دنیاوی عیش و عشرت کی مذمت کی وجہ؛
224	آبادی و مال کے حصول پر اترانے والا عام انسان ہے یا مخصوص انسان ہے؟
225	”لا“ کا معنی؛
225	قیم کی بحریہ کی وجہ؛
225	قیم کی دل داری نہ کرنے کی مذمت؛
226	تا کلون التراث کا مطلب؛
226	ترکیب نحوی تحقیق سرئی؛
227	آیت ۲۱ تا ۲۶
227	ترجمہ؛
228	تفسیر؛
228	قیامت کے دن بھلا اور فاسق و فجار کا کتب افسوس ملنا؛
228	”دکا کا“ کا معنی
228	قیامت کے دن آپ کے رب کے آنے کی توجہات؛
229	دوزخ کو لانے والے؛
230	آخرت میں عداوت اور توبہ قائم نہیں دے گی؛
231	ترکیب نحوی تحقیق سرئی؛
232	آیت ۲۷ تا ۳۰
232	ترجمہ؛
232	تفسیر؛
232	نفس مطمئنہ کو خدا کرنے والوں کے مصداق میں مفسرین کے اقوال؛
233	نفس انسان کی اقسام؛
233	نفس مطمئنہ کے مصداق میں مفسرین کے اقوال؛
234	نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر؛
234	امام ابو منصور محمد بن مازنی حنفی متوفی ۳۲۲ھ لکھتے ہیں؛
235	امام غزالی محمد بن رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں؛
235	علامہ سید محمد آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں؛

236	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
236	[سورۃ البلد]
236	آیت ۱ تا ۷
236	ترجمہ؛
237	کوائف؛
237	ما قبل سے ربط؛
237	تفسیر:-
237	اس میں جملہ ”لا“ ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں؛
238	مکہ مکرمہ کی فضیلت میں آیات اور احادیث؛
239	”وامت مل بھذا البلد“ کی تفسیر؛
239	علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی عربی متون ۶۶۸ھ لکھتے ہیں؛
240	”وامت مل بھذا البلد“ کی تفسیر امام رازی سے
240	والد اور اولاد کے مصداق میں اقوال مفسرین؛
241	”مبدہ“ کا معنی اور انسان کی دشواری کا مطلب؛
242	”مبداء“ کا معنی؛
242	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
243	آیت ۸ تا ۱۶
243	ترجمہ؛
243	تفسیر:-
243	اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں اور غیر اور شر کے دوراستے؛
244	”اقتم“ اور ”العقۃ“ کا معنی اور دشوار گھائی کا مصداق؛
245	غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث؛
245	بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں آیات اور احادیث؛
247	یتیم کا معنی؛
247	یتیموں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث؛
247	رشتہ داروں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث؛
248	غاک نشین کا مصداق؛
248	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
249	آیت ۱۷ تا ۲۰

249	ترجمہ:
249	تفسیر:
249	مؤمنین مابین کے لیے بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید:
250	”اصحاب الیمینہ“ کی تفسیر:
250	اصحاب الیمینہ کی تفسیر:
251	زمکب نحوی تحقیق سرف:
251	[سورۃ الشمس]
251	آیت ۱۰ تا ۱۱
251	ترجمہ:
252	کوائف:
252	ما قبل سے ربط:
252	تفسیر:
252	قسم اور جواب قسم:
252	اسورج کی تحقیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں، برکتیں اور نشانیاں:
253	چاند کن چیزوں میں سورج کے تابع ہے؟
253	دل کن چیزوں کو ظاہر کرتا ہے؟
254	رات اور دن کی سلطنت کا سورج اور چاند سے زیادہ ہونا:
254	”وما یناھا“ میں ”ما“ سے مراد:
255	نفس انسان کی قسم سے مراد:
256	”الحام“ کا معنی:
256	”تذبیہ“ اور ”دساھا“ کا معنی:
257	زمکب نحوی تحقیق سرف:
258	آیت ۱۱ تا ۱۵
258	ترجمہ:-
258	تفسیر:
260	زمکب نحوی تحقیق سرف:
261	[سورۃ الليل]
261	آیت ۱ تا ۱۱
261	ترجمہ:

261	کوائف؛
262	ما قبل سے رید؛
262	تفسیر؛۔
262	رات اور دن کے آنے والے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلالت؛
263	نر اور مادہ کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید کی نشانی؛
263	تمام لوگوں کے اعمال کا برابر ہونا؛
264	اللہ کی راہ میں دینے کے مطلب؛
265	”حنی“ کے متعدد مصداق؛
266	”یسری“ کے مصداق میں متعدد اقوال؛
267	”تروی“ کا معنی اور اس کا مصداق؛
267	حضرت ابو بکر صدیق (رض) کی فضیلت میں سورۃ اللیل کا نزول؛
268	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
269	آیت ۱۲ تا ۲۱
269	ترجمہ؛
269	تفسیر؛
269	اس آیت کی توجیہات کہ اللہ پر ہدایت دینا واجب ہے؛
270	اللہ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دینے کی مذمت؛
271	داعی مذہب پر اہل سنت و الجماعت کا موقف؛
271	فراق مؤمنین کے متعلق اہل سنت و جماعت کا موقف؛
272	کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے صدقہ کا جواز اور محض اخلاص سے صدقہ دینے کا افضل ہونا؛
272	حضرت ابو بکر کے حضرت بلال اور دیگر غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کے متعلق روایات؛
272	اس آیت کا مصداق حضرت ابو بکر ہیں، اس پر امام رازی کا موقف؛
273	(ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
274	[سورۃ النجم]
274	آیت ۵

274	ترجمہ:
275	کوائف:
275	ما قبل سے ربط:
275	ثالث نزول:
276	تفسیر:-
276	دن اور رات کی قسم کھانے کی توجیہ:
276	والغنی واللیل (دن اور رات) کی قسم کا مطلب:
276	علامہ عبدالکریم بن ہوازن قشیری بیضاپوری لکھتے ہیں:
277	امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
277	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:
277	علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں،
278	دن بہ دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت اور کرامت کا زیادہ ہونا:
279	ترکیب نحوی و تحقیق سرنی:
279	آیت ۶ تا ۱۱
279	ترجمہ:
280	تفسیر:-
280	رب العالمین کی رحمت اللعالمین پر نوازشات:
280	دل بے قرار کو قرار آسمیا:
280	حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا استغناء:
281	غناء قلب:
281	تین انعامات اور تین احکامات:
282	(۱) یتیم کے ساتھ شفقت:
282	(۲) سال کے ساتھ حسن سلوک:
283	(۳) انعامات الہی کا تذکرہ:
283	نعمت کا اظہار:
283	ترکیب نحوی و تحقیق سرنی:
284	[سورۃ الانشراح]
284	آیت ۱ تا ۸
284	ترجمہ:

285	کوائف؛
285	ما قبل سے رید؛
285	تفسیر؛
285	شرح صدر کا معنی؛
286	شرح صدر کی تفصیل؛
286	آپ کا حق صدر کتنی بار ہوا؟
286	حافظ احمد بن علی بن جریر متوفی 582ھ اور حافظ محمود بن احمد متوفی 855ھ لکھتے ہیں:
287	نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر "وزر" کا مطلب؛
289	رفع ذکر کی تفصیل؛
289	ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں:
290	تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کرنا؛
290	صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سوال کرنے میں رغبت کی جائے؛
291	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
292	[سورہ التین]
292	آیت ۸ تا ۱۰
292	ترجمہ؛
292	کوائف؛
292	ما قبل سے رید؛
292	تفسیر؛
293	"التین" کا معنی اور اس کے طبی فوائد
293	"زیتون" کا معنی اور اس کے طبی فوائد
293	"والتین والاریتون" کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال؛
293	علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
294	"طورینین" کا مصداق؛
294	شہر مکہ کی قسم بھانے کی توجیہ؛
294	"انسان" کے مصداق میں اقوال اور اس کے بہترین حالت میں ہونے کی توجیہ؛
295	مومنین کا ملین کا ارڈل عمر سے محفوظ رہنا؛

295	سب سے نچلے طبقہ میں لوٹانے کا مطلب؛
296	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
297	[سورۃ اعلیٰ]
297	آیت ۱ تا ۵
297	ترجمہ؛
298	کوائف؛
298	ما قبل سے ربط؛
298	شان نزول؛
298	تفسیر؛
298	آغاز وحی و نزول قرآن؛
300	انسان کی پیدائش؛
300	لکھنے کی فضیلت اور لکھنے کے متعلق امادیث؛
302	اس آیت میں انسان کے مصداق میں کئی اقوال ہیں؛
303	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
303	آیت ۶ تا ۱۳
303	ترجمہ؛
303	تفسیر؛
303	”طفیمان“ کا معنی؛
304	ابو جہل کی مذمت؛
305	ابو جہل کے لیے عذاب کی وعید؛
305	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
306	آیت ۱۵ تا ۱۹
306	ترجمہ؛
306	تفسیر؛
306	سجدہ سے اللہ سبحانہ کے قرب کا حصول؛
307	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
308	[سورۃ القدر]
308	آیت ۱ تا ۵
308	ترجمہ؛

308	کوائف؛
308	ما قبل سے رید؛
309	شان نزول؛
309	تفسیر؛
310	”لیلۃ القدر“ میں قرآن مجید کا آسمان دنیا کی طرف نازل ہونا؛
310	بعض مقامات اور بعض اوقات میں عبادت کے اجر میں اضافہ؛
311	لیلۃ القدر میں ”قدر“ کے معانی؛
312	ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لیلۃ القدر کی تعیین کا علم تھایا نہیں؟
313	لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت؛
313	لیلۃ القدر کے فضیلت؛
313	فرشتوں کے نزول کی تفصیل؛
314	روح کے مصداق میں اقوال مفسرین؛
315	من کل امر سے مراد؛
315	سراسر سلامتی کا مطلب؛
315	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
316	[سورۃ البینۃ]
316	آیت ۱ تا ۵
317	ترجمہ:-
317	کوائف؛
317	ما قبل سے رید؛
317	تفسیر:-
317	ان آیات کی مفسرین نے کئی تقریریں کی ہیں۔
317	امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سر قندی حنفی متوفی ۳۲۲ھ لکھتے ہیں:
319	ابینہ ۱۱: اور البینہ ۴: میں تعارض کے امام رازی کی طرف سے جوابات؛
320	اغلاص کی اہمیت؛
320	”خفاء“ کا معنی؛
321	اغلاص اور عبادت کا معنی؛

322	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
323	آیت ۶ تا ۸
323	ترجمہ؛
323	تفسیر؛
323	تفسیر اہل کتاب کے عذاب کو مشرکین کے عذاب پر مقدم کرنے کی توجیہ
324	مومنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت کے دلائل؛
324	اہل سنت و جماعت کے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے؛
325	مومنین صالحین کو جزا میں دائمی جنت عطا کرنے کا ایک توجیہ؛
325	مومنین صالحین اور مومنین تائبین کو ایک سے زائد ملتیں عطا فرمانے کی تحقیق؛
326	اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت؛
327	اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا جنت عطا کرنے سے بڑا انعام ہے؛
327	اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندوں کی رضا کا مطلب؛
328	اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو تفسیریں؛
328	کوئی مسلمان اپنے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کا دعویٰ نہ کرے؛
329	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
330	[سورۃ الزلزلہ]
330	آیت ۱ تا ۸
330	ترجمہ؛
331	کوائف؛
331	ما قبل سے ربط؛
331	تفسیر؛
331	زلزلہ لغوی اور عرفی معنی؛
331	زمین پر زلزلہ کی کیفیت؛
332	زمین کا اپنا بوجھ باہر نکالنا؛
332	زمین کے خرد سینے کی کیفیت؛
333	مومن اور کافر کے اعمال کے بدلے کا ضابطہ؛
334	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
335	[سورۃ العادیات]

335	آیت ۱۵۵
335	ترجمہ:
336	کوائف:
336	ما قبل سے رید:
336	شان نزول:
336	تفسیر:
336	”العادیات ضحیٰ“ کا معنی
338	”الموریات قدما“ کا معنی:
338	”المغیرات صبا“ کا معنی:
338	”قاٹن بہ نقعا“ اور ”فوسطن بہ حجا“ کا معنی
338	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی:
339	آیت ۱۱۵
339	ترجمہ:
339	تفسیر:
339	”الکتود“ کا معنی اور انسان کا اپنے ”الکتود“ ہونے پر گواہ ہونا:
341	ماں کی محبت کے متعلق احادیث:
342	مال کی محبت کے اثرات:
342	بخیل کی مذمت میں احادیث
342	”بعثر“ کا معنی
343	ظاہری اعضاء کے مقابلہ میں دل کے افعال کا معیار ہونا:
343	اللہ تعالیٰ کا علم ابدی و ازلی ہے:
343	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی:
344	[سورة القارعة]
344	آیت ۱۵۵
344	ترجمہ:
345	کوائف:
345	ما قبل سے رید:
345	تفسیر:
345	”القارعة“ کا معنی ہے :

346	قیامت کے دن لوگوں کے احوال؛
346	قیامت کے دن پہاڑوں کے احوال؛
346	زمکبب نحوی تحقیق سرئی؛
347	آیت ۶ تا ۱۱
347	ترجمہ؛
347	تفسیر؛
347	مومنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت؛
348	ہاویہ کے معانی؛
348	زمکبب نحوی تحقیق سرئی؛
349	[سورۃ النکاح]
349	آیت ۸ تا ۱۱
349	ترجمہ؛
349	کوائف؛
349	ما قبل سے ربط؛
350	شان نزول :
350	تفسیر؛
350	مال کی محبت؛
350	میت کے تین ساتھی؛
351	علم الیقین؛
351	انعامات الہی کے متعلق سوال؛
352	صحت اور فراغت؛
352	کوئی نعمت حقیر نہیں؛؛
352	قرآن اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارکہ؛
353	کھجور اور پانی؛
353	زمکبب نحوی تحقیق سرئی؛
354	[سورۃ العصر]
354	آیت ۱ تا ۳
354	ترجمہ؛
354	کوائف؛

354	ما قبل سے ربط؛
354	تفسیر؛
354	زمانہ کی قسم کھانے کی وجہ
355	”العصر“ کی تفسیر میں اقوال
355	والعصر“ سے مراد عصر کی نماز ہے، اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجہ ذکر کی ہیں:
357	تمام انسانوں کا شمارے میں مبتلا ہونا؛
358	اس آیت کا معنی ہے :
358	”وَقَوَّاصُوا بِالْحَقِّ“ کی تفسیر میں تین قول ہیں؛
359	”وَقَوَّاصُوا بِالصَّبْرِ“ کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں :
359	دعوت تبلیغ کی اہمیت؛
359	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
360	[سورۃ الہمزہ]
360	آیت ۱۵۱
360	ترجمہ؛
360	کوائف؛
360	ما قبل سے ربط؛
361	ظان نزول؛
361	تفسیر؛
361	”الحمزہ“ اور ”المرزہ“ کے معانی؛
362	”مکملۃ“ کا معنی؛
363	دوزخ کی آگ کی شدت؛
363	کفار کے عذاب کی کیفیت؛
364	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
365	[سورۃ الفیل]
365	آیت ۱۵۵
365	ترجمہ؛
366	کوائف؛
366	ما قبل سے ربط؛

366	تفسیر:
366	اصحاب فیل کا واقعہ:
367	مردوں سے ابرہہ کے لشکر کو فدا کرنا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارہاس تھا:
368	ابرہہ کے لشکر کا ہاتھیوں سے بھی کم درجہ ہونا:
368	ابرہہ تو علانیہ فساد کرنے آیا تھا، پھر اس کو ”کید“ کیوں فرمایا؟
369	”ہابیل“ کا معنی:
369	”جہیل“ کا معنی:
369	”معصفت کا معنی“:
370	ترکیب نحوی تحقیق مرنی:
370	[سورہ قریش]
370	آیت ۱ تا ۳
371	ترجمہ:
371	کوائف:
371	ما قبل سے ربط:
371	شان نزول:
372	تفسیر:
372	قریش کے لیے الفت:
372	قریش کا شہر نسب
373	قریش کا پیشہ تجارت
373	قریش کا احترام:
374	قریش کی قومیت پرستی:
374	قریش کو عبادت کی تلقین
375	پیٹ کا مسئلہ:
375	امن و امان کے فوائد:
375	ترکیب نحوی تحقیق مرنی:
376	[سورہ الماعون]
376	آیت ۱ تا ۷
376	ترجمہ:

376	کوائف؛
376	ما قبل سے رید؛
376	شان نزول؛
377	تفسیر؛
377	الدین سے کیا مراد ہے؟
378	نماز سے غافل ہونے کا مطلب؛
379	ریاکاری کا دہال؛
379	بخل اور بخیل کی مذمت؛
380	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
380	[سورۃ الکوف]
380	آیت ۳۱ تا ۳۲
380	ترجمہ؛
380	کوائف؛
381	ما قبل سے رید؛
381	شان نزول؛
381	کو غیر کثیر؛
382	قرآن کریم غیر کثیر ہے؛
382	فلاح کے دو اسول نماز و قربانی؛
382	نماز تعلق مع اللہ کا ذریعہ ہے؛
383	قربانی قرب الی اللہ کا ذریعہ ہے؛
383	دشمن کی ناکامی؛
384	ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛
385	[سورۃ الکافرون]
385	آیت ۱ تا ۶
385	ترجمہ؛
385	کوائف؛
385	ما قبل سے رید؛
386	شان نزول؛
387	تفسیر؛

387	(کفر اور اسلام اکٹھے نہیں ہو سکتے؛)
387	کفار سے مصالحت کی حدود کا تعین:-
388	زمکب نحوی و تحقیق سرنی؛
389	[سورۃ النصر]
389	آیت ۱ تا ۳
389	ترجمہ؛
389	کوائف؛
389	ما قبل سے ربط؛
390	شان نزول؛
391	رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدت حیات پوری ہونے پر استدلال؛
391	حمد اور تسبیح کا معنی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے استغفار کے مطلب؛
392	سورۃ النصر کے نزول کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ کثرت حمد اور تسبیح اور استغفار کرنا؛
393	رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے استغفار کے متعلق امام رازی کی توضیحات؛
393	علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:؛
394	علامہ ابوالحسن علی بن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:
394	علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
395	زمکب نحوی و تحقیق سرنی؛
395	[سورۃ الصب]
395	آیت ۱ تا ۵
395	ترجمہ؛
396	کوائف؛
396	ما قبل سے ربط؛
396	شان نزول؛
397	تفسیر؛
397	”تہت“ کا معنی

397	ابولہب کا نام اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی صداقت؛
398	ابولہب کی عبرت ناک موت؛
399	ابولہب کے بیٹے عتیبہ کا انجام؛
400	امام رازی فرماتے ہیں، اس آیت میں تین وجہوں سے غیب کی خبر ہے؛
400	ابولہب کی بیوی کی مذمت؛
401	حماد الخلب کا معنی؛
401	ابولہب کی بیوی کے لیے دوزخ کی وعید؛
401	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
402	[سورۃ ال اٰخلاص]
402	آیت ۱۴
402	ترجمہ؛
402	کوائف؛
402	ما قبل سے ربط؛
403	شان نزول؛
403	تفسیر؛
403	اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل؛
404	”الصمد“ کے معانی اور مطلب؛
404	اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل؛
405	ترکیب نحوی و تحقیق سرئی؛
405	[سورۃ الفلق]
405	آیت ۱۵
406	ترجمہ؛
406	کوائف؛
406	ما قبل سے ربط؛
406	سورۃ الفلق دوسرہ ناس کا شان نزول؛
408	تفسیر؛
408	اللہ سے پناہ طلب کرنے میں صبح کے وقت کی تخصیص کی توجیہات؛
410	”نفثت“ کا معنی؛

410	حد کی تعریف، اس کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث؛
411	زکیب نحوی و تحقیق مرئی؛
412	[سورۃ الناس]
412	آیت ۱ تا ۶
412	ترجمہ؛
412	کوائف؛
412	ما قبل سے ربط؛
412	تفسیر؛
414	زکیب نحوی و تحقیق مرئی؛

انتساب

میں اپنی یہ کاوش اپنے والدین کریمین کے نام منسوب

کرتا ہوں جن کی دعاؤں اور شفقتوں سے میں اس قابل

ہوا کہ قرآن مجید کی کچھ خدمت کر سکا، اللہ تعالیٰ

میرے والدین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین۔

[گزارشات]

الحمد لله الذی علم القرآن، خلق الانسان، علیه البیان، والصلوة والسلام علی نبیہ خیر الانام، وعلی آله وازواجه واصحابہ الکرام، وعلی اتباعہ وعلی امتہ من المفسرین والمحدثین والفقہاء الی یوم القیام، اما بعد:

اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل و کرم ہے کہ اس رب لم یزل نے مجھ جیسے کم علم کو اپنے کلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی، اصل بات یہ ہیکہ انسانی طاقت کلام الہی کے سامنے بے بس ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اپنے بندوں سے کام لے لیتا ہے۔

کافی عرصہ قبل درجہ ثانویہ عامہ کے عم پارے کی تفسیر پڑھانے کا موقع ملا تھا، اس وقت اپنی اور طلبہ کرام کی آسانی کے لئے سبق کا خلاصہ اور راہم نکات لکھ لیا کرتا تھا، جس کے نتیجے میں سبق کے اختتام تک کافی مواد جمع ہو گیا اس بنا پر حاشیہ خیال میں یہ بات موجود تھی کہ جب بھی موقع ملا تو اس مواد کو باقاعدہ کتابی صورت میں ترتیب دوں گا، اس اثنا میں دس سال گزر گئے اب اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو اس مواد کو از سر نو ترتیب دیا اور پہلے سے زیادہ نئی چیزوں کا اضافہ کیا اور اس بات کی مکمل پابندی کی ہے کہ ہر بات متقدمین و متاخرین مفسرین کی تفاسیر سے مأخوذ ہو۔

اس تفسیر کی چند خصوصیات:

[۱] عام فہم سلیس ترجمہ اور روزمرہ کے مانوس الفاظ کا استعمال، [۲] کوائف سورہ: [۳] ربط بین السورتین: [۴] مدلل ومختصر تفسیر: [۵] لغوی و صرفی تحقیق: [۶] روان ترکیب: [۷] تفسیر القرآن بالقرآن [۸] تفسیر القرآن بالجملہ بیٹ [۹] متقدمین مفسرین کی تفاسیر سے مأخوذ [۱۰] فوائد نافعہ سے مزین۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ تفسیر میں نے فی الحال پی، ڈی، ایف فائل میں ثواب کی غرض سے عام کی ہے کیونکہ طباعت کے اسباب نہیں تھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بھی اسباب پیدا فرمادیں گے، (وما توفیق الا باللہ)

مراجع: اس تفسیر میں مندرجہ ذیل تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے:

تفسیر ابن کثیر، قرطبی، مجاہد، طبری، روح المعانی، رازی، اندلسی، بغوی، مظہری، درمنثور، معارف کاندھلوی، معارف مفتی شفیع، ذخیرۃ الجنان، معالم العرفان۔ انوار البیان، تبیان القرآن، تعلیم القرآن، تفسیر ماتریدی، وغیرہ،،،،

دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو طلبہ و طالبات، اساتذہ کرام اور مدرسین کے لئے نافع بنائے، اور مجھ سمیت میرے والدین، اور اساتذہ کرام کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے،

ربنا تقبل منا هذا الجهد وتب علينا يا ربنا انك انت التواب الرحيم

ابوصہیب شاعر عنی اللہ عنہ

03212881695

[تقديم]

قرآن کریم کی تعریف:

قرآ: جمع کرنے اور ملانے کے معنی میں آتا ہے، اور القراءۃ پڑھتے ہوئے کلمات اور حروف کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کو کہا جاتا ہے۔ قرآن بھی اصل میں قراءۃ کی طرح ہے، یعنی مصدر ہے جیسے: قراء، یقرأ، قرأ، قرأۃ، وقرآن۔

فرمان الہی ہے:

﴿إِنَّا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ (القيامة: ١٨-١٩)

”اس کا جمع کرنا اور (آپ کا زبان سے) پڑھانا ہمارے ذمہ ہے، ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔“

یہاں قرآن سے مراد قراءت ہے، یہ فُعْلَان (فا کے ضمہ کے ساتھ) مصدر ہے، جس طرح غفران اور شکران مصدر آتے ہیں

آپ کہتے ہیں قراءۃ، قرائن و قراءۃ و قرءانا جو بھی پڑھیں، مطلب ایک ہی ہوگا، پڑھی جانے والی چیز کو ”قرآن“ کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی مصدر کو مفعول کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے اور یہ نام اسی کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔

قرآن کا لفظی اطلاق پورے قرآن پر بھی ہوتا ہے اور ایک آیت پر بھی، چنانچہ جب آپ کسی شخص کو قرآن کی ایک آیت تلاوت کرتے ہوئے سنیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (الاعراف: ٢٠٣)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو۔“ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس کتاب کو قرآن کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام کتب سماویہ کا نچوڑ ہے، بلکہ اس میں تمام علوم کا نچوڑ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

﴿وَوَكَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَهْيِئًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (العنكب: ٨٩)

”ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کرنے والی کتاب نازل فرمائی۔“

نیز فرمایا:

﴿مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ٣٨)

”ہم نے کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔“

بعض علماء کا مذہب ہے کہ لفظ قرآن ”قرء“ سے مشتق نہیں، وہ کہتے ہیں: یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی

کتاب کا اصل نام قرآن ہے، یا یہ قرن (ملانے) سے ماخوذ ہے، یا یہ قرآن سے مشتق ہے، کیوں کہ اس کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور اس میں نون اصلی ہے لیکن یہ رائے درست نہیں، پہلی بات ہی صحیح ہے۔

قرآن کریم کی کوئی ایسی جامع تعریف کرنا بہت مشکل ہے جس میں اس کی اجناس و فصول اور اس کے خواص کا بیان ہو سکے اور وہ تعریف اس کی حقیقی تعریف بن جائے۔

اس کی حقیقی تعریف یہی ہے کہ اسے ذہن میں موجود سمجھا جائے اور حسی طور پر اس کا مشاہدہ کیا جائے۔ مطلب یہ کہ قرآن مصحف میں لکھا گیا ہو یا زبان سے پڑھا جا رہا ہو تو آپ کہیں: قرآن تو وہ ہے جو ان دو گتوں کے درمیان ہے۔ یا آپ یہ کہیں کہ قرآن بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے لے کر مِنْ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ تک ہے۔

علماء اس کے معنی کے قریب قریب ایک تعریف بھی ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے دوسری کتابوں سے اس کا امتیاز ہو جاتا ہے اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے، وہ تعریف یہ ہے:

((كَلَامُ اللَّهِ الْمُنَزَّلُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي تَعْبُدُ بِهَا وَتَلَاؤُهَا))

”اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا، جس کی تلاوت عبادت ہے۔“

تعریف میں کلام جنس ہے جو ہر کلام کو شامل ہے، اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی تو دوسری ہر قسم کی کلام وہ انسانوں اور جنات کی ہو یا فرشتوں کی، اس سے خارج ہو گئی اور ”المنزل“ کہہ کر اسے اس کلام سے خارج کر دیا گیا جو اس کے پاس محفوظ ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِغُلَامٍ مَدَدًا﴾ (الکہف: ۱۰۰)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کہہ دیجیے اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے روشنائی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں گے، خواہ ہم اس کے برابر مزید روشنائی لے آئیں۔“

﴿وَلَوْ أَنَّ مَاءَ الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامًا وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ آبْحَارٍ مَا نَفَذَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ﴾ (لقمان: ۲۷)

”اگر روئے زمین کے درخت قلم اور سمندر روشنائی بن جائیں، ان کے بعد سات سمندر اور آجائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔“

منزل کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کر کے اسے سابقہ انبیاء پر نازل ہونے والی کتب مثلاً: تورات و انجیل وغیرہ سے خارج کر دیا گیا۔ نیز المعبد بتلاوت یعنی اس کی تلاوت عبادت ہے، کہہ کر اخبار احاد اور احادیث قدسیہ کی قراءت کو اس سے خارج کر دیا، گو کہ احادیث قدسیہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، لیکن انہیں قرآن کریم جیسا درجہ حاصل نہیں ہے، کیوں کہ ”اس (قرآن) کی تلاوت عبادت ہے۔“ اس جملے کا مطلب ہے کہ نماز وغیرہ میں عبادت کی غرض سے اس کی قراءت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن کریم اور حدیث قدسی میں فرق:

قرآن کریم اور حدیث میں کئی پہلوؤں سے فرق ہے، جن میں سے چند امور کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

1۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کے الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ عرب کو چیلنج کیا کہ وہ اس جیسا قرآن، دس سورتیں یا کم از کم ایک ہی سورت ہی بنا لائیں۔ یہ چیلنج آج بھی موجود ہے اور اس کا اعجاز قیامت تک باقی رہے گا۔ جب کہ حدیث قدسی میں اس جیسا چیلنج اور اعجاز نہیں ہے۔

2۔ قرآن کریم کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، یعنی یہی کہا جائے گا: قال اللہ تعالیٰ۔

جب کہ حدیث قدسی کی روایت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اس وقت یہ نسبت انشائی ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: قال اللہ او یقول اللہ تعالیٰ۔

اور کبھی اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے اور یہ نسبت اخباری ہوتی ہے، لہذا اس میں کہا جاتا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویہ عن ربہ عزوجل۔

3۔ قرآن کریم مکمل طور پر تواتر سے منقول اور قطعی الثبوت ہے، جب کہ احادیث قدسیہ زیادہ تر اخباری احاد پر مشتمل ہیں جو کہ ظنی الثبوت ہیں۔ نیز حدیث قدسی کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی حسن اور کبھی ضعیف۔

4۔ قرآن کریم لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے اللہ کی طرف سے وحی ہے۔

جب کہ حدیث قدسی کا مفہوم اللہ کی طرف سے اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یعنی یہ معنوی لحاظ سے وحی ہوتی ہے نہ کہ لفظی اعتبار سے، اسی لیے جمہور محدثین کے نزدیک اس کی روایت بالمعنی جائز ہے۔

5۔ قرآن کریم کی تلاوت عبادت ہے، نیز اس کی قراءت کو نماز میں متعین کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل: ۲۰)

”قرآن کریم سے جو آسان ہے اس کی قراءت کرو۔“

نیز اس کی قراءت ایسی عبادت ہے جس پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

”جس شخص نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے ایک ملی اور نیکی کا دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آتم ایک

حرف ہے، بلکہ الف، لام اور میم تینوں علیحدہ علیحدہ حروف ہیں۔“ (ترمذی عن ابن مسعود)

جب کہ نماز میں حدیث قدسی کی تلاوت جائز نہیں ہے اور اس کی قراءت پر اللہ تعالیٰ عام ثواب عطا فرماتے ہیں نیز جو ثواب

قرآن کی قراءت پر ملتا ہے، یعنی ایک حرف پر دس نیکیاں وہ حدیث قدسی پر نہیں ملتا۔

تفسیر کا مفہوم:

تفسیر کا لغوی معنی:

لغوی لحاظ سے تفسیر ”ف، س، ز“ سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ جس کا معنی ہوتا ہے: واضح کرنا، کھولنا۔ اس کا فعل ضرب اور نصر کے وزن پر ہوتا ہے۔ فسر الشیء یفسر اور یفسر فسر کا معنی ہے: ڈھکی ہوئی چیز کو کھولا اور ظاہر کیا۔

لسان العرب میں ہے: یفسر بکشف الشیء: کسی ڈھکی ہوئی چیز کو کھولنا۔ لہذا تفسیر کا معنی ہوا: مشکل لفظ کی مراد کو کھولنا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ (الفرقان: ۳۳)

یعنی بیان اور تفصیل۔ ان دونوں فعلوں میں زیادہ تر مزید فیہ کا استعمال ہوتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی احسن تفسیر کا معنی تفصیل ہی کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سفر سے مقلوب ہے، اس کا معنی بھی کھولنا ہی ہے، جب کوئی عورت چہرے سے نقاب ہٹا دے تو عرب کہتے ہیں:

((سَفَرَتِ الْمَرْأَةُ سُفُورًا)) اور ایسی عورت کو سافرہ کہا جاتا ہے۔ اور اس سفر الشیء کا معنی ہوتا ہے: صبح روشن ہو گئی۔ باب تفعیل میں اسے ذکر کرنے کا مقصد کثرت کو ظاہر کرنا ہے۔ جیسے

﴿يَذْكُرُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾ (البقرة: ۴۹)

وہ تمہارے بچوں کا خوب قتل کرتے تھے۔ اسی طرح وَقَلَّتِ الْأَبْوَابُ (یوسف: ۲۳): اور اس (عزیز کی بیوی) نے اچھی طرح سے دروازے بند کر دیے۔

گویا تفسیر میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ ایک سورت کے بعد دوسری سورت اور ایک آیت کے بعد دوسری آیت۔ علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں:

فسر اور سفر جس طرح الفاظ میں قریب قریب ہیں، اسی طرح ان کے معانی بھی متقارب ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ فسر سے مراد ہے معقون معنی کو ظاہر کرنا، جب کہ سفر کا معنی ہے: کسی مادی چیز کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لانا۔ جیسے کہا جاتا ہے: ((سَفَرَتِ الْمَرْأَةُ عَنْ وَجْهِهَا)) اور ((اسْفَر الشَّيْءُ))

تفسیر کا اصطلاحی معنی:

ابو حیان نے تفسیر کی یہ تعریف کی ہے:

”تفسیر ایسے علم کو کہا جاتا ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کو ادا کرنے کا طریقہ، الفاظ کے مدلولات، ان کے انفرادی و ترکیبی

احکام، ان کے ترکیبی حالات اور ان سے متعلقہ تتمہ جات کے بارے بحث ہوتی ہے۔“ اس کے بعد وہ تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

علم سے ہر قسم کا علم مراد ہے، قرآن کے الفاظ کو ادا کرنے کے طریقے سے مراد علم القراءت ہے، مدلولات سے مراد ان الفاظ کے مدلولات ہیں اور یہ لغت کا علم ہے جو اس (تفسیر کے) علم کے لیے ضروری ہے۔ اس کے انفرادی اور ترکیبی احکام کا مطلب ہے کہ یہ علم صرفی، اعرابی، علم بیان اور علم بدیع پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان کے ترکیبی حالات سے مراد ہے کہ یہ علم الفاظ کی حقیقی اور مجازی معنی کو بھی واضح کرتا ہے کیوں کہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ جملہ کی ظاہری حالت کسی ایک چیز کو واضح کرتی ہے لیکن ظاہری مفہوم مراد لینے سے کوئی رکاوٹ موجود ہوتی ہے تو اسے غیر ظاہری یعنی مجازی معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور الفاظ سے متعلقہ تتمہ جات کا مطلب ہے: نسخ و منسوخ، اسباب نزول اور قرآن کے بعض مبہم قصائص کی پہچان کروانا۔

زر کشی کہتے ہیں:

تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب کی سمجھ، اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام کا استنباط ہو سکے۔“ (الاتقان ۱۷۴: ۲/)

تفسیر کی عظمت:

علوم شرعیہ میں تفسیر کو ایک بلند اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ نیز اپنے موضوع، غرض و غایت اور ضرورت کے لحاظ سے یہ بہت ہی عظیم علم ہے۔ کیوں کہ اس علم کا موضوع کلام اللہ ہے جو ہر حکمت کا سرچشمہ اور ہر فضیلت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ نیز اس کا مقصد اسلام کے مضبوط کڑے کو تھامنا اور حقیقی سعادت کا حصول ہے۔ اس کی ضرورت کا سبب یہ ہے کہ دین و دنیا میں کمال حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ وہ کام شریعت اور کتاب اللہ کے مطابق ہو۔

[سورۃ النبا]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۵۵

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۱) عَنِ النَّبِيَّ الْعَظِيمِ (۲) الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (۳) كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۴) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۵)

ترجمہ:

کس چیز کے بارے میں وہ آپس میں سوال کر رہے ہیں؟ (۱) (کیا) اس بڑی خبر کے بارے میں؟ (۲) وہ کہ جس میں وہ اختلاف کرنے والے ہیں۔ (۳) ہرگز نہیں، عنقریب وہ جان لیں گے۔ (۴) پھر ہرگز نہیں، عنقریب وہ جان لیں گے۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام نبا ہے اور نبا کا معنی ہے خبر یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سے پہلے اناسی 79 سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا اسی نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

سورۃ نبا کی سورت ہے جس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہ نے بڑی ہی قوت و عظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی، اس کے لیے خداوند عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کر دیئے گئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہوگا، تو زمین و آسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا، اب اس سورت میں مجرّمین و منکرین قیامت کے معاملہ میں جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی، اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی بیان کر کے ان کا رد، اور ان پر تنبیہ کی جارہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء و سزا کا قانون بھی بیان فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن کی روایت سے بیان کیا کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت ہوئی تو لوگ (قیامت کے بارے میں) ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ اس پر عم یسآء لون عن النبأ العظیم نازل ہوئی۔ (مظہری ج 10، ص 171)

تفسیر:

سوال کرنے والوں کا مصداق:

اس آیت میں فرمایا ہے: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟۔

یہ سوال کرنے والے کون لوگ تھے؟ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) کفار سوال کرتے تھے، کیونکہ **كَلَّا سَيَعْلَمُونَ۔ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ۔** (۴-۵) ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔ یہ دھمکی ہے اور دھمکانا صرف کفار کے لیے مناسب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفار تھے جو ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔

(۲) کفار اور مؤمنین دونوں سوال کرتے تھے، رہے مؤمنین تو وہ اس سے سوال کرتے تھے کہ دین میں ان کی بصیرت اور قیامت پر ان کا ایمان اور زیادہ قوی ہو جائے اور رہے کفار تو وہ اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اور اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالنے کے لیے سوال کرتے تھے۔

(۳) سوال کرنے والے کفار اور مشرکین تھے اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کرتے تھے کہ آپ جس قیامت کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں، وہ کب آئے گی۔

پہلی تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد قرآن مجید کی خبر ہے

جس عظیم خبر کے متعلق کفار سوال کرتے تھے وہ کس چیز کی خبر تھی؟ آیا قرآن کی یا سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی یا قیامت کی، ان تینوں احتمالات کی طرف مفسرین گئے ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی خبر ہے۔

(۱) امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا: ”النبأ العظیم“ سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۷۸۹۰:)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ (النبأ ۳:)

اور قرآن مجید کے متعلق کفار مکہ اختلاف کر رہے تھے، بعض کہتے تھے کہ قرآن مجید جادو ہے، اور بعض کہتے تھے کہ وہ شعر ہے اور بعض کہتے تھے کہ وہ ”اساطیر الاولین“ ہے یعنی پچھلی قوموں کے افسانے ہیں اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت اور قیامت کے انکار پر وہ متفق تھے، نیز النبأ ۲: میں فرمایا: وہ عظیم خبر کے متعلق سوال کرتے تھے، اور خبر کا مصداق صرف قرآن مجید ہے، اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت خبر نہیں ہے بلکہ آپ کی نبوت کی خبر دی گئی ہے، اسی طرح قیامت بھی خبر نہیں ہے بلکہ قیامت کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔

دوسری تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد آپ کی بعثت کی خبر ہے

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی خبر ہے۔

زجاج نے کہا ہے: اس سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ اور آپ کا دعویٰ نبوت مراد ہے۔

(زاد المسیر ج ۹ ص ۴، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

تیسری تفسیر عظیم خبر سے مراد حیات بعد الموت کی خبر ہے

(۲) اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ وہ قیامت اور لوگوں کو دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: قتادہ نے ”النبأ العظیم کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۷۸۹۱:)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس خبر سے مراد قیامت کا دن ہے، کفار نے کہا: اس دن کے متعلق تم یہ زعم کرتے ہو کہ ہم اور ہمارے آباء کو اس دن میں زندہ کیا جائے گا اور ان کا اس میں اختلاف تھا اور وہ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے بتایا: بلکہ وہ عظیم خیر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو، وہ قیامت کا دن ہے جس پر تم ایمان نہیں لاتے۔

قتادہ نے کہا: موت کے بعد زندہ کیے جانے میں ان کے دو فرقے تھے: بعض تصدیق کرتے تھے، اور بعض تکذیب کرتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔

”کلا“ کا لفظی اور مرادی معنی

ان دونوں آیتوں کے شروع میں ”کلا“ ہے۔ ”کلا“ کے احفاظ کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ جو چیز پہلے مذکور ہے اس کو نہ کیا جائے، یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ کفار اور مشرکین کہتے ہیں کہ یہ خبر عظیم باطل ہے، وہ حیات بعد الموت کو باطل کہتے ہیں، ہرگز نہیں! حیات بعد الموت باطل نہیں ہے، ان کو جب عنقریب ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو عین الیقین کے ساتھ جان لیں گے، پھر ہرگز نہیں! ان کو جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو حق الیقین کے ساتھ جان لیں گے۔

عین الیقین کا معنی ہے:

کسی چیز کا مشاہدہ سے علم ہونا، اور حق الیقین کا معنی ہے: کسی چیز کا تجربہ سے یقین ہونا، جب مشرکین قبروں سے نکلیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ لوگ قبروں سے زندہ ہو کر نکل رہے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر علم الیقین ہوگا، پھر جب وہ اس پر توجہ کریں گے کہ وہ خود بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر حق الیقین ہو جائے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”کلا“ کا لفظ ”حقا“ کے معنی میں ہے یعنی یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے۔ اور یہ جو فرمایا ہے: یہ عنقریب جان لیں گے، اس میں ان کے لیے وعید اور عذاب کی دھمکی ہے کہ یہ جس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں اور جس چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں، وہ برحق ہے، اس کو کوئی ٹانے والا یا مسترد کرنے والا نہیں ہے اور لاریب وہ چیز ضرور واقع ہوگی اور دوبارہ جو اس جملہ کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ دوسری دھمکی پہلی دھمکی سے زیادہ شدید ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی۔

عَمَّ اصل میں "عَمَّن" اور "عَمَّا" ہے۔ نون کا میم میں ادغام کیا گیا ہے کیونکہ "ن" اور "م" حروف غنہ میں شریک ہیں اور "نا" کے الف کو اس لیے حذف کیا گیا ہے تاکہ استفہامیہ اور "نا" خبریہ میں تمیز باقی رہے عَمَّن، حرف جار، نا، مجرور، استفہامیہ، یَسْأَلُ کُنُون، فعل مضارع جمع مذکر غائب یَسْأَلُ یَسْأَلُ، مصدر تَسَاءَلَ، ایک دوسرے سے پوچھنا، باہم سوال کرنا، عَمَّن الشَّيْءِ الْعَظِيمِ (عَمَّن - الشَّيْءِ - الْعَظِيمِ) عَمَّن، حرف جار، کے بارے میں، الشَّيْءِ، مجرور، موصوف خبر، الْعَظِيمِ، صفت، عَظِيمٌ مصدر سے صفت مشبہ، عظیم، بہت بڑی، الدُّنْيَا، اسم موصول واحد مذکر (جس) بُنْم، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) لَیْنٌ (فنی، و) فنی، حرف جار رائے تعلق، کے بارے میں، و، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کے بارے میں) مُخْتَلِفُونَ، اِخْتِلَافٌ، مصدر سے اسم قائل جمع مذکر (اختلاف کرنے والے) واحد، مُخْتَلِفًا، حرف رد و جر (ہرگز نہیں) سَيَعْلَمُونَ (سَ - یَعْلَمُونَ) سَ، فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے مستقبل کیلئے خاص کرتا ہے، عنقریب، بہت جلد، یَعْلَمُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب عَمَّ یَعْمُ، مصدر یَعْلَمُ، جاننا، وہ جان لیں گے، عَمَّ، حرف محظ (پھر) کَافًا، حرف رد و جر، سَيَعْلَمُونَ (سَ - یَعْلَمُونَ) سَ، حرف استقبال، فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے مستقبل کیلئے خاص کرتا ہے، عنقریب، بہت جلد، یَعْلَمُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب عَمَّ یَعْمُ، مصدر یَعْلَمُ، جاننا، وہ جان لیں گے،

آیت ۶ تا ۱۷

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا (۶) وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا (۷) وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا (۸) وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ سُبُلًا (۹) وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا (۱۰) وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱۱) وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۱۲) وَجَعَلْنَا بَيْنَ الْجِبَالِ مِثْقَالَ عُقْمٍ (۱۳) وَإِنَّا لَنُغْرِجُ بَحْرًا مِّنْ مَّاءٍ (۱۴) فَجَاءَ بِهَا عَذَابٌ كَرِيمٌ (۱۵) وَإِنَّا لَنُغْرِجُ بَحْرًا مِّنْ مَّاءٍ (۱۶) فَجَاءَ بِهَا عَذَابٌ كَرِيمٌ (۱۷)

ترجمہ:

کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔ (۶) اور پہاڑوں کو میخیں۔ (۷) اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ (۸) اور ہم نے تمہاری عیند کو (باعث) آرام بنایا۔ (۹) اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔ (۱۰) اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا۔ (۱۱) اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔ (۱۲) اور ہم نے ایک بہت روشن چراغ بنایا۔ (۱۳) اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے برسنے والا پانی اتارا۔ (۱۴) تاکہ ہم اس کے ساتھ غلہ اور پودے اگائیں۔ (۱۵) اور گھنے باغات۔ (۱۶) یقیناً فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے۔ (۱۷)

تفسیر:

حیات بعد الموت پر اجمالی ثواب اور دلائل:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا تھا کہ کفار حیات بعد الموت کا اور حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں، ان کے انکار کی بنیاد یہ تھی کہ جب انسان مر کر مٹی ہو جائے گا، اور ایک مردہ کی مٹی دوسرے مردے کی مٹی میں مل جائے گی اور تیز ہواؤں اور آندھیوں سے ان کے ذرات دور دراز علاقوں میں پہنچ جائیں گے تو کیسے معلوم ہوگا کہ کونسا ذرہ کس انسان کا ہے اور کونسا ذرہ

دوسرے انسان کا ہے؟ ان کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس کا علم ناقص ہو وہ ان مختلط ذرات کو باہم ممتاز نہیں کر سکتا اور جس کی قدرت ناقص ہو وہ ان بکھرے ہوئے ذرات کو جوڑ کر پھر ویسا ہی انسان بنا کر کھڑا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنی قدرت کے کمال پر النبا ۱۶: ۶ تک شواہد پیش کیے کہ اس نے زمین کو فرش بنایا، اس میں پہاڑوں کی میخیں لگائیں، انسانوں کو پیدا کیا، دن و رات کا نظام بنایا، سات مضبوط آسمان بنائے، سورج اور بادلوں کو پیدا کیا، زمین سے غلہ اور سبزہ اور گھنے باغات لگائے، کیا جس نے یہ ساری کائنات تخلیق کی ہے وہ تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا اور آخرت میں تمہارا محاسبہ نہیں کر سکتا اور نیکو کاروں کو ثواب اور گناہ گاروں کو عذاب نہیں دے سکتا؟۔

فرمایا: اور پہاڑوں کو میخیں۔

”اوتاد“ کا معنی

اس آیت میں ”اوتاد“ کا لفظ ہے، یہ ”وتد“ کی جمع ہے ”وتد“ کا معنی ہے: میخ اور کیل، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش بنا کر اس میں پہاڑوں کی میخیں لگا دیں تاکہ زمین اپنی جگہ قائم رہے، اس آیت میں پہاڑوں کو میخوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح میخ کو جب کسی چیز میں گاڑ دیا جائے تو وہ اس چیز کو قائم رکھتی ہے، اسی طرح جب پہاڑوں کو گاڑ کر زمین کو قائم فرمایا۔

فرمایا: اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔

”زوج“ کے معنی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال

اس آیت میں ”زوج“ کا لفظ ہے، علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ ”زوج“ کے معنی میں لکھتے ہیں: ”زوج“ شوہر، بیوی، طاق (فرد کے خلاف) یعنی جفت کو کہا جاتا ہے، دو چیزوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ”زوج“ ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۱۹۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس آیت میں ”زوج“ سے یہی آخری معنی مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حال میں پیدا کیا ہے کہ تمہاری دو صفتیں ہیں اور تم دونوں کی وجہ سے نسل انسانی کا فروغ ہو رہا ہے اور زوج کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جس کی دو مشقیں ہوں، عام ازیں کہ وہ جان دار چیزیں ہوں یا بے جان چیزیں ہوں، جیسے میاں بیوی، جراثیم، موزے اور جوتے وغیرہ، اسی طرح وہ متقابل چیزوں پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے، جیسے فقر اور غنا، صحت اور مرض، علم اور جہل اور قوت اور ضعف وغیرہ، اسی طرح قبیح اور حسین، طویل القامت اور قصیر القامت وغیرہ اضداد پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور انتہائی حکمت پر واضح دلیل ہے کہ اس نے غنی اور فقیر، صحت مند اور بیمار اور توانا اور کمزور متضاد صفات کے

حامل انسان پیدا کیے تاکہ ان کا امتحان اور آزمائش ہو سکے اور یہ دیکھا جائے کہ غنی اور صحت مند، صحت اور خوش حالی پر شکر کرتا ہے، نہیں اور فقیر اور بیمار اپنے فقر اور مرض پر صبر کرتا ہے یا نہیں، کیونکہ انسان بیماری کی حالت میں صحت کی قدر کرتا ہے اور فقر کی حالت میں خوش حالی کی قدر کرتا ہے۔

فرمایا: اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا۔

”نوم اور سبات کے معانی اور نیند کو سبات“ فرمانے کی وجہ؛

اس آیت میں دو لفظ ہیں: ”نوم“ اور ”سبات“ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ”نوم“ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”نوم کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں:

(۱) رطب (تر) بخارات کے دماغ کی طرف چڑھنے کی وجہ سے دماغ کے پٹھوں کا ڈھیلا پڑ جانا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نفس کو بغیر موت کے وفات دے دے، قرآن مجید میں ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روجوں کو ان کی موت کے وقت قیض فرماتا ہے اور جن کو موت نہیں آئی ان کی روجوں کو نیند کے وقت قیض فرماتا ہے۔

(۳) نیند خفیف موت ہے اور موت ثقیل نیند ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۶۰، متنبہ زار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

”سبت“ کے اصل معنی ہیں: ”نقطع“ یعنی کسی کام کو منقطع کرنا، ہفتہ کے دن کو ”یوم السبت“ کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اتوار کے دن سے شروع کی اور چھ دنوں میں اس تخلیق کو مکمل کر لیا، پھر ہفتہ کے دن اس نے اپنے عمل کو منقطع کرویا تو اس لیے اس کا نام ”یوم السبت“ ہوا، یعنی کام منقطع کرنے کا دن، قرآن مجید میں ہے:

إِذْ يَعْلُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حَيَاتُهُمْ يَوْمَ سُبْحَتِهِمْ يُرْغَبُونَ لَا يَسْتَوُونَ لَا تَأْتِيهِمْ (الاعراف: ۱۴)

جب وہ (بنو اسرائیل) ہفتہ کے دن تجاؤز کرتے تھے، جب ان کے کام کے انقطاع کے دن مچھلیاں ظاہر آسانی آتی تھیں اور جس دن وہ کام منقطع کرتے تھے (ہفتہ کے دن) اس دن وہ ان کے سامنے نہیں آتی تھیں۔

اور فرمایا: اور ہم نے تمہاری نیند کو کام کاج کے انقطاع کا ذریعہ بنادیا یعنی راحت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیند کو ”سبات“ فرمایا یعنی قطع کا ذریعہ اور سبب، سو اس کی علماء نے حسب ذیل توجیہات کی ہیں۔

(۱) زجاج نے کہا: نیند انسان کے اعمال اور اس کی حرکات کے منقطع ہونے کا سبب ہے، اس لیے اس کو ”سبات“ فرمایا۔

(۲) قرآن مجید میں نیند کو موت فرمایا ہے (الزمر ۴۲:) اس لیے بیداری کو حیات اور معاش یعنی روزی کمانے کا ذریعہ فرمایا ہے

(۳) لیث نے کہا: ”السات“ ایسی نیند ہے جو بے ہوشی کے مشابہ ہے، اگرچہ ہر نیند ایسی نہیں ہوتی لیکن وجہ تسمیہ کے لیے جامع ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۴) ”سات“ کا معنی قطع ہے یعنی کلڑے کلڑے اور انسان کو نیند بھی کلڑے کلڑے کر کے اور قسط وار آتی ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ انسان مسلسل کی گئی دن سوتا رہے، وہ چند گھنٹے سو جاتا ہے، پھر جاگ کر کام کرتا ہے، پھر سو جاتا ہے تو اس کو نیند قطعات کی صورت میں آتی ہے۔

(۵) انسان جب کام کرنے سے تھک جاتا ہے تو کام منقطع کر کے سو جاتا ہے اور یہ نیند اس کی تھکاوٹ کو زائل کر دیتی ہے، پس اس تھکاوٹ کے ازالہ کو ”سات“ فرمایا یعنی تھکاوٹ کو قطع کرنا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نیند کو راحت بنادیا۔

(۶) مبرو نے کہا: جب انسان پر نیند کا غلبہ ہو اور انسان اس نیند کو دور کرنے اور منقطع کرنے کی کوشش کرے تو عرب اس کو بھی ”سات“ کہتے ہیں، اس صورت میں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تمہاری نیند کو خفیف اور ہلکی بنایا ہے تاکہ تمہارے لیے اس نیند کو منقطع کرنا آسان ہو۔
فرمایا: اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا۔

لباس کا معنی اور دات کو لباس فرمانے اور اس کے نعمت ہونے کی وجہ

اس آیت میں ”لباس“ کا لفظ ہے، علامہ محمد بن ابوبکر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں:

”لباس“ کا ایک معنی ہے: اشتباہ، یعنی کسی شخص پر کوئی معاملہ غلط ملطہ کر دینا، قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلْكَسَبْنَا عَلَيْهِمْ مَائِلِي سُونَ. (الانعام: ۹)

اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بنا دیتے تو ہم اس کو انسان ہی بنا دیتے اور ہم ان پر اسی چیز کا التباس اور اشتباہ ڈال دیتے جس کا التباس اور اشتباہ انھیں اب ہو رہا ہے۔

اور لباس اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پہنا جائے، مرد و عورت کا لباس ہے اور عورت مرد کا لباس ہے، قرآن مجید میں ہے:

هٰنَ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرة: ۱۸۰)

وہ (بیویاں) تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

وَلِبَاسُ السَّقْوَىٰ خَلِيكَ خَيْرٌ (الاعراف: ۴۱)

اور تقویٰ کا لباس یہی زیادہ بہتر ہے۔

تقویٰ کے لباس سے مراد حیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے یا عذاب کے ڈر سے تحش کاموں اور دیگر برائیوں کو ترک کر دینا)۔ (مختار الصحاح ص ۳۴۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ہر وہ چیز جو انسان کی قبیح چیزوں کو ڈھانپ لے، اس کو لباس کہتے ہیں، شوہر بیوی کا لباس ہے کیونکہ بیوی کی ضروریات اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کی وجہ سے وہ بیوی کو تحش اور غلط کاموں کے ارتکاب سے روکتا ہے، اسی طرح بیوی شوہر کا لباس ہے کیونکہ اس کی خدمت اور اس کی خواہش پوری کرنے کی وجہ سے وہ شوہر کو غلط راہوں پر جانے سے روکتی ہے۔

قفال نے کہا: اصل میں لباس ڈھانپنے کی چیز کو کہتے ہیں اور چونکہ رات اپنی ظلمت اور اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے، اس لیے رات کو لباس فرمایا ہے، اور رات انسان کے حق میں اس لیے نعمت ہے کہ جب انسان اپنے دشمن سے چھپنا چاہے تو رات اس کے لیے ساتر ہوتی ہے اور جس طرح لباس کی وجہ سے انسان کا جمال زیادہ اور کامل ہوتا ہے اور لباس کی وجہ سے وہ سردی اور گرمی کے ضرر کو دور کرتا ہے، اسی طرح رات کی نیند کی وجہ سے انسان کا حسن و جمال زیادہ ہو جاتا ہے، اس کی تھکاوٹ کے زائل ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے سے اضطلال دور ہو جاتا ہے اور وہ تروتازہ اور شاداب ہو جاتا ہے اور اس کے دماغ سے تفکرات کا بھوم نکل جاتا ہے اور وہ پرسکون ہو جاتا ہے۔

فرمایا: اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

”معاش“ کا معنی اور اس کے نعمت ہونے کی توجیہ:

اس آیت میں ”معاش“ کا لفظ ہے ”معاش“ ”عیش“ سے بنا ہے ”عیش کے معنی ہے: وہ حیات جو جان داروں کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ مطلقاً حیات کا لفظ تو حیوان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لفظ سے معیشت بنا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۸)

معیشت کا معنی ہے: حیات کے ذرائع اور وسائل یعنی زندگی گزارنے کے اسباب۔

فرمایا: اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔

لھٰم بنینا“ لہٰم کی حکمت:

”شداد“ کا لفظ ”شذیۃ“ کی جمع ہے یعنی جس کی تخلیق مضبوط اور محکم ہو اور وقت کے گزرنے سے اس میں کوئی تغیر نہ ہو سکے اور اس میں نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو سکے اور نہ اس میں کوئی شکایت پڑ سکے، اس کی نظریہ آیت ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْوَافًا مِّنْ مَّحْفُوظًا (الانبیاء: ۴۳)

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے۔

اس آیت میں ”بنینا“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ہم نے بنیاد رکھی اور بنیاد مکان کے نیچے ہوتی ہے اور چھت اوپر ہوتی ہے تو چھت بنانے کے لیے لفظ ”بنینا“ کو لانے کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنیاد ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ

ہوتی ہے، جب کہ چھت میں ٹوٹ پھوٹ کا خطرہ ہوتا ہے، تو ”بنینا“ کا لفظ لا کر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ چھت کی بنیاد کی طرح مضبوط ہے اور ٹوٹ پھوٹ کے خطرہ سے محفوظ ہے۔

فرمایا: اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا۔

”وہاج“ کا معنی؛

اس آیت میں ”وہاج“ کا لفظ ہے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ ”وہج“ سے بنا ہے۔ ”وہج“ کا معنی ہے: روشن ہونا، چمکتا اور بھڑکنا، سو اس کا معنی ہے: بہت زیادہ روشن۔

بعض علماء نے کہا: ”الوہج“ کا معنی ہے: ”مجمع النور والحراۃ“ گویا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ سورج انتہائی درجہ کا روشن اور انتہائی درجہ کا گرم ہے، کبھی نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ ”الوہاج“ صرف نور کا مبالغہ ہے، اور الخلیس کی کتاب میں لکھا ہے کہ ”الوہج“ آگ اور سورج کی گرمی ہے۔

اس کا تقاضا ہے کہ ”الوہاج“ حرارت کا مبالغہ ہو یعنی انتہائی گرم اور روشن۔

فرمایا: اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زور دربارش نازل کی۔

المعصرات کا معنی؛

اس آیت میں ”المعصرات“ کا لفظ ہے، اس کا واحد ”المعصرۃ“ ہے، اس کا لغوی معنی ہے: نچوڑنے والی، یعنی بادلوں کو نچوڑنے والی ہوائیں۔

”المعصرات“ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس (رض) سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد بادل ہیں۔

مجاہد، مقاتل، کلبی اور قتادہ نے حضرت ابن عباس (رض) سے یہ روایت کیا ہے کہ ”المعصرات“ سے مراد وہ تند و تیز ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں، قرآن مجید میں ہے:

أَلَلَّهِ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُحْمَلُهُمَا السَّحَابُ (الرَّوْم: ٨٠)

اللہ ہوا نہیں چلاتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں۔

ابو العالیہ، الربیع اور الضحاک نے کہا: ”المعصرات“ سے مراد بادل ہیں اور انھوں نے بادلوں کو ”المعصرات“ کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) المورج نے کہا: لغت قریش میں ”المعصرات“ کا معنی بادل ہے۔

(۲) المازنی نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ”المعصرات“ ہی بادل ہوں، جو نچڑتے ہیں کیونکہ جب نچوڑنے والی چیزیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں تو ان سے پانی برستا ہے اور بارش ہوتی ہے۔

(۳) ”المعصرات“ سے مراد وہ بادل ہیں جو پھڑپھڑانے کے قریب ہوتے ہیں کیونکہ جب ہوائیں ان بادلوں کو چوڑتی ہیں تو وہ برسنے لگتے ہیں، جس طرح جب فصل کٹنے کے قریب ہو تو کہا جاتا ہے فصل کٹ گئی۔

”حجاج“ کا معنی ہے :

زور و شور کے ساتھ برسنے والا، اس کا معنی ہے : پانی برسا اور بہنا۔ ”شج“ کا مصدر لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی ہوتا ہے، گویا اس کا معنی بہنا بھی ہے اور بہانا بھی ہے، حدیث میں بھی ”شج“ کا لفظ ہے : جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : ”افضل الحج البیع والبیع“ یعنی سب سے افضل حج وہ ہے جس میں بلند آواز سے تبلیہہ کہا جائے اور قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۷۹۷)

فرمایا : تاکہ ہم اس کے سبب سے غمہ اور سبزہ اگائیں۔ اور گھنے باغات۔

غلہ اور سبزہ اگانے کی تفسیر:

جب یہ پانی زمین تک پہنچ جائے گا اور مٹی اور بچ سے مختلط ہو جائے گا تو ہم اس سے غلہ اور سبزہ اگائیں گے، غلہ سے مراد وہ زرعی پیداوار ہے، جو انسان کی خوراک بنتی ہے، جیسے گندم، جو، چاول اور مختلف دالیں، اور سبزہ سے مراد وہ مختلف اقسام کا چارہ ہے۔ جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں دونوں کی خوراک کا بندوبست کیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

كُلُوا وَارْزُقُوا اَلْغَنَامُكُمْ (طہ: ۴۱)

تم خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔

فرمایا : اور گھنے باغات۔

تاکہ انسان باغات کے پہلوں سے نئے نئے ذائقوں کی لذت حاصل کرنے جنت کا اصل معنی ستر اور چھپانا ہے، ڈھال کو۔ ”جنت“ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن کے وار کے لیے ستر ہوتی ہے، گھنے باغات سے مراد کھجور اور دوسرے پہلوں کے باغات ہیں۔ ”الفاقا“ کے معنی ہیں : ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے یعنی گھنے۔ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کی بہ کثرت گھنی اور سایہ دار شاخیں ہوتی ہیں، درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے میں گھسی ہوئی ہوتی ہیں تو وہ گھنا ہوتا ہے اور خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

فرمایا : بیشک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے۔

حیات بعد الموت پر دلائل اور شواہد کا خلاصہ ہے

اس آیت میں جو فرمایا ہے : بیشک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہے،

آیت ۱۸ تا ۳۰

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا (۱۸) وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (۱۹) وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَادٍ (۲۰) إِنَّ جَهَنَّمَ
كَانَتْ مِرْصَادًا (۲۱) لِلظَّالِمِينَ مَا بَأْسًا (۲۲) لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (۲۳) إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (۲۴)
جَزَاءً وَفَاقًا (۲۵) إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا (۲۶) وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا (۲۷) وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (۲۸) فَذُوقُوا فَلَنْ
تَزِيدَ كُفْرًا إِلَّا عَذَابًا (۲۹)

ترجمہ:

جس دن صور میں پھونکا جائے گا، تو تم فوج در فوج چلے آؤ گے (۱۸) اور آسمان کھولا جائے گا تو وہ دروازے دروازے ہو جائے گا۔ (۹) اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔ (۲۰) یقیناً جہنم ہمیشہ سے ایک گھات کی جگہ ہے۔ (۲۱) سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے (۲۲) وہ مدتوں اسی میں رہنے والے ہیں۔ (۲۳) نہ اس میں کوئی ٹھنڈ چکھیں گے اور نہ کوئی پینے کی چیز۔ (۲۴) مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ (۲۵) پورا پورا بدلہ دینے کے لیے۔ (۲۶) بلاشبہ وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ (۲۷) اور انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، بری طرح جھٹلانا۔ (۲۸) اور ہر چیز، ہم نے اسے لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ (۲۹) پس پکھو کہ ہم تمہیں عذاب کے سوا ہر گز کسی چیز میں زیادہ نہیں کریں گے۔ (۳۰)

تفسیر:

فرمایا: جس دن یوم صور میں پھونکا جائے گا۔

نفع صوری تشریح:

حدیث نفع صور (ب ۱ ترمذی ص ۶۷) میں صور کی تشریح موجود ہے۔ صحابہ کرام (رض) نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صور کو ایک سینگ کی مانند سمجھو جس کا ایک کنارہ باریک اور دوسرا پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اسرافیل (علیہ السلام) فرشتہ کہ صور کے باریک کنارے میں پھونک مارے گا۔ جو کھلے دہانے سے پھیلے گی۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی پھونک پر تمام جانداروں پر موت طاری ہو جائے گی۔ یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ فنا کا صور ہوگا۔ جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا۔ تو قمر مردے زندہ ہو جائیں گے۔ اور پھر ان کا محاسبہ ہوگا اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

حدیث شریف (ب ۲ مسلم ص ۴۰۶ ج ۲ تجاری ص ۷۳۵ ج ۲) میں آتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ پہلے اور دوسرے صور کے درمیان چالیس ۴۰ کی مسافت ہے۔ صحابہ (رض) نے پوچھا کہ چالیس ۴۰ سال حضرت ابو ہریرہ (رض) نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ صحابہ (رض) نے پھر پوچھا کہ! چالیس دن؟ انھوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال دو صور کے درمیان چالیس ۴۰ دن یا چالیس سال کی مسافت ہوگی۔ پہلی بار صور پر تمام نظام ملیہ میٹ ہو جائے گا۔ اور دوسری

بار صور پر پھر زندہ ہو جائینگے۔ ایک دوسری حدیث (ب ۳ ترمذی ص ۶۶) میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! میں کس طرح خوش رہ سکتا ہوں جب کہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں پکڑا ہوا ہے پیشانی جھکائی ہوئی ہے۔ اور کان لگائے ہوئے منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ پھونک مارے۔ تو فرمایا جس دن صور پھونکا جائے گا فتاتون افواجا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج غول کے غول یا جھنڈ کے جھنڈ۔ دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ۔ جس طرف سے آواز آرہی ہوگی۔ لوگ اس طرف ایسے دوڑیں گے، جیسے تیر نشانے کی طرف جاتا ہے۔

(ب ۳ ترمذی ص ۶۶-۴ عرف شذی ص ۶۹)

صور پھونکنے پر مختلف ارواح اپنے اپنے اجسام کے ساتھ بالکل اسی طرح منسلک ہو جائیں گی جس طرح وہ دنیا میں ہوا کرتے تھے جو بھی نیکی یا بدی انھوں نے دنیا کی زندگی میں کی تھی، وہ ان کے ساتھ ہوگی دوسری جگہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ جب انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے ہم یوزعون الگ الگ کر دیا جائے گا۔ یعنی کافر الگ ہوں گے، مومن الگ ہوں گے، اطاعت والے علیحدہ ہوں گے اور معصیت میں ملوث علیحدہ۔ زانی، قاتل چور وغیرہ ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے گروہ میں شامل ہوں گے۔ اس طرح خوش عقیدہ گروہ الگ ہوگا اور بد اعتقاد لوگ اپنے ٹولہ میں ہوں گے۔ صابر و شاکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھیں گے اور ناشکر گذار اپنے جیسوں کے ہمراہ ہو گے۔ اس طرح گویا تمام اقسام کے لوگ گروہ در گروہ آگے جائیں گے۔ بعض ضعیف روایات میں آتا ہے کہ اس وقت بعض لوگوں کی شکلیں بندروں کی ہوں گی اور بعض کی خنزیروں جیسی۔ بعض کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوں گے اور بعض کی زبانیں لٹک رہی ہوں گی۔ گویا مختلف جرائم میں ملوث لوگ اپنی بد عقیدگی، اور بد اعمالی اور بد اخلاقی کی بنیاد پر اپنے اپنے گروہوں میں اکٹھے ہوں گے۔

(ب ۱ تفسیر درمنثور ص ۳۰۷ ج ۲ تفسیر عزیز فارسی ص ۱۲ پ ۳۰ روج المعانی ص ۱۲ ج ۳۰)

فرمایا: اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے۔

آسمان کے دروازوں کا ثبوت

اس آیت کا معنی ہے: فرشتوں کے نزول کے لیے آسمان میں دروازے بن جائیں گے، قرآن مجید میں ہے:

وَيَوْمَ تَمُتُّ السَّمَاءُ بَالُغًا وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا. (الفرقان: ۲۵)

جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگاتار اتار جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور دروازوں کی مثل ہو جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ دروازوں سے مراد آسمان کے راستے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آسمان بکھر جائے گا اور اس میں درازے بن جائیں گے، ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں، ایک دروازے سے اس کے نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور دوسرے

دروازے سے اس کا رزق آسمان سے اترتا ہے، اور جب قیمت قائم ہوگی تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، آسمان کے دروازوں کا اس حدیث میں ذکر ہے:

شب معراج کی حدیث میں ہے: پھر ہم کو آسمان کی طرف لے جایا گیا، حضرت جبرائیل نے دروازہ کھلویا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: میں جبرائیل ہوں، کہا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پوچھا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! ان کو بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۶۳، السنن الکبریٰ رقم الحدیث ۳۱۴):

قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں آسمان کے دروازوں کا صراحتہ ذکر ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ (الاعراف: ۴۰)

جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

فرمایا: اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کے چھ احوال:

اس آیت میں ”سراب“ کا لفظ ہے، شدید گرمی میں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے ریگستان میں جو ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اور دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی بہ رہا ہے اور درختوں کا عکس اس میں دکھائی دے رہا ہے اس کو سراب کہتے ہیں کیونکہ اس چمکتی ہوئی ریت پر نظر پڑنے سے پانی کا دھوکا ہو جاتا ہے، اس لیے دھوکے اور فریب کے لیے سراب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

اور اس آیت میں ”سیرت“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جوڑ سے اکھاڑ دینا یا کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پہاڑوں کے حسب ذیل احوال ذکر فرمائے ہیں:

(۱) پہلا حال یہ ہے کہ پہاڑوں پر ایک ضرب لگا کر ان کو جوڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا اور اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا:

وَمُحَلَّتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً (الحاقة: ۷)

اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھالیا جائے گا اور ان کو ایک ضرب سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

(۲) دوسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح اڑ رہے ہوں گے:

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (القارعة: ۵)

اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ بکھرے ہوئے ذرات کے غبار کی طرح ہو جائیں گے:

وَبُسْبُ الْجِبَالِ بَشًّا. فَكَانَتْ مَبَاءً مُّتَنَبِّئًا. (الواقعه: ۲۰)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ پھر وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

(۴) چوتھا حال یہ ہے کہ پہاڑوں کو دھنک دیا جائے گا کیونکہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے مختلف

حصوں میں پڑے ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ ان کو دھنک ڈالے گا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا. (طہ: ۱۰۰)

وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، سو آپ کہیے کہ میرا رب ان کو دھنک ڈالے گا (یعنی ریزہ ریزہ کرے کے اڑا دے گا)۔

(۵) پانچواں حال یہ ہے کہ جس طرح کسی سوراخ یا روشن دان سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور ان میں روشنی کے باریک

ذرات کے غبار دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجے گا تو وہ پہاڑوں کے ذرات کو اڑائیں گی اور وہ

شعاعوں میں باریک ذرات کے منتشر غبار کی طرح دکھائی دیں گے:

وَيَوْمَ نُسِفُ الْجِبَالِ وَتَكُونُ الْأَرْضُ بَارِزَةً. (الكهف: ۲۰)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمیں کو صاف کھلی ہوئی حالت میں دیکھو گے۔

وتكوي الجبال تحسبها جامدة وهي قمر مر السحاب (العمل: ۳۰)

اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بھی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

(۶) پہاڑوں کا چھٹا حال یہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر سراب اور فریب نظر ہو جائیں گے اور حقیقت میں لاشی اور معدوم

ہو جائیں گے اور جو شخص پہاڑوں کی جگہ دیکھے گا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جیسے کسی شخص کو دور سے ریگستان میں چمکتا ہوا

پانی نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا اور اس حال کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا. (النبا: ۲۰)

اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔

فرمایا: بیشک دوزخ گھات میں ہے۔

”مرصاد“ کا معنی اور مصداق

دوزخ گھات میں ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ منتظر ہے یعنی جب سے دوزخ بنائی گئی ہے، وہ مجرموں کا انتظار کر رہی

ہے کہ ان کو کب دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

”مرصاد“ کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ”مرصاد“ اسم ظرف ہے اور یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں سے

گھات لگائی جاتی ہے، جیسے ”اضمار“ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھوڑوں کو ”اضمار“ کیا جاتا ہے یعنی پہلے انھیں کچھ

کچھ دن خوب کھلاتے پلاتے ہیں اور بعد میں انھیں کچھ دن بھوکا رکھتے ہیں تاکہ ان کا جسم مضبوط ہو جائے اور مشقت برداشت کرنے کا عادی ہو جائے۔ اس اعتبار سے اس میں دو افعال ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دوزخ کے محافظ مجرموں کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے مؤمنین دوزخ کے اوپر سے گزریں گے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَفْنَىٰ إِلَّا وَاْرِثُهَا (مریم ۸۱)

تم میں سے ہر شخص دوزخ میں سے گزرے گا۔

پس جنت کے محافظین دوزخ کے پاس مؤمنین کے استقبال کرنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔

”مرصاد“ کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ ”وصد“ کا مبالغہ ہے، ”وصد“ کا معنی ہے: انتظار کرنا اور ”مرصاد“ کا معنی ہے: بہت شدید انتظار کرنا، گویا کہ دوزخ اللہ کے دشمنوں کا بہت شدید انتظار کر رہی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَاذِبُ مِّنَ الْغَيِظِ (الملک ۸۰)

قریب ہے کہ دوزخ مارے غیظ و غضب کے پھٹ جائے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: بیشک دوزخ گھات میں ہے یعنی وہ ابتداء سے مجرموں کا انتظار کر رہی ہے اور جب دوزخ کی تخلیق کی جا چکی ہے تو جنت کی بھی تخلیق کی جا چکی ہے کیونکہ دونوں کی تخلیق میں فرق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

فرمایا: سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔

یعنی دوزخ تمام مجرموں کی گھات میں ہے، خواہ وہ کفار ہوں یا مؤمنین فاسق ہوں، وہ انتظار تو تمام مجرموں کا کر رہی ہے لیکن ٹھکانا صرف سرکشوں کا ہے، اور سرکشوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتے ہیں اور اس کی مخالفت اور اس سے معارضہ کرنے میں حد سے بڑھتے ہیں۔

فرمایا: جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے۔

”احقاب“ کا معنی:

اس آیت میں ”احقاباً“ کا لفظ ہے یہ ”حقب“ کی جمع ہے ”حقب“ کا معنی ہے: زمانہ کی ایک مقرر مدت، اس مدت کے تعیین میں اہل لغت کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: یہ مدت اسی برس ہے، بعض نے کہا: تین سو برس اور بعض نے کہا: تین ہزار برس، قتادہ نے کہا: ”احقاب“ سے مراد ہے: غیر متناہی زمانہ۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ ”احقاب“ کی تفسیر میں مفسرین سے حسب ذیل وجوہ منقول ہیں:

(۱) کلبی اور مقاتل نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ ”احقاب“ کا واحد ”حقب“ ہے اور اس کا معنی ہے: اسی اور کچھ سال اور سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے اور ایک دن دنیا کے ہزار سالوں کے برابر ہے، حضرت ابن عمر (رض) نے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس طرح کی روایت کی ہے۔

(۲) ہلال بھری نے حضرت علی (رض) سے ”احقاب“ کے متعلق سوال کیا تو حضرت علی نے فرمایا: ”احقاب“ کا واحد ”حقب“ ہے، اور اس کا معنی سو سال ہیں، اور ایک سال میں بارہ مہینے ہیں اور ایک مہینہ میں تین دن ہیں اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: ”احقاب“ کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ اس سے کتنی مدت مراد ہے لیکن اس کا واحد ”حقب“ ہے اور اس کی مدت ستر سال ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ”احقاب“ خواہ کتنا طویل ہو مگر اس کی مدت ہے تو متناہی اور اہل دوزخ کے عذاب کی مدت غیر متناہی ہے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ”احقاب“ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہل دوزخ کو کئی ”حقب“ تک عذاب دیا جائے گا، ایک ”حقب“ ختم ہونے کے بعد دوسرا ”حقب“ شروع ہو جائے گا اور یوں ان کو غیر متناہی ”حقب“ تک عذاب ہوتا رہے گا۔

(تفسیر مجاہد ص ۳۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ”احقاب“ یعنی مدت طویل تک عذاب میں مبتلا رہیں گے، ان کو ٹھنڈک حاصل ہوگی نہ کوئی مشروب، پس ”احقاب“ کی مدت میں انہیں ایک خاص قسم کا عذاب ہوتا رہے گا اور اس مدت میں ان کو پینے کے لیے صرف گرم پانی اور دوزخیوں کی پیپ دی جائے گی، پھر جب اس ”احقاب“ کی مدت گزر جائے گی تو ان کو دوسری قسم کا عذاب دیا جائے گا اور یوں ہر ”احقاب“ کے بعد عذاب کی جہنم بدلتی رہے گی اور ان کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوتا رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۳) اگرچہ اس آیت میں مفہوم مخالف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ”احقاب“ کی مدت گزرنے کے بعد اہل دوزخ کا عذاب منقطع ہو جائے گا لیکن اس کے مقابلہ میں صریح قرآن میں یہ مذکور ہے کہ اہل دوزخ کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوگا اور صریح دلیل مفہوم مخالف والی دلیل پر مقدم ہوتی ہے اور عذاب ختم نہ ہونے کا صریح ذکر اس آیت میں ہے:

يُرِيدُونَ أَن يُخْرَجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخارجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ (المائدہ: ۴۰)

کفار دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے حالانکہ وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶-۱۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ کس وقت کفار دوزخ سے نکل جائیں گے اور وہ دوزخ میں خلود اور دوام کے ساتھ نہیں رہیں گے، کیونکہ ہر چند کہ ”احقاب“ کا معنی متناہی زمانہ ہے لیکن دوزخ میں کفار کے لیے ایک ”احقاب“ نہیں ہوگا بلکہ احقاب کثیرہ غیر متناہیہ ہوں گے، اور اگر بالفرض یہ آیت مفہوم مخالف کے اعتبار سے دوزخ میں کفار کے عدم خلود پر دلالت کرتی ہے تو قرآن مجید کی بہت آیتیں دوزخ میں کفار کے خلود اور دوام پر مفہوم صریح سے دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت ہے:

وَمَا هُمْ بِخارجين مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ۔ (المائدہ: ۴۰)

اور کفار دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے اس میں دائمی عذاب ہوگا۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۵-۲۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

فرمایا: اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب۔ سوا کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے۔ یہ ان کے موافق بدلہ ہے۔

”برہ کی تفسیر“

یعنی کفار اور مشرکین بار بار مدتوں تک جس عذاب میں مبتلا رہیں گے، اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب، شدید گرمی اور تپش میں رہنے کے باوجود انھیں ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھوٹا نصیب نہیں ہوگا، اور نہ کوئی سایہ ملے گا جو انھیں دوزخ کی گرمی سے بچ سکے، اور نہ انھیں کوئی مشروب ملے گا جس سے انھیں پیاس میں تسکین حاصل ہو، اور ان کے باطن کی گرمی کو زائل کر دے۔

عساق کا معنی:

نیز اس آیت میں ”عساق“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ٹھنڈا بخ بدبودار پانی۔ (غریب القرآن) دوزخیوں سے بہنے والا لہو۔ (جلدین، المفردات) حدیث میں ہے کہ اگر ”عساق“ کا ایک ڈون دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا والوں کے دماغ سڑ جائیں۔ (مجمع بحار الانوار)

علامہ یحییٰ نے لکھا ہے: ”عساق“ کا معنی ہے: دوزخیوں کا بہنے والا لہو یا ان کا دھودن یا آنسو یا زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک۔ ”قاموس“ اور ”تاج العروس“ میں بھی اس کا معنی زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک لکھا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ”عساق“ کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

(۱) ابو معاذ نے کہا: ”عساق“ فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی بنا دیا ہے، فارس کے لوگ جب کسی چیز سے گھن کھاتے تھے تو اس کو خاشاک کہتے تھے۔

(۲) جس چیز کی ٹھنڈک ناقابل برداشت ہو، اس کو ”عساق“ کہتے ہیں، زمہریر بھی اسی کو کہتے ہیں۔

(۳) دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہیں گے اور ان کی کھالوں سے جو خون اور پیپ بہے گا اور ان کی رگوں سے جو گھناؤنی

رطوبات نکلیں گی، اس کو ”غساق“ کہتے ہیں۔

(۴) ”غساق“ کا معنی ہے: سخت بد بودار چیز، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر ”غساق“ کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام بد بودار ہو جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث ۴۸۵۲، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۸۷۴، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۸۶۵)

(۵) ”غساق“ کا معنی ہے: اندھیری رات کی تاریکی، قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ هَآئِهِ غَاسِقٌ إِذَا وَقَبَ. (الغلق: ۴)

(میں پناہ میں آتا ہوں) اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ پھیل جائے۔

اس اعتبار سے ”غساق“ ایسا مشروب ہے جو سخت سیاہ اور مکروہ ہوگا اور آدمی اس کو دیکھ کر اس طرح گھبرائے گا جس طرح اندھیری رات کی تاریکی کو دیکھ کر گھبراتا ہے۔

ان معانی کے اعتبار سے اس آیت کا معنی ہے کہ دوزخی سخت کھولتے ہوئے پانی کو پئے گا یا بد بودار پیپ کو پئے گا۔ فرمایا: یہ ان کے موافق بدلہ ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی سزاؤں کی انواع اور اقسام کو بیان فرمایا اور اب یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے جرائم کی مکمل سزا ہے، کیونکہ ان کا جرم بہت بڑا تھا، اس لیے ان کو سزا بھی بہت بڑی دی ہے اور یہ سزا ان کے اعمال کے موافق ہے۔ (تفسیر رازی ج ۱۱ ص ۸۱)

ف

رمایا: بیشک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔

حساب کی امید نہ رکھنے کی توجیہات:

[۱] مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ”رجاء“ کے لفظ کا معنی امید نہیں ہے بلکہ توقع ہے، یعنی ان کو یہ توقع نہیں تھی کہ ان کا حساب لیا جائے گا، پھر اچانک قیامت کے دن ان کا محاسبہ شروع ہو جائے گا اور جو آفت اور مصیبت خلاف توقع پیش آجائے وہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

[۲] اس آیت میں امید کا معنی خوف ہے یعنی کفار اور مشرکین قیامت کے دن کے حساب اور محاسبہ سے ڈرتے نہ تھے اور بے دھڑک فحاشی اور منکرات کا ارتکاب کرتے اور کفر و شرک کے علاوہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔

نیز اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ مومن نہ تھے کیونکہ مومن تو ہر آن آخرت کا محاسبہ سے ڈرتا رہتا ہے۔

فرمایا: اور انھوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی۔

قوتِ عملیہ اور قوتِ نظریہ کا فساد:

اس سے پہلی آیت میں کفار کی قوتِ عملیہ کا فساد بتایا تھا کہ وہ بڑی بے خوفی سے اور دیدہ دلیری سے کفر اور شرک کرتے تھے، اور منکرات اور فواحش اور گناہ کا ارتکاب کرتے تھے، یعنی انھوں نے اپنی قوتِ عملیہ کو فساد کر لیا تھا اور اس آیت میں ان کی قوتِ نظریہ کا فساد بتایا ہے کہ وہ حق کا انکار کرتے تھے اور باطل پر اصرار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے تھے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کرتے تھے، قیامت، حیات بعد الموت اور جزاء اور سزا کی نہ صرف تکذیب کرتے تھے بلکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے تھے، اس کو شعر اور سحر کہتے تھے اور اس پر پھبتیاں کستے تھے، اور دوسرے احکام شرعیہ کی بھی تکذیب کرتے تھے اور جس طرح ان کی قوتِ عملیہ فاسد تھی اسی طرح ان کی قوتِ نظریہ بھی فاسد تھی۔

فرمایا: اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کا ثبوت:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا اور اس نے اپنے علم کو لوح محفوظ میں لکھ کر محفوظ کر لیا ہے اور اس کے فرشتوں نے بندوں کے صحائف اعمال میں بندوں کے تمام اعمال کو لکھ کر محفوظ کر لیا ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار سے کیا عمل کریں گے اور اس کو ان کے ہر ہر جزئی عمل کا تفصیلی علم تھا اور اس کا علم غیر متبدل اور غیر فانی ہے ورنہ اس کا جہل لازم آئے گا اور یہ محال ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَلْخَصَّةُ اللَّهُ وَمَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (المجادلہ: ۲۱)

جس دن اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کئے ہوئے عملوں کو خبر دے گا، جن کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جن کو یہ بھول گئے تھے اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

بندوں نے اپنے اختیار سے جو عمل کیے ان ہی اعمال کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں پیشگی علم تھا، جس کو اس نے گن گن کر لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا، اور بعد میں فرشتوں نے ان کے ہر ہر عمل کو لکھ لیا، ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام جزئیات کا علم ہے،

فرمایا: اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے۔

کفار سے اللہ تعالیٰ کا کلام:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے اقوال اور افعال بیان فرمائے تھے اور پھر ان کے عذاب کی اقسام

مبالغہ کا صیغہ (بہت پیپ) جزاءً وفاقاً جزاءً، مصدر ہے (بدلہ دینا، بدلہ، صلہ، اجرت) وفاقاً، مصدر بمعنی قائل ((جتنا جرم اتنی سزا) پورا پورا) انتم
 کائناتاً لایزجون حباً انتم (ان۔ انم) ان، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہنم، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) کائنات، فعل ناقص ماضی جمع
 مذکر غائب کان یكون، مصدر کونگا، ہونا (وہ تھے) لایزجون، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب رجاہ زجون، مصدر رجاہ، امید رکھنا، توقع رکھنا (وہ
 امید نہیں رکھتے) حباً، مصدر ہے، گناہ، وکذلوہ بالیتنا کذبا، حرف عطف (اور) کذلوہ، فعل ماضی جمع مذکر غائب کذب یکتذب، مصدر
 تکذیب، جھٹلانا (انہوں نے جھٹلادیا) بالیتنا (ب۔ لیت۔ تا) ب، حرف جار، کو، لیت، مجرور، مضاف، آیات، واحد، الیت، تاء، مضاف الیہ، ضمیر
 جمع متکلم، ہماری (ہماری آیات کو) کذبا، مصدر منصوب (بالکل جھٹلادینا) وکل شیء انحصیۃ کذبا، حرف عطف (اور) کل شیء، کل، مضاف،
 ہر شیء، مضاف الیہ، چیز (ہر چیز) انحصیۃ (انحصیۃ۔ ہ) انحصیۃ، فعل ماضی جمع متکلم انحصی، مصدر انحصی، محفوظ کرنا، شمار کرنا، درج کرنا،
 ہم نے محفوظ کر رکھا ہے، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (ہم نے اسے محفوظ کر رکھا ہے) کتبنا الکتاب، حریر، لکھ کر) پہلے معنی میں مصدر
 دوسرے معانی اسم مفعول ہے۔ قد وقوا فلن تریذ کم انما عذابا، قد وقوا (ف۔ وقوا) ف، حرف عطف، تو، وقوا، فعل امر جمع مذکر حاضر ذاتی یوقون
 ، مصدر ووقا، چھٹکانا، تم چکو (تو تم چکو) فلن تریذ کم (ف۔ لن تریذ کم) ف، حرف عطف، پس، لن تریذ، فعل مضارع منفی تاکید بن جمع
 حکم زائد تریذ، مصدر زیادۃً زیادہ کرنا، کم، ضمیر جمع مذکر حاضر، انما، حرف استثنا (مگر) عذابا (عذاب)۔

آیت ۳۱ تا ۳۷

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (۳۱) حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا (۳۲) وَكَوَاعِبَ الْأَثَرِ (۳۳) وَأَنْتَ أَهْلُ الْآثَرِ (۳۴) لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِدًّا (۳۵)
 جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا (۳۶) رَبِّ السَّعَادَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّخِيصَ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا (۳۷)

ترجمہ:

یقیناً پرہیزگاروں کے لیے ایک بڑی کامیابی ہے۔ (۳۱) باغات اور انگور۔ (۳۲) اور ابھری چھاتیوں والی ہم عمر
 لڑکیاں۔ (۳۳) اور جھلکتے ہوئے پیالے۔ (۳۴) وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ (ایک دوسرے کو)
 جھٹلانا۔ (۳۵) تیرے رب کی طرف سے بدلے میں ایسا عطیہ ہے جو کافی ہوگا۔ (۳۶) (اس رب کی طرف سے) جو
 آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے، بے حد رحم والا، وہ اس سے کوئی بات کرنے کی قدرت نہیں رکھیں
 گے۔ (۳۷)

تفسیر:

فرمایا: بیشک متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے۔

اہل جنت پر نوازشیں؛

اس سے پہلی آیتوں میں کفار اور مشرکین کے عذاب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی تھیں اور ان آیتوں میں متقین کے اجر
 و ثواب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی ہیں اور یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ایک ضد کے بعد اس کی دوسری ضد کا ذکر
 فرماتا ہے اور کفار اور ان کے عذاب کے بعد مؤمنین اور ان کے ثواب کا ذکر فرما رہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے، متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر اور تمام گبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں، ان کے لیے کامیابی کی جگہ ہے، اس جگہ سے مراد جنت ہے۔

فرمایا: باغات اور انگوروں کی بیلین ہیں۔

اس آیت میں ”حدائق“ کا لفظ ہے، یہ ”حدیقہ“ کی جمع ہے ”حدیقۃ“ اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو اور اعنابا“ سے مراد ہے: انگوروں کی بیلین۔

فرمایا: اور نوجوان ہم عمر بیویاں۔

”کواعب“ ان دوشیزاؤں (لڑکیوں) کو کہتے ہیں جن کے سینے خوب ابھرے ہوئے ہوں اور ”اتراب“ کا معنی ہے: ہم عمر اور ہم سن۔

فرمایا: اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔

اس آیت میں ”کاسا دھاقا“ کے الفاظ ہیں ”کاسا“ کا معنی ہے: جام اور ”دھاقا“ کا معنی ہے: چھلکتا ہوا، اس سے مراد ہے: شراب کے چھلکتے ہوئے جام لیکن جنت کی شراب نشہ آور نہیں ہوگی۔

فرمایا: وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کی تکذیب۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے، اس آیت میں ”فیہا“ سے کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ اس شراب کے جام میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، اس کے برخلاف دنیاوی شراب کے گلاسوں کو پینے سے انسان کو نشہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں اور اس کو صحیح اور غلط میں تمیز نہیں رہتی اور جنت میں جو ان کو شراب کے جام دیئے جائیں گے، اس کو پینے سے ان میں ایسی کیفیت پیدا نہیں ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ بات نہیں کریں گے۔

اس آیت میں ”کذابا“ کا لفظ ہے، یہ ”کذب“ کا مبالغہ ہے یعنی وہ جنت میں بہت بڑی جھوٹی بات نہیں سنیں گے، بہت بڑی جھوٹی بات سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ نہیں سنیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے یا اس کا بیٹا یا بیوی ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور اس کا منی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب نہیں سنیں گے۔

فرمایا: آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطا ہوگی۔

جزا اور عطا میں بظاہر تعارض کے جوابات؛

اس آیت میں جزاء اور عطا کے دو لفظ ہیں، جزا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے تھے، اس کی وجہ سے وہ اس اجر و ثواب کے مستحق ہیں اور عطا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے استحقاق کے بغیر محض

اپنے فضل و کرم سے ان کو اجر و ثواب عطا فرما رہا ہے اور یہ تناقض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بندے جو اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ وہ اس وجہ سے اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کریم ہے، وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

حساب کا معنی:

”حساب“ کے دو معنی ہیں، ایک معنی ہے: کفایت، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جو اجر و ثواب عطا فرمائے گا وہ ان کو کافی ہوگا اور حساب کا دوسرا معنی ہے: گنتی کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو گنتی کے موافق اجر و ثواب عطا فرمائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزاء کے تین درجات بیان فرمائے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر عطا فرمائے گا (۲) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا سات سو گنا اجر عطا فرمائے گا (۳) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا غیر متناہی اجر عطا فرمائے گا، اور ان تین درجات کا ذکر قرآن مجید میں ہے

(۱) مَنْ جَاءَنَا بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَمَلُهَا (الانعام: ۱۰۶)

جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کو اس کی دس مثل اجر ملے گا۔

(۲) مَفْلُ الْذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَفْلِ حَبَّةٍ اَنْتَبَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ (البقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی مثل ہے جو سات خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو دانے ہیں۔

اَلْمَا يُؤْتِي الطَّيْرُ وَالْاَجْرُ هُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر: ۷۰)

صرف صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

فرمایا: جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، نہایت رحم فرمانے والا ہے، اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا۔

بلا اذن شفاعت کرنے کی تحقیق:

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اس سے بات کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا، اس کی تین تفسیریں ہیں:

(۱) عطاء نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کی ہے کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے، رہے مؤمنین تو وہ گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

(۲) قاضی نے کہا: اس سے مراد مؤمنین ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ مؤمنین کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے، کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تو ثابت ہوا کہ وہ کفار کو جو عذاب پہنچائے گا وہ اس کا عدل ہے، اور مؤمنین کو جو ثواب عطا فرمائے گا وہ بھی اس کا عدل ہے اور وہ کسی کے حق میں کی نہیں کرے گا۔

(۳) اس سے مراد تمام آسمان اور زمین والے ہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ مخلوق میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ سے کلام اور خطاب کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور جو شفاعت کی جائیں گی وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے کی جائیں گی اور ان کا اس آیت سے کوئی تعق نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملکیت کی نفی کی ہے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے یا خطاب کرنے کا مالک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور احسان سے جس کو شفاعت کرنے کا موقع عطا فرمائے گا اور وہ اس شفاعت کا مالک نہیں ہوگا، البتہ ماذون ہوگا۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقیناً) اَلشَّعْنِ (لِ- اَلشَّعْنِ) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلشَّعْنِ، مجرور، اَعْلَاءَ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، ڈرنے والے، پرہیزگاروں، متقیوں (پرہیزگاروں کیلئے) مَقَارًا، فوجہ، سے مصدر میسی (کامیابی، کامیاب ہونا) اَعْلَاءَ اَعْلَاءَ اَنْتَ (باغات) واحد، اَعْلَاءَ، حرف عطف (اور) اَعْلَاءَ (انگور) واحد، اَعْلَاءَ، کو اَعْلَاءَ، حرف عطف (اور) اَعْلَاءَ، کو اَعْلَاءَ (دو شیرائیں) واحد، اَعْلَاءَ، اَعْلَاءَ (ہم سن، ہم عمر عورتیں) واحد، اَعْلَاءَ، حرف عطف (اور) اَعْلَاءَ، کو اَعْلَاءَ، موصوف، واحد مؤنث سماعی، بیالہ، جام، جمع، اَعْلَاءَ، کائنات، دیگا، صفت، اَعْلَاءَ، مصدر سے بمعنی مفعول، چھلکتا ہوا، بھرے ہوئے (بھرے ہوئے جام) اَعْلَاءَ، کو اَعْلَاءَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب سَمِعَ-سَمِعَ، مصدر سَمِعَ، سَمِعَ (وہ نہیں سنیں گے) لَمَّا (لَمَّا، لَمَّا، لَمَّا)، حرف جار، میں، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کامر ججبتہ ہے (اس میں) اَعْلَاءَ، اسم مکرر منصوب (کوئی بیہودہ بات، کوئی فحش کلام) اَعْلَاءَ، حرف عطف (اور) اَعْلَاءَ (نہ) اَعْلَاءَ، اسم مصدر منصوب (جھوٹ، جھوٹ بولنا، جھوٹ گھڑنا، جھوٹا قرار دینا) اَعْلَاءَ، جزاء ثَمَنَ رَبِّكَ اَعْلَاءَ، مصدر واسم (بدلہ دینا، بدلہ، صلہ) ثَمَنَ رَبِّكَ (ثَمَنَ- رَبِّ- ک) ثَمَنَ، حرف جار بمعنی، اِلٰی، کی طرف سے، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی طرف سے) اَعْلَاءَ، موصول، اَعْلَاءَ، سے اسم (بخشش، عطیہ، انعام) جمع، اَعْلَاءَ، مصدر ہے لیکن صفت کے قائم مقام ہے، حساب سے بہت زیادہ (کافی) رَبِّ اَلْاَشْمَاءِ وَ اَلْاَزْهَى وَ اَلْاَزْهَى اَلْاَزْهَى (رَبِّ- اَلْاَشْمَاءِ- رَبِّ، مضاف، درمیان، ہما، ضمیر حثیہ مؤنث غائب، ان دونوں کے (ان دونوں کے درمیان) اَلْاَزْهَى، اللہ کا صفاتی نام، رَبِّ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (نہایت مہربان) اَعْلَاءَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب اَعْلَاءَ، مصدر، اختیار رکھنا، مالک ہونا (وہ اختیار نہیں رکھیں گے) رَبِّ (رَبِّ- رَبِّ)، حرف جار، سے، اَعْلَاءَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس سے) اَعْلَاءَ، مصدر ہے (کلام، بات کرنا)

آیت ۳۸ تا ۴۰

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا (۳۸) ذَلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا (۳۹) إِنْكَارًا أَوْ تَقَرُّبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاؤُهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا (۴۰)

ترجمہ:

جس دن روح اور فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوں گے، وہ کلام نہیں کریں گے، مگر وہی جسے رحمان اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔ (۳۸) یہی دن ہے جو حق ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنا لے۔ (۳۹) بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک ایسے عذاب سے ڈر دیا ہے جو قریب ہے، جس دن آدمی دیکھ لے گا جو اس کے دنوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا اے کاش کہ میں مٹی ہوتا۔ (۴۰)

تفسیر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن روح اور تمام فرشتے الخ

روح کے مصداق میں اقوال مفسرین:

ابو الحجاج مجاہد الحنظلی المتوفی ۴۰۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے اور اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بنو آدم کی صورتوں پر بنایا ہے اور آسمان سے جو بھی فرشتہ نازل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔ (تفسیر مجاہد ص ۹۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابو الحسن مقاتل بن سلیمان السبئی المتوفی ۱۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

اس روح کا چہرہ حضرت آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے، اس کا نصف آگ ہے اور اس کا نصف برف ہے، وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! جس طرح تو نے اس آگ اور اس برف میں الفت ڈال دی ہے، یہ آگ اس برف کو نہیں پگھلاتی اور نہ یہ برف اس آگ کو بجھاتی ہے، اسی طرح اپنے ایمان والے بندوں کے درمیان الفت ڈال دے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے اس روح کو اختیار کر لیا اور فرمایا: جس دن روح اور اس کے تمام فرشتے کھڑے ہوں گے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روح کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: اس سے مراد حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مسلمانوں کی روح ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد فرشتوں کے محافظ ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح سے مراد وہ

کتا ہیں ہوں جو آسمان سے نازل کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يُنْزِلُ الْمَلَكُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ (النحل: ۱۰)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۵۰۴ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں روح کی تفسیر میں آٹھ قول ہیں:

(۱) ابوصالح نے کہا: روح انسانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور انسان نہیں ہے اور وہ اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔ (۲) مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ملائکہ میں سب سے اشرف ہے۔ (۳) ابن ابی نجیح نے کہا: وہ ملائکہ کے محافظ ہیں، (۴) حضرت ابن عباس (رض) نے کہا: وہ تخلیق کے لحاظ سے سب سے عظیم فرشتہ ہے۔ (۵) سعید بن جبیر نے کہا: وہ حضرت جبریل (علیہ السلام) ہیں۔ (۶) حسن بصری نے کہا: وہ بنو آدم کی ارواح ہیں، وہ صف باندھے کھڑی ہوں گی اور فرشتے بھی صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ (۷) قتادہ نے کہا: وہ بنو آدم ہیں۔ (۸) زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے (الکتب والعمیون ج ۶ ص ۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت) جمہور مفسرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ہیں کیونکہ قرآن مجید کی اکثر آیات میں روح سے مراد حضرت جبرائیل ہیں اور مزید قرینہ یہ ہے کہ ان کافرشتوں کے ساتھ ذکر ہے۔

روح اور فرشتوں کے صحیح بات کہنے کی توجیہات:

اس آیت میں فرمایا ہے: روح اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح اور سب فرشتے ایک صف میں کھڑے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سب الگ الگ صفوں میں کھڑے ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی شرطیں یہ ہیں: (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط (البقرہ: ۲۵۵)

کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی شفاعت میں صحیح بات کہے،

فرمایا: وہ دن برحق ہے، سواب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے۔

روز قیامت کے حق ہونے کی توجیہ:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس دن حق کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہی جائے گی اور اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے، وہ ضرور واقع ہوگا۔

فرمایا: سواب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے گم راہی اور ہدایت کے دونوں راستے وضاحت سے دکھادیئے ہیں اور کسی کو ہدایت یا گمراہی اختیار کرنے سے نہیں روکا اور جس نے رشد اور ہدایت کے راستے کو اختیار کیا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہے اور یہی راستہ اس کے رب کی طرف ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنی ہے: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کے گا، اس کو ہدایت دے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۲، ۶۳)

عطاء نے کہا: اپنے رب کی اطاعت کر کے اور اس کا قرب حاصل کر کے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بناؤ۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۱۰۸۲:)

فرمایا: بیشک ہم نے تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے، اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

آدمی کے متعلق مفسرین کے اقوال:

(۱) اس سے مراد ترم مخلوق ہے خواہ مومن ہو یا کافر، ہاتھوں کے بھیجنے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ انسان کے اکثر اعمال کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں اور قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال بھی اس کے ہاتھوں میں دیا جائے گا، اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جو نیک یا بد کام کیے ہیں، ان میں اس کے ہاتھوں کا دخل نہ ہو، جیسا کہ بارش کی رحمت کہا جاتا ہے، اگرچہ فی نفسہ بارش رحمت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے بارش نازل ہوتی ہے۔

(۲) عطاء نے کہا: آدمی سے مراد اس آیت میں کافر ہے، کیونکہ مومن جس طرح اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے کاموں کو دیکھے گا، اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عفو اور اس کی رحمت کی طرف دیکھے گا اور ربا کافر تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھے گا تو وہ صرف اپنے ہاتھوں سے بھیجے ہوئے گناہوں کو دیکھے گا۔

(۳) حسن اور قتادہ نے کہا: اس آیت میں آدمی سے مراد مومن ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کافر کہے گا۔ اے کاش! میں مٹی ہو جاتا، پس جب اس آیت کے دوسرے حصہ میں کافر مراد ہے تو ضروری ہوا کہ پہلے حصہ میں مومن مراد ہو، نیز اس لیے کہ جب مومن نے اپنے ہاتھوں سے نیک کام بھیجے اور برے کام بھی تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ہوگا اور اس کی رحمت اور مغفرت کی امید بھی ہوگی، پس وہ منتظر ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، کافر تو اس کو یقین ہوگا کہ اس کو عذاب ہوگا، اس کو نہ کوئی تجسس ہوگا نہ انتظار۔

کافر کے قول "کاش! میں مٹی ہو جاتا" کے متعلق روایات:

کافر قیامت کے دن زندہ کیے جانے سے پہلے مٹی تھا، اب جب وہ اپنا انجام دیکھ لے گا تو کہے گا: کاش! وہ اسی طرح مٹی ہو جاتا اور اب اس کو عذاب نہ دیا جاتا، جیسا کہ ان آیات میں ہے: قیامت کے دن کافر کہے گا:

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مِنَ الْقَاضِيَةِ. (الحاقہ: ۷۰)

کاش کہ موت ہی میرا کام تمام کر دیتی۔

يَوْمَئِذٍ يُوَدِّعُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا. (النساء: ۷۰)

جس دن کفار اور رسول کی نافرمانی کرنے والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

امام ثعلبی متوفی ۷۲۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس کو امام الحسن بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۶۱۵ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۸۶۶ھ نے بھی ان سے نقل کیا ہے:-

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) فرماتے ہیں: قیامت کے دن روئے زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور تمام جانوروں، حیوانوں اور حشرات الارض کو اکٹھا کیا جائے گا، پھر جانوروں سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ اگر سینکھ والی بکری نے بغیر سینکھ والی بکری کے سینکھ مارا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، پھر جب ان کے قصاص سے فراغت ہو جائے گی تو پھر ان سے کہا جائے گا: اب تم مٹی ہو جاؤ، یہ منظر دیکھ کر کافر کہے گا: کاش! میں بھی مٹی ہو جاتا۔

ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان بیان کرتے ہیں: جب اللہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا اور اہل جنت کو جنت میں جانے کا حکم دے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا تو اس وقت سب جانوروں سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ، پھر وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں کافر سے مراد ابلیس ہے کیونکہ اس نے حضرت آدم (علیہ السلام) کی مذمت کی تھی کہ ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس پر فخر کیا تھا کہ اس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، پس جب وہ قیامت کے دن یہ دیکھے گا کہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی اولاد میں سے مومنوں کو کس قدر ثواب عطاء کیا جا رہا ہے اور وہ کس قدر سختی اور عذاب میں ہے تو ابلیس کہے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۲، الجامع الاحکام القرآن جز ۹ ص ۶۱-۳۶۱)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

یَوْمَ، اسم ظرف زمان (اس دن) یَقُولُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قائم یَقُولُ، مصدر قَوْمٌ وَیَقَامُ، کھڑے ہونا (وہ کھڑا ہوگا) اَلرُّدُخُ (روح، حضرت جبرائیل) ؑ، حرف عطف (اور) اَلْمَلٰٓئِکَةُ (فرشتے) واحد، مَلٰٓئِکَ، صغاً، مصدر ہے، جس کے معنی صف باندھنے کے ہیں (قطار، صف بنا کر) نَا یَسْکُنُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب یَسْکُنُ، مصدر یَسْکُنُ، بات کرنا (وہ بات نہیں کر سکیں گے) اِنَّ، حرف استثنا (مگر) مَنْ، اسم موصول (وہ جس) اِذَنْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِذَنْ یَاْذَنْ، مصدر اِذَنْ، اجازت دینا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ اجازت دے گا) اِنَّ، حرف جار، کو، ؑ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کو) اَلرَّحْمٰنُ، اللہ کا صفاتی نام (رحمن) ؑ، حرف عطف (اور) قَالَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ یَقُولُ، مصدر قَوْلًا، کہنا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ کہے گا) مَوْبِیْہًا، خطا، کی ضد (درست بات، حق) یَوْمَ، اسم ظرف زمان (اس دن) یَقُولُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قائم یَقُولُ، مصدر قَوْمٌ وَیَقَامُ، کھڑے ہونا (وہ کھڑا ہوگا) اَلرُّدُخُ (روح، حضرت جبرائیل) ؑ، حرف عطف (اور) اَلْمَلٰٓئِکَةُ (فرشتے) واحد، مَلٰٓئِکَ، صغاً، مصدر ہے، جس کے معنی صف باندھنے کے ہیں (قطار، صف بنا کر) نَا یَسْکُنُوْنَ اِنَّ مَنْ اِذَنْ رَّ اَلرَّحْمٰنِ وَقَالَ مَوْبِیْہًا نَا یَسْکُنُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب یَسْکُنُ، مصدر یَسْکُنُ، بات کرنا (وہ بات نہیں کر سکیں گے) اِنَّ، حرف استثنا

[سورة النازعات]

آیت ۵۵

٢٢

ان (فرشتوں) کی قسم جو ڈوب کر سختی سے (جان) کھینچ لینے والے ہیں (۱) اور جو بند کھولنے والے ہیں! آسانی سے کھولنا۔
(۲) اور جو تیرنے والے ہیں! تیزی سے تیرنا۔ (۳) پھر جو آگے نکلنے والے ہیں! آگے بڑھ کر۔ (۴) پھر جو کسی کام کی تدبیر کرنے والے ہیں! (۵)

(کوائف)

اس سورۃ کا نام سورۃ النزعۃ ہے۔ اور یہ اس کے پہلے لفظ سے لیا گیا ہے۔ اس کے دوسرے نام سمیت اور سبقت بھی ہیں جو اس سورۃ کی تیسری اور چوتھی آیات سے ماخوذ ہیں۔ تاہم زیادہ رائج نام نازعۃ ہی ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی چھیالیس ۴۶ آیات ہیں۔

اس کا مضمون پہلی سورۃ نبا کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ ان سورتوں میں قیامت کا ہی ذکر ہے اس کے بعد بھی دور تک اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ہی ذکر فرمایا ہے جسکے لیے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔

(ما قبل سے رہد)

سورۃ نبا میں منکرین قیامت کا قیامت کے بارے میں معاندانہ سوال اور تمسخر کا ذکر تھا اور ان کے جواب ورد کے بعد روز محشر کی حاضری کی کچھ کیفیات ذکر کی گئی تھیں، اب اس سورت میں بالخصوص قیامت قائم ہونے پر جو اضطراب و بے چینی قلوب پر وارد ہوگی، اور بدحواسی کا عالم لوگوں پر ہوگا اس کا بیان ہے، جزاء و سزا اور مومنین و مجرمین کا فرق بھی بیان کیا جا رہا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حق کو کس طرح باطل پر غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے؟ اس کے لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے کہ انھوں نے فرعون جیسے مغرور و متکبر کو ایمان کی دعوت دی اور خدا نے اپنے پیغمبر کو کامیاب فرمایا، اور فرعون کو ہلاک کیا۔

تفسیر:

فرمایا: ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں۔

کافر کی روح کھینچنے کی کیفیت اور کافر کی روح کا سختی کے ساتھ جسم سے نکالنا:

ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو انسانوں کے جسموں سے ان کی رگوں کو نکالتے ہیں، اور جب وہ کفار کے جسموں سے ان کی رگوں کو نکالتے ہیں تو ان کے جسموں میں ڈوب کر نہایت سختی سے ان کی رگوں کو کھینچتے ہیں، جیسے کوئی کانٹوں والی شخ کچھڑ اور گارے میں پھنسی ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالاجاتا ہے۔

جب کوئی پرندہ کسی پنجرہ میں بند ہو اور اس کے چاروں طرف خون خوار بلیاں اس کو نوچنے کے لیے تیار ہوں تو وہ اس پنجرہ میں دبکا ہوتا ہے کیونکہ اس کو پتا ہوتا ہے کہ وہ اسی وقت تک محفوظ ہے جب تک اس پنجرہ میں ہے، اگر کوئی پنجرہ کی کھڑکی کھول کے اس کو نکالے تو وہ پنجرہ میں ہی سکڑا بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو سختی سے کھینچ کر نکالاجاتا ہے۔

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۷۲۴ھ لکھتے ہیں اور امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۶۱۵ھ اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے:

حضرت ابن مسعود (رض) نے فرمایا: ملک الموت کافر کی روح کو ہربال، ہرناخن اور قدموں کو جڑوں کے نیچے سے کھینچتا

ہے اور اس کو اس کے جسم میں بار بار لوٹا کر نکالتا ہے اور مقاتل نے کہا: ملک الموت اور اس کے مددگار فرشتے کفار کی روحوں کو اس طرح سختی سے کھینچتے ہیں، جیسے لوہے کی سیخ میں بہت کانٹے ہوں اور ان میں گیلان پھنسا ہوا ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جائے پھر اس کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے پانی میں ڈوبا ہوا شخص نکلتا ہے۔

(الکشف والنفاء ج ۱، ص ۲۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۳۴۱ھ، معالم التنزیل ج ۵ ص ۴۰۲، دار حیاء التراث العربی، بیروت، ۲۳۴۱ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۷۲۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ کفار کی روحوں میں جن کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے، پھر آگ میں غرق کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۱۹۱، الدر المنثور ج ۸ ص ۷۳)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۲۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے دُوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم کھائی ہے اور کھینچنے والوں کو کسی کے ساتھ خاص نہیں کیا، اس لیے یہ مہم ہے خواہ فرشتہ ہو یا موت یا ستارہ ہو یا کمان ہو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۳)

حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس (رض) نے یہ فرمایا ہے کہ النزعت سے مراد وہ فرشتے ہیں جو سختی سے کافر کی روح کو اس کے جسم سے کھینچتے ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲ ص ۹۶)

فرمایا: اور ان (فرشتوں) کی قسم جو نہایت نرمی سے (مومن کی جان کے) بند کھولتے ہیں۔

”ناشطات“ کا معنی اور مومن کی روح کا آسانی کے ساتھ جسم سے نکلنا

اس آیت میں ”ناشطات“ کا لفظ ہے، یہ ”ناشطۃ“ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: گرہ یا بند کھولنے والے، فراء نے کہا: اس سے مراد ہے: مومنوں کی روحوں کو آسانی سے ان کے جسموں سے نکالنے والے فرشتے، ”ناشطت العقال“ کا معنی ہے: میں نے اونٹ کے زانو بند کی گرہ کھول دی ”ناشط“ کا معنی ہے: گرہ لگانا اور ”ناشط“ کا معنی ہے: گرہ کھولنا، نیز ”ناشط“ کا معنی خوش ہونا بھی ہے، اس صورت میں معنی ہوگا: مومنوں کی خوش ہونے والی روحوں، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: مومنوں کی روحوں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں کیونکہ ان کے نکلنے سے پہلے ہی ان کے سامنے جنت کر دی جاتی ہے۔ (لغات القرآن ج ۶ ص ۳۱-۲۱)

امام ثعلبی متوفی ۷۲۴ھ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: یعنی فرشتے مومن کے جسم سے اس کی گرہ یا اس کا بند کھول دیتے ہیں: جس طرح جب اونٹ کی ڈنگ سے بندھی ہوئی رسی کو کھول دیا جائے تو کہتے ہیں: ”ناشطت العقال من ید البعیر“ یہ فراء کا قول ہے، اور حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: اس کا معنی ہے: مومنوں کی روحوں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں، کیونکہ

جو مومن بھی فوت ہوتا ہے، مرنے سے پہلے اس کو جنت پیش کی جاتی ہے اور وہ اس میں اپنی ان ازواج کو دیکھتا ہے جو بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۴۰۲، الج مع الاحکام القرآن ج ۹ ص ۶۶۱)

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: مؤمنین کی روحیں جب ملک الموت کو دیکھیں گی تو ملک الموت کہے گا: اے نفس مطمئنہ: چلو روح اور ریحان (خوشی اور خوشبو) کی طرف اور رب کی طرف جو ناراض نہیں ہے اور خوشی خوشی کرامت کے ساتھ جنت کی طرف چلو۔ (المسحور ج ۸ ص ۱۷۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۲۴۱ھ)

حارث بن نزاری کہتے ہیں کہ مجھ سے میری والدین نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک انصاری کے سر ہانے ملک الموت کھڑا ہوا تھا، میں نے کہا: اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ یہ مومن ہے، ملک الموت نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ خوش ہوں اور اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھیں، بیشک میں مومن کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں۔ (مسند البزار رقم الحدیث ۴۸۷۱:)

مومن اور کافر کی روح چھیننے کی کیفیت:

حضرت براء بن عازب (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب بندہ مومن دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ جنت کے کفن ہوتے ہیں اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس مومن کے سر ہانے بیٹھ جاتا ہے، اور اس سے کہتا ہے: اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل، پھر اس کی روح اس کے جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے، پھر فرشتہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتا اور اس کو اس کفن میں اور اس خوشبو میں رکھ دیتا ہے اور اس سے روئے زمین کی سب سے پاکیزہ مشک کی خوشبو آتی ہے، فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں، فرشتے ان سے پوچھتے ہیں: یہ کیسی پاکیزہ معطر روح ہے؟ وہ بتائیں گے یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کا وہ نام بتائیں گے جو اس کا دنیا میں سب سے اچھا نام تھا، حتیٰ کہ وہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچیں گے اور اس کے لیے آسمان کھلوائیں گے تو آسمان کھول دیا جائے گا، پھر آسمان دنیا سے لے کر ساتویں آسمان تک اس کا ہر آسمان پر استقبال کیا جائے گا، پس اللہ عز وجل فرمائے گا: میرے بندہ کا صحیفہ اعمال علیین میں رکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لے جاؤ، میں نے اسی زمین سے ان کو پیدا کیا ہے اور اسی زمین میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی زمین سے ان کو دوبارہ نکالوں گا، پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جائے گا، پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھادیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے، وہ پھر پوچھیں گے: تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے، وہ پھر پوچھیں گے: یہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا

تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، وہ کہیں گے: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب اللہ کو پڑھا، پس میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی، پھر آسمان سے ایک منادی ندا کر دے گا: میرے بندہ نے سچ کہا، اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو، اور اس کو جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت سے ایک کھڑکی کھول دو، پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور حدنگاہ تک اس کی قبر میں توسیع کر دی جائے گی، پھر اس کے پاس ایک خوب صورت شخص آئے گا، جس کا لباس بھی حسین ہوگا اور اس کی خوشبو بھی بہت اچھی ہوگی، وہ کہے گا تمہیں اس چیز کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت حسین ہے اور خیر انگیز ہے وہ کہے گا میں تمہارا نیک عمل ہوں، تو وہ کہے گا: اے میرے رب اقیامت کو قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب بندہ کافر دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں، ان کے پاس ٹاٹ ہوتا ہے اور وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آکر اس کافر کے سر پر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے غبیث روح اللہ کی ناراضگی اور غضب کی طرف نکل، وہ روح اس کافر کے جسم میں پھیل جاتی ہے، وہ اس روح کو اس طرح گھسیٹ کر نکالتے ہیں جس طرح کانٹوں والی سلاخ میں پھنسے ہوئے گیلے اون کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے، پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتے ہیں اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کی روح کو اس ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں، اس سے مردار کی طرح سخت بدبو نکلتی ہے، وہ اس روح کو لے کر چڑھتے ہوئے فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں: یہ کون غبیث روح ہے؟ وہ بتاتے ہیں: یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں اس کے بدترین نام کو بتاتے ہیں، حتیٰ کہ آسمان دنیا میں پہنچتے ہیں، آسمان کو کھلواتے ہیں تو آسمان کو نہیں کھولا جاتا، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی:

لَا تَفْتَحْ لَهُمُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراب: ۳)

ان (کافروں کے لیے) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے، حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس کو سب سے نچلی زمین بحین میں داخل کر دو، پھر اس کی روح کو پھینک دیا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَمَنْ يُغْرِقْ لَفِي السُّفْلِ فَنُفْخَ فِيهِ نَفْسًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُخَطِّفُهُ الظُّلُمُ أَوْ يَهْوِي بِهَا فِي مَكَانٍ سَحَابِيٍّ (الحج: ۲۳)

جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ گویا آسمان سے گر پڑا اب یا تو اسے پرندے اچک کر لے جائیں گے یا ہو اس کو دور دراز کی جگہ پر پھینک دے گی۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی، پھر وہ فرشتے آکر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تیرا رب

کون ہے؟ ہے کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا، وہ پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس میں نہیں جانتا، وہ پوچھیں گے: یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے ہیں؟ وہ کہے گا: افسوس میں نہیں جانتا، پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: یہ جھوٹ بول رہا ہے، اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو، اور اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو، پھر اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی ادھر کی پسلیاں ادھر نکل جائیں گی اور اس کے پاس ایک بد صورت شخص آئے گا جس کا لباس بھی بہت برا ہوگا اور اس سے سخت بد بو آرہی ہوگی، پس وہ کہے گا: تمہیں بری چیزوں کی بشارت ہو، یہ تمہارا وہ دن ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا، وہ کافر کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت خوفناک ہے جو شر انگیز ہے، وہ شخص کہے گا: میں تمہارا خبیث عمل ہوں، تب وہ کافر کہے گا: اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۰۳۶۱:،)

فرمایا: اور ان کی قسم (جو زمین اور آسمان کے درمیان) تیرے پھرتے ہیں۔

”السابحات“ کے مصداق میں اقوال مفسرین:

حضرت علی (رض) نے فرمایا: ”السابحات“ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کے ساتھ تیرتے ہیں، الکسی نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کو قبض کرتے ہیں، جیسے کوئی شخص پانی میں تیرتا ہے تو کبھی پانی میں ڈبکی لگاتا ہے اور کبھی سطح آب پر ابھر آتا ہے اور مجاہد اور ابو صالح نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو بہت تیز رفتار گھوڑے کی طرح تیزی سے آسمان سے اترتے ہیں جیسے تیز رفتار گھوڑے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تیرنے والا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں، قتادہ نے کہا: اس سے مراد ستارے، سورج اور چاند ہیں، اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔

﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾۔ (یسین: ۴۰)

ہر ستارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

عطاء نے کہا: اس سے مراد کشتیاں ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۹۱، ص ۷۴۱)

فرمایا: پھر ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔

”السابحات“ کے مصداق میں اقوال مفسرین:

مجاہد اور ابوروق نے کہا: جو ابن آدم کی خیر اور عمل صالح کو پہنچانے میں سبقت کرتے ہیں، مقاتل نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو ارواح مؤمنین کو جنت میں لے جانے میں سبقت کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود نے کہا: یہ مؤمنین کی روحیں ہیں جو فرشتوں کی طرف سبقت کرتی ہیں، یہ اللہ کی ملاقات اور اس کی رحمت اور کرامت کے شوق میں آگے بڑھتی ہیں، عطاء نے کہا: یہ گھوڑے ہیں، قتادہ نے کہا: یہ ستارے ہیں، بعض بعض سے چلنے میں سبقت کرتے ہیں، حضرت علی (رض) نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو انبیاء (علیہم السلام) تک وحی پہنچانے میں شیاطین پر سبقت کرتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ بنو آدم نیک

اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں تو یہ ان کو لکھ لیتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن جزا ۹ ص ۸۶۱،)

ایک قول یہ ہے کہ یہ سبقت موت کے وقت ہوگی، جب مومن کو موت آئے گی تو وہ اس وقت میں اس قیدی کی طرح ہوگا جو قید سے رہائی اور راحت چاہتا ہو کیونکہ اس وقت مومن دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا ثواب تیار کیا گیا ہے، پس اس وقت اس کی خواہش ہوگی کہ وہ اس جسم سے نکل کر اس ثواب تک پہنچ جائے اور کافر جب دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا عذاب تیار کیا گیا ہے تو اس کی روح اس جسم سے نکلنا ناپسند کرے گی اور اس وقت اس کے لیے یہی دنیا جنت ہوگی اور وہ اپنے عذاب کو دیکھ کر اس جسم سے جدا ہونا نہیں چاہے گی اور اس کی تائید نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۸۰۵۶: ۷۰۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۸۰۲:)

فرمایا: پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرتے ہیں۔

”المدبرات“ کے مصداق میں اقوال مفسرین:

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۶۱۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ”المدبرات امراء“ سے مراد فرشتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چند امور ان کے سپرد کر دیئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو حکم دیا ہے وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں، عبدالرحمن بن سابط نے کہا: دنیا میں نظام عالم کی تدبیر چار فرشتے کرتے ہیں: حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت ملک الموت اور حضرت اسرافیل علیہم السلام، حضرت جبرائیل کے سپرد وحی لانا اور ہوائیں اور لشکر ہیں، حضرت میکائیل کے سپرد بارش اور زمین کی پیداوار کا نظام ہے اور حضرت ملک الموت کے سپرد وحوں کو قبض کرنا ہے اور حضرت اسرافیل کے سپرد صور پھونکنا ہے اور وہ بغیر کسی اہم امر کے زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ (بغوی ج ۵ ص ۵۰۲،)

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

وَأَنْشَرْتُ (وَأَنْشَرْتُ) حرف جار و قسمیہ، قسم ہے، أَنْشَرْتُ، مجرور، مقسم بہ، نَزَعُ، مصدر سے اسم فاعل جمع مَوْنَتْ، سختی سے کھینچ کر نکالنے والے، غَزَا، مصدر مفعول (ذوب کر) (وَأَنْشَرْتُ) حرف عطف و قسمیہ جار، اور (قسم) ہے، أَنْشَرْتُ، مجرور مقسم بہ، نَهَضَ، مصدر سے اسم فاعل جمع مَوْنَتْ، بند کھولنے والے، رہا کرنے والے، نَهَضَ، مصدر ہے (آسانی سے کھولنا، رہا کرنا) (وَأَنْشَرْتُ) (وَأَنْشَرْتُ) حرف عطف و قسمیہ جار، اور (قسم) ہے، أَنْشَرْتُ، مجرور مقسم بہ، سَبَّحَ، مصدر سے اسم فاعل جمع مَوْنَتْ (تیرنے والے) سَبَّحَ، مصدر ہے (تیزی سے تیرنا) فَاتَسَبَّحْتَ (فَ) فَاتَسَبَّحْتَ، ف، حرف عطف، پھر، فَاتَسَبَّحْتَ، مصدر سے اسم فاعل جمع مَوْنَتْ، سبقت لینے والے، آگے نکلنے والے (پھر آگے نکلنے والے) سَبَّحَ، اسم مصدر (آگے بڑھ کر، دوڑ کر) فَاتَسَبَّحْتَ (فَ) فَاتَسَبَّحْتَ، ف، حرف عطف، پھر، فَاتَسَبَّحْتَ، مصدر سے اسم فاعل جمع مَوْنَتْ، تدبیر کرنے والے (پھر تدبیر کرنے والے) فَاتَسَبَّحْتَ، اسم مصدر ہے (کسی کام کی)

آیت ۶ تا ۱۴

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (۶) تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (۷) قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ (۸) أَبْهَارٌ هَامًا شَاشِعَةٌ (۹) يَقُولُونَ أَلَا كُنَّا نَمُرُّ حُدُودَ بِلَدِ الْخَافِرَةِ (۱۰) أَلَا إِذَا كُنَّا عِطَامًا نَخِرَةً (۱۱) قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (۱۲) فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ (۱۳) فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (۱۴)

ترجمہ:

جس دن ہلا ڈالے گا سخت ہلانے والا (زلزلہ)۔ (۶) اس کے بعد ساتھ ہی پیچھے آنے والا (زلزلہ) آئے گا۔ (۷) کئی دل اس دن دھڑکنے والے ہوں گے۔ (۸) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ (۹) یہ لوگ کہتے ہیں کیا بے شک ہم یقیناً پہلی حالت میں لوٹائے جانے والے ہیں؟ (۱۰) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ (۱۱) انھوں نے کہا یہ تو اس وقت خسارے والا لوٹنا ہوگا۔ (۱۲) پس وہ تو صرف ایک ہی ڈانٹ ہوگی۔ (۱۳) پس یک لخت وہ زمین کے اوپر موجود ہوں گے۔ (۱۴)

تفسیر:

فرمایا: جس دن لرزائے گی لرزانی والی۔

قیامت کے احوال:

اس آیت میں فرمایا ہے: ”یوم تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ“ اور یوم پر زبر اس لیے ہے کہ وہ فعل محذوف کا مفعول ہے اور وہ فعل ہے، ”التَّبْعُثْن“ یعنی تم ضرور زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے، جس دن لرزائے گی لرزانی والی۔
فرمایا: پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔

”راجفۃ“ کا معنی:

راجفہ، کے لغت میں دو معنی ہیں: ایک معنی حرکت ہے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ (المزمل: ۱۰)

جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرائیں گے۔

اس کا دوسرا معنی ہے: گرج دار آواز یا ہول ناک آواز یا کڑک، قرآن مجید میں ہے:

فَأَخَذَهُمُ الرَّجْفَةُ (الاعراف: ۱۰)

پس ان کو ہول ناک کڑک نے پکڑ لیا۔

ان آیات میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے ہیں ”الراجفۃ“ سے مراد ہے: پہلی بار صور میں پھونکنا اور اس کو ”راجفۃ“ (لرزانی والی) اس لیے فرمایا ہے کہ پہلے صور کے پھونکنے سے زمین لرزے لگے گی اور اس میں زلزلہ آجائے گا، پھر اس کے بعد جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے تو زمین مردوں کو زندہ کرنے کے لیے دوبارہ لرزے گی۔

فرمایا: اس دن بہت سے دل لرز رہے ہیں ہوں گے۔ دہشت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

یعنی مشرکین کے دل لرز رہے ہوں گے اور منافقین کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، قرآن مجید میں ہے:

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُنْظَرُونَ إِلَيْكَ نَتَظَرُ الْمَغِيبِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط (محمد ۲۰)

جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔

فرمایا: وہ کہتے ہیں: کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟

”حافرة“ کا معنی:

اس آیت میں ”حافرة“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: پہلی حالت، اٹلے پاؤں ”حافرة“ ”حفر“ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: زمین کھودنا۔ ”حافرة“ کا لفظ اٹلے پاؤں لوٹنے اور پہلی حالت پر پلٹنے کے لیے ضرب المثل ہو گیا ہے، انسان جس راستہ آیا، اٹلے پاؤں اسی راستہ پر پلٹا تو چلنے کی وجہ سے قدموں کے نشانات سے جو زمین کھدی، اس نسبت سے وہ حالت ”حافرة“ کہلائی اور بعض کا قول ہے کہ ”حافرة“ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں ان کی قبریں کھدی ہوتی ہیں اور ”حافرة“۔ بہ معنی ”محفورة“ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ”حافرة“ اس وجہ سے ہے کہ وہ ”حوافر“ کا مستقر ہے یعنی کھروں اور سموں کے نکلنے کی جگہ ہے۔

اس آیت میں اس کا معنی ہے: پہلی حالت پر پلٹنے کی جگہ، گویا مشرکین یہ کہتے تھے کہ آیا ہم مرنے کے بعد پھر پہلی زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے؟

فرمایا: کیا ہم جب گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟

اس آیت میں ”نخرة“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بوسیدہ چورا، چور ہڈیا، بوسیدہ ہونا، ریزہ ریزہ ہونا۔

فرمایا: وہ کہتے ہیں کہ پھر تو بڑے خسارے کی واپسی ہوگی۔

”نخرة“ کا معنی اور خسارہ کی تفسیر میں دو قول:

حسن بصری نے کہا: اس قول سے مشرکین نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کیا ہے، یعنی ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا اور دوسرے مفسرین نے کہا: مشرکین کے قول کا معنی یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں کا گمان ہے اگر ہم کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو یہ دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوگی کیونکہ مشرکین کا گمان یہ تھا کہ جس طرح وہ دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح عیش و عشرت میں ہوں گے اور مسلمان جس طرح دنیا میں تنگی سے گزر بسر کر رہے ہیں، اس سے دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے خسارہ کا باعث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک کافر کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

وَمَا أَظْهَرُ السَّاعَةَ فَأَمَّا هَٰذَا فَلَا وَلَٰكِنْ رُدِّدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (الكهف: ۳۰)

اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا گیا تو میں اس (دنیا) سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

پس مشرکیں یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں دنیا کی جن نعمتوں سے نوازا ہے، اس کی بھی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ اور مرتبہ مسلمانوں میں بہت بڑا اور بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر تو معیشت تنگ کر دے اور اپنے دشمنوں پر معیشت کو وسیع کر دے اور جب ان پر دنیا میں معیشت کشادہ کی گئی تو انھوں نے یہ گمان کیا کہ وہی دنیا اور آخرت میں فضیلت والے ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں، وہی خسارے والے ہیں۔

فرمایا: وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی۔

”زجرۃ“ کا معنی:

اس میں یہ بتایا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا بہت سرعت سے ہوگا اور اس کو قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے اور اس سے دوسری بار صور پھونکنا مراد ہے اور یہ حضرت اسرافیل کی چیخ ہے، مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے نیچے سے زندہ کرے گا، وہ اس ہول ناک آواز کو سن کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ (ص: ۵۱)

انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے۔

فرمایا: پھر وہ اچانک (حشر کے) کھسے ہوئے میدان میں ہوں گے۔

”ساحرة“ کا معنی:

اس آیت میں ”ساحرة“ کا لفظ ہے، ”ساحرة“ کا معنی ہے: میدان۔ ”سحر“ کا معنی: نینداڑ جانا بھی ہے، لیکن اس کا زیادہ استعمال روئے زمین کے متعلق ہوتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: ”ساحرة“ سفید ہم دار زمین کو کہتے ہیں، اس نام سے اس کو موسوم کرنے کی دو وجہیں ہیں:

(۱) اس پر چلنے والے خوف سے سوتا نہیں (۲) اس زمین میں سراب رواں ہوتا ہے، عربوں کا محاورہ ہے: ”عین

ساحرة“ (جاری چشمہ) اس کی تیسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمین پر چلنے والے کی خوف سے نینداڑ جاتی ہے، تو

جس زمین پر حشر برپا ہوگا، وہاں کافر بہت زیادہ خوف زدہ ہوں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۷۳، دار احیاء التراث العربی،

بیروت، ۵۱۴۱ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

یوم، ظرف زمان (جس دن) تَرْجِفُ، فعل مضارع واحد مَوْثِقًا تَرْجِفُ تَرْجِفُ، مصدر تَرْجِفُ، زلزلے میں آنا، کانپنا (وہ کانپے گی)

[illegible]

آیت ۱۵ تا ۲۶

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى (٥) إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (٦) احْبَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى (٧) فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَى أَنْ تَزُولَ (٨) وَأَهْدِيكَ إِلَى رَبِّكَ فَتَخْشَى (٩) فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَى (١٠) فَكَذَّبَ وَعَصَى (١١) ثُمَّ أَذْهَبَ يَسْعَى (١٢) فَخَسِرَ فَتَنَادَى (١٣) فَقَالَ أَتَأْتِيكُمُ الْأَعْلَى (١٤) فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْأَخْضَرِ وَالْأُولَى (١٥) إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِقَوْمٍ يُخَشَى (١٦)

47

کیا تیرے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے؟ (۱۵) جب اس کے رب نے اسے مقدس وادی طوئیٰ میں پکارا۔ (۱۶) فرعون کے پاس جا، یقیناً وہ حد سے بڑھ گیا ہے۔ (۱۷) پس کہہ کیا تجھے اس بات کی کوئی رغبت ہے کہ تو پاک ہو جائے؟ (۱۸) اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہ نمائی کروں، پس تو ڈر جائے۔ (۱۹) چنانچہ اس (موسیٰ) نے اسے (فرعون) بہت بڑی

نشانی دکھائی۔ (۲۰) تو اس (فرعون) نے جھٹلا دیا اور نافرمانی کی۔ (۲۱) پھر واپس پلٹا، دوڑ بھاگ کرتا تھا۔ (۲۲) پھر اس نے اکٹھا کیا، پس پکارا۔ (۲۳) پس اس نے کہا میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔ (۲۴) تو اللہ نے اسے (فرعون) آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ (۲۵) بے شک اس میں اس شخص کے لیے یقیناً بڑی عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔ (۲۶)

تفسیر:

فرمایا: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا فرعون کے ساتھ معرکہ کا قصہ اور اس سے مخافہ کو ڈرانا:

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے انکار پر بہت اصرار کر رہے ہیں حتیٰ کہ وہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: "تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاصِرَةٌ" (الذمت: ۳۱) پھر تو آخرت کی طرف لوٹنا بہت خسارہ والا ہو گا اور ہمارے رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ان کا یہ مسلسل انکار بہت شاق گزرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ بیان فرمایا تاکہ آپ کو تسلی دی جائے کہ فرعون کو دعوت دینے میں موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی مشقت اٹھائی تھی اور فرعون بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جھاربا تھا، سو آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں، انبیاء (علیہم السلام) کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینے میں ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ فرعون کفار مکہ سے زیادہ قوی اور جابر حکمران تھا، اس کے پاس بڑا لشکر تھا اور اس کی بہت بڑی سلطنت تھی اور جب اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اس کا جاہ و حشم، اس کی بڑی سلطنت اور اس کا لشکر اس کے کچھ کام نہ آیا، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا اور اس کو دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنادیا اور فرعون کی قوت اور حشمت کے مقابلہ میں یہ کفار مکہ کیا چیز ہیں، اگر یہ بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جھے رہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنادے گا۔

فرمایا: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟۔ جب ان کے رب نے وادی طویٰ میں انھیں ندا فرمائی۔

طوی:

طویٰ شام کی ایک وادی کا نام ہے جو پہاڑوں کے پاس ہے، جب رات کے وقت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ندا فرمائی تھی کہ آپ فرعون کے پاس جائیں، طویٰ وادی مقدس ہے جس میں دو مرتبہ برکت ڈالی گئی ہے۔

فراء نے یہ کہا ہے کہ طویٰ مدینہ اور مصر کے درمیان ایک وادی ہے۔

فرمایا: کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بیشک اس نے سرکشی کی ہے۔

”طغی“ کا معنی:

اس کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا ہے کہ اس نے کس چیز میں حد سے تجاوز کیا تھا، اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر کیا اور کافر ہو گیا اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حد سے تجاوز کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے خالق اور مخلوق دونوں کے معاملہ میں حد سے تجاوز کیا ہو، خالق کے معاملہ میں تجاوز یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا اور لوگوں سے کہا: **اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی**۔ (النزعت ۴۲) تمہارا سب سے بڑا رب میں ہوں اور مخلوق کے سامنے تکبر یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا، ان سے بے گار کے کام لیتا تھا اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو تلقین کی کہ وہ ان سے کہیں!:

فرمایا: آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟۔

تزکی کا مادہ ترکی ہے، اس کا معنی ہے: عیوب سے بری ہونا اور قبائح سے پاک ہونا، قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۔ (الشمس ۱) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کو تلقین کی تھی کہ فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کریں، فرمایا:

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (طہ ۴۴) پس تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینی ہو تو اس کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہیے اور نرمی سے بات کرنی چاہیے، اسی سے اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا لَّانْقَضَتْ اَنْفُسُ مَنْ حَوْلَكَ ص (آل عمران ۴۱)

اگر آپ بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

فرمایا: اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اور اس پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر مقدم ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ہدایت کو پہلے ذکر اور اللہ سے ڈرنے کا ذکر بعد میں کیا، اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّنِيْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ط (طہ ۳)

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو آپ میری عبادت کیجئے۔

اور اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کا خوف اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے، اسی لیے فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)

اللہ کے بندوں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

فرمایا: پھر انھوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی۔

بہت بڑی نشانی کے متعلق متعدد اقوال:

(۱) اس سے مراد یہ بیضاء ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَادْخُلْ يَدُكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سَوْءٍ (النمل: ۲۱)

آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان (بغل) میں ڈالیں آپ کا ہاتھ سفید چمک دار بغیر کسی عیب کے نکلے گا۔

وَاطْمَأْنِنْ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْوُجْ بَيْضًا مِّنْ غَيْرِ سَوْءٍ آخَرَىٰ لِّلرَّيِّكَ مِنْ أَيْعَنَ الْكَلْبَىٰ (طہ: ۳۱-۳۲)

اور آپ اپنا ہاتھ اپنی بغض میں دبائیے وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بہت بڑی نشانیاں دکھائیں۔

(۲) اس سے مراد عصا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ جب عصا کو زمین پر ڈالتے تو وہ اثر دھابن جاتا تھا، اس کے اجزاء اور اس کا جسم بڑھ جاتا تھا اور اس سے حضرت موسیٰ کو بہت بڑی قدرت اور بہت شدید طاقت حاصل ہوتی تھی، اور وہ اثر دھابہت ساری چیزوں کو نگل جاتا تھا اور وہ چیزیں فنا ہو جاتی تھیں اور بڑی بڑی چیزوں کے اجزاء فنا ہو جاتے تھے اور چیزوں کے رنگ اور ان کی صورتیں زائل ہو جاتی تھیں اور ان چیزوں میں سے ہر چیز ایک مستقل معجزہ ہے لہذا عصا بہت بڑی نشانی ہوا۔

(۳) بہت بڑی نشانی سے مراد یہ بیضاء اور عصا کا مجموعہ ہے۔

فرمایا: سو اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کی۔

یعنی اس کی تکذیب کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے یہ معجزے ان کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت نہیں کرتے، اسی لیے اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے عصا سے معارضہ کرنے کے لیے دوسرے شہروں میں جادو گروں کو اکٹھا کیا، قرآن مجید میں ہے:

فَآرْسَلَٰ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ خَبِيرِينَ (الشعرا: ۲۵) پھر فرعون نے شہروں میں (جادو گروں کو) جمع کرنے والوں کو بھیج دیا۔

فرمایا: پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کی۔

معنی کا معنی:

، اس کا مصدر ”سعی“ ہے اس کا معنی جدوجہد کرنا بھی ہے اور بھاگنا بھی اور اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) جب فرعون نے اثر دھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ مرغوب ہو کر بھاگ گیا۔

(۲) فرعون نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کرنے میں مشغول ہو گیا۔

فرمایا: اس نے لوگوں کو جمع کر کے یہ اعلان کیا۔ پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

فرعون نے دوسرے شہروں سے جادوگروں کو ہوا کر جمع کیا۔ (الشعراء ۳۵:) پھر جس مقام پر تمام جادوگر جمع ہوئے تھے، اس میدان میں اس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

سب سے بڑا رب ہوں، کا معنی؛

اس نے جو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور سمندروں اور دریاؤں کو میں نے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ دعویٰ تو ایک مجنون کی بڑے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ فرعون دہریہ تھا، وہ اس جہان کا کوئی صالح نہیں مانتا تھا، نہ نبی اور رسول کو مانتا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا مربی اور محسن ہوں، لہذا تم میرا شکر ادا کرو اور میری تعظیم کرو اور مجھے سجدہ کرو اور میرے احکام مانو اور میری اطاعت کرو، وہ قیامت، حشر و نشر اور جزاء اور سزا کا بھی منکر تھا۔ فرمایا: پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ بیشک اس میں ڈرنے والے کے لیے ضرور عبرت ہے۔

”آخرۃ“ اور ”اولیٰ“ کی متعدد تفاسیر؛

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ نے اس کو آخرۃ۔ اور۔ اولیٰ۔ کے عذاب کی گرفت میں لے لیا، مجاہد، شعبی، سعید بن جبیر اور مقاتل نے کہا: ”آخرۃ“ اور ”اولیٰ“ سے مراد فرعون کے دو دعوے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

مَا عَلَيْنَا لَكُمْ قَوْلًا وَلَا عَلَيْنَا ج (القصص: ۸۴)

مجھے اپنے سوا تمہارے اور کسی معبود کا علم نہیں ہے۔

اس دعویٰ کے چالیس سال بعد اس نے یہ دعویٰ کیا:

أَنَا رَبُّكُمْ الْأَخْلَى (النارعات: ۴۴)

میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

یعنی فرعون کے ان دو دعوؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ جب فرعون نے پہلا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو گرفت میں نہیں لیا بلکہ اس کو چالیس سال تک مہلت دی اور جب اس نے چالیس سال تک رجوع نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر دعویٰ کیا تو پھر اس کو اپنے عبرت ناک عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حسن اور قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ”آخرۃ“ اور ”اولیٰ“ کا معنی یہ ہے کہ اسے آخرت اور دنیا کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا، دنیا میں اس کو سمندر میں غرق کر دیا اور آخرت میں اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

قتال نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ فرعون کے دو جرم تھے، اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، سو اس کو ان دو وجوہوں سے عذاب ہوگا اور ”آخرۃ“ اور ”اولیٰ“ سے یہی مراد ہے۔

فرمایا: اس میں ڈرنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے،

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا جو قصہ بیان فرمایا ہے اور فرعون کو جو رسوا کیا ہے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو جو عزت دی ہے اس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی کرے اور انبیاء (علیہم السلام) کی تکذیب کرے، وہ فرعون کے انجام سے دو چار ہوگا۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

ہل، استفہامیہ (کیا) اَیَک (تُو۔ ک) اَی، فعل ماضی واحد مذکر غائب ثانی یثقی، مصدر یشاق، آتا، پہنچتا، وہ آئی ہے، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (وہ آپ کے پاس آئی ہے) حَدِیثُ مُوسٰی، حَدِیثُ، مضاف، بات، مُوسٰی، مضاف الیہ، حضرت موسیٰ کی (حضرت موسیٰ کی بات) اِذْ، ظرف زمان، ماضی کے واقعہ سے پہلے آتا ہے (جب) نَازِیہُ (نَازِی۔ ہ) نَازِی، فعل ماضی واحد مذکر غائب نَازِی یَنَازِی، مصدر یَنَازِی وَ مَنَازِلَہُ، پکارنا، اس نے پکارا، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، ضمیر کا مرجع "مُوسٰی" ہے (اس نے پکارا اسے) رَبُّہُ (رَبُّ۔ ہ) رَبُّ، مضاف، رب، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع "مُوسٰی" ہے (اس کے رب) بِالنَّوَادِیِّ (ب۔ الِ) النَّوَادِیِّ، ب، حرف جار، بمعنی، فی، میں، النَّوَادِیِّ، مجرور، موصوف، وادی، النَّوَادِیِّ، صفت، تَغْدِیثُ، مصدر سے اسم مفعول، پاک کیا ہوا، مقدس (مقدس وادی میں) کَظِی، جگہ کا نام (ظوای) اِذْہَبْتُ، فعل امر واحد مذکر حاضر اِذْہَبْ یَذْہَبْ، مصدر یَذْہَبْ، جانا (جاؤ) اِلٰی فِرْعَوْنَ، اِلٰی، حرف جار، کی طرف، فِرْعَوْنَ، مجرور، فرعون (فرعون کی طرف) اِذْہَ (اِذْ۔ ہ) اِذْ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، یقیناً، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (یقیناً وہ) ظَلٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب ظَلٰی یُظَلٰی، مصدر یُظَلٰی، حد سے نکل جانا، سرکش ہونا (وہ سرکش ہو گیا ہے) کُھَلْ (کُھَل۔ ف) ف، حرف عطف، پھر، کُھَلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر کُھَلْ یُکُھَلْ، مصدر یُکُھَلْ، کہنا (کہو) ہل، استفہامیہ (کیا) کُھَلْ (ک۔ ل) ل، حرف جار، کو، ک، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، تھ (تھ کو) اِلٰی اُن۔ اِلٰی، حرف جار، اس طرف، اُن، مجرور، مصدر یہ ناصب، کہ (اس طرف کہ) تَرٰکِی، اصل میں "تَرٰکِی" تھا، ایک "تا" اختصار کیلئے حذف ہے، فعل مضارع واحد مذکر حاضر تَرٰکِی تَرٰکِی، مصدر تَرٰکِی، پاک ہونا (تو پاک ہو جائے) د، حرف عطف (اور) اِہْرِیْکَ (اِہْرِی۔ ک) اِہْرِی، فعل مضارع واحد متکلم حدی یُہْرِی، مصدر یُہْرِی، ہدایت دینا، رہنمائی کرنا، میں رہنمائی کروں، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، تیری (میں تیری رہنمائی کروں) اِلٰی رَبِّکَ (اِلٰی۔ رَب۔ ک) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، رَب، مجرور، مضاف، رب، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تیرے (تیرے رب کی طرف) تَحْطِی (تَحْطِی۔ ف) ف، حرف عطف، پس، تَحْطِی، فعل مضارع واحد مذکر حاضر تَحْطِی یُحْطِی، مصدر یُحْطِی، ڈرنا، تو ڈر جائے (میں تو ڈر جائے) فَاکْرِیْ (ف۔ اَکْرِی۔ ہ) ف، حرف عطف، پھر، اَکْرِی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَکْرِی یُکْرِی، مصدر اَکْرِی، دکھانا، اس نے دکھائی، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (اس نے اسے دکھائی) اَلْاَیَّہُ الْکُبْرٰی (اَلْاَیَّہُ۔ الْکُبْرٰی) اَلْاَیَّہُ، موصوف، نشانی، الْکُبْرٰی، صفت، کبر، مصدر سے اسم تفضیل واحد مؤنث، بہت بڑی (بہت بڑی نشانی) قَلَّدْتُ (قَلَّدْتُ۔ ف) ف، حرف عطف، تو، قَلَّدْتُ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَلَّدْتُ یَقَلَّدْتُ، مصدر یَقَلَّدْتُ، جھٹلانا، اس نے جھٹلایا (تو اس نے جھٹلایا) د، حرف عطف، غطی، فعل ماضی واحد مذکر غائب غَطٰی یُغَطٰی، مصدر یُغَطٰی، نافرمانی کرنا (اس نے نافرمانی کی) فُھَمْ، حرف عطف (پھر) اَذْہَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَذْہَرَ یُذْہِرُ، مصدر اَذْہَرَ، پلٹنا، وٹنا (وہ پلٹا) نَسَلٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب نَسَلٰی یُنَسَلٰی، مصدر یُنَسَلٰی، کوشش کرنا (وہ کوشش کرنے لگا) کَالْ (کَال۔ قَال) ق، حرف عطف، پھر، قَال، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَال یَقُولُ، مصدر قُولًا، کہنا، اس نے کہا (پھر اس نے کہا) اَنَّا، ضمیر واحد متکلم (میں) رَبُّکُمْ (رَبُّ۔ کُمْ) رَبُّ، مضاف، رب، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر تمہارا (تمہارا رب) اَنَّا غَلٰی، مصدر سے افضل التفضیل کا صیغہ (سب سے اونچا، سب سے بلند، اعلیٰ) قَاخَذَہُ (قَاخَذَہُ۔ ف) ف، حرف عطف، تو، اَخَذَ، فعل ماضی واحد

مذکر غائب اَخَذَ یا خذ، مصدر اَخَذَ، پکڑنا، اس نے پکڑ لیا، فاعل (اللہ) تَکَانَ اَلْاَخِرَةُ (تَکَانَ - اَلْاَخِرَةُ) تَکَانَ، مضاف، نَکَلٌ، مصدر سے اسم منصوب کمرہ، مَذَاب، اَلْاَخِرَةُ، مضاف الیہ، اَخِرَتِ کے (آخر کے مَذَاب) و، حرف عطف (اور) اَنَاوَلِ - اَنَاوَلِ، کی مَوْنَتْ، مراد (دنیا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) فِیْ ذَٰلِکَ - فِیْ، حرف جار، میں، ذَٰلِکَ، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس میں) لَیْجَزَةُ (لَ - جَزَةُ) لَ، لام تاکید، یقیناً، جَزَةُ، عبرت (یقیناً عبرت) لَیْنِ (لَ - لَیْنِ) لَ، حرف جار، کیلئے، مَن، مجرور، اسم موصول، جو (اس کیلئے جو) تَنَظَّلِ، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَنَظَّلِ، مصدر تَنَظَّلِ، ڈرنا (وہ ڈرتا ہے)۔

آیت ۲۷ تا ۳۳

اَنۡنَحْنُ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا (۲۷) رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوَّاهَا (۲۸) وَاَخۡطَطَ لَیۡلَهَا وَاَخۡرَجَ حُجۡلَهَا (۲۹) وَالۡاَرۡضُ بَعۡدَ ذَٰلِکَ
کَهَا (۳۰) اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعَهَا (۳۱) وَاَلۡجِبَالُ اَرۡسَآهَا (۳۲) مَتَاعًا لَّکُمۡ وَلَآ تَعۡمَلُکُمۡ (۳۳)

ترجمہ:

کیا پیدا کرنے میں تم زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اس نے اسے بنایا۔ (۲۷) اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اسے برابر کیا۔ (۲۸) اور اس کی رات کو تاریک کر دیا اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کر دیا۔ (۲۹) اور زمین، اس کے بعد اسے بچھا دیا۔ (۳۰) اس سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا۔ (۳۱) اور پہاڑ، اس نے انھیں گاڑ دیا۔ (۳۲) تمھاری اور تمھارے چوپایوں کی زندگی کے سامان کے لیے۔ (۳۳)

تفسیر:

فرمایا: آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے۔ اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہم وار بنادیا۔

آسمانوں کی تخلیق سے حیات بعد الموت پر استدلال:

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا قصہ ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کلام کو پھر حیات بعد الموت کے منکرین کی طرف راجع فرمایا اور یہ استدلال کیا کہ اے منکر! تمہارے مقابلہ میں آسمان بہت بڑی مخلوق ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم آسمان طبق در طبق بنادئے تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل ہے، جیسے کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

اَوَلَیْسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ یَغِیۡدُ عَلٰی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمَا ط (یسین: ۸۱)

کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان کی مثل پیدا فرمائے۔

تَخۡلُقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَکۡبَرُ مِمَّنۡ خَلَقَ النَّاسَ (المؤمن: ۷۷)

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کے منکرین اس بات کو مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

وَلَکُمۡ مِّنۡ سَآلَتِہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُولَنَّ اللہُ ط (لقمان: ۷۷)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور بہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ اور ہر صاحب عقل اس بات کو مانے گا کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے اور جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرما چکا ہے تو اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کب مشکل اور دشوار ہے تو پھر انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو!

آسمان بہت عظیم مخلوق ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احکام پر عمل کرنے کی جو امانت سونپی ہے، اس نے اس امانت میں خیانت نہیں کی اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرا اور آسمان کے مقابلہ میں انسان اس قدر ضعیف اور ناتواں ہے، وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں خیانت کرنے سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب سے ڈرایا تاکہ لوگ اپنی سرکشی کو ترک کر کے اس دعوت پر ایمان لے آئیں جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے سامنے پیش فرما رہے ہیں۔

فرمایا: اس نے اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اس کو ہم دار کیا، ہم وار بنانے سے مراد یہ ہے کہ آسمان میں شکنیں اور سلوٹیں نہیں ہیں، وہ کہیں سے اونچا نیچا نہیں ہے، جیسے اس نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ ط (الملک: ۳)

تم رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھو گے۔

فرمایا: اس کی رات تاریک کردی اور اس کا دن روشن کر دیا۔

”اعطش“ کا معنی:

اس آیت میں ”اعطش“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: رات کا تاریک ہونا، یا رات کو تاریک کرنا، اس کا مادہ ”عطش“ ہے، اس کا معنی ہے: کمزور نظریا دھندلی نظر والا۔ ”تعاطش“ کا معنی ہے: جان بوجھ کر اندھا یا غافل بننا۔ (المفردات ج ۲ ص ۹۶، بیروت، مختار الصحاح، ص ۲۸۲، بیروت)

”ضحیٰ“ کا معنی:

”ضحیٰ“ چاشت کے وقت کو کہتے ہیں جیسے ہمارے ہاں دن کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوتا ہے، اس آیت میں اس سے مراد وہ دن ہے اور دن کو ”ضحیٰ“ سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس وقت میں خوب دھوپ نکل آتی ہے اور دن مکمل طور پر روشن ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں ”طلیھا وضحاھا“ کی ضمیریں آسمان کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی آسمان کی رات تاریک کردی اور آسمان کے دن کو روشن کر دیا کیونکہ رات اور دن کا وجود سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اور سورج کا تعلق آسمان ہے۔

فرمایا: اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔

”دُحّا“ کا معنی اور زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کر لے کی تحقیق:

اس آیت میں ”دُحّا“ کا لفظ ہے۔ ”دُحّی“ ”دُحّو“ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ہم وار کر دیا، بچھا دیا، یا پھیلا دیا اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آسمان کو بنایا، اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا، دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین کو بنایا، اس کے بعد آسمان کو بنایا، وہ آیت یہ ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ جِوَارًا مِّمَّا اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ (البقرہ ۲۲)

وہی (اللہ ہے) جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا۔

تعارض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا، نفس زمین کو پیدا کیا، پھر آسمانوں کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد پھر زمین کو پھیلا دیا اور اس کو موجودہ شکل دی۔ البقرہ ۹۲: میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے اور النزعت ۱۳: میں زمین کو پھیلا نے اور اس کو موجودہ شکل دینے کا ذکر ہے۔

(۲) اس آیت سے مراد صرف زمین کو پھیلا نا نہیں ہے بلکہ زمین کو قابل کاشت بنانا ہے کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چار نکلا۔ (النزعت ۱۳): کیونکہ زمین میں کھیتی باڑی اور روئیدگی کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آسمان سے بارشیں ہوں اور زمین میں دریا اور چشمے بھی اسی وقت وجوہ میں آتے ہیں، جب آسمان سے پانی برے، اس لیے پہلے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد زمین کو قابل کاشت بنانے کا اور البقرہ ۹۲: میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے۔

(۳) ”بعد ذالک“ کا معنی حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ یعنی آسمانوں کے بنانے کے ساتھ زمین کو پھیلا دیا۔

فرمایا: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چار نکلا۔

”مرعّا“ کا معنی ہے اور زمین کے منافع اور فوائد:

اس آیت میں فرمایا ہے: زمین سے اس کا پانی نکلا، اس سے مراد ہے: زمین کے چشموں سے پھوٹ کر نکلنے والا پانی، اور اس میں ”مرعّا“ کا لفظ ہے۔ ”الرعی“ کا معنی ہے: جاندار کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا، حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (۱) خوراک کے ذریعہ (۲) دشمنوں سے بچانا (۳) مناسب انتظام سے حق دار کو اس کا حق دلانا۔ ”راعی“ چرواہے کو بھی کہتے ہیں اور حاکم اور نگران کو بھی راعی کہتے ہیں۔

اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے زمین سے انسانوں اور ان کے جانوروں کے لئے، سبزہ اور غلہ پیدا کیا، طرح طرح کے

پھل پیدا کیے، جڑی بوٹیاں پیدا کیں، جن سے انسان علاج کرتے ہیں، روئی پیدا کی جس سے لباس بنایا جاتا ہے درخت پیدا کیے جن سے فرنیچر اور دوسری ضرورت کی چیزیں بنائی جاتی ہیں، زمین میں معدنیات رکھے، جن میں لوہا ہے جس سے مشینیں اور اسلحہ بنایا جاتا ہے، تانبا اور پتیل سے جن سے برتن بنائے جاتے ہیں، سونا اور چاندی ہے جن سے زیورات بنائے جاتے ہیں، تیل اور قدرتی گیس ہے، جن سے ایندھن حاصل کیا جاتا ہے، دریا پیدا کیے، جن سے کاشت کاری کے لیے پانی حاصل کیا جاتا ہے اور بجلی بنائی جاتی ہے۔

فرمایا: اور پہاڑوں کو اس زمین میں نصیب کر دیا۔ تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔

”ارساھا“ کا معنی:

اس آیت میں ”ارسی“ کا لفظ ہے، یہ ”رسو“ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: لنگر باندھنا، ثابت رکھنا اور منہ ٹھوکانا۔ یعنی پہاڑوں کو زمین میں نصب کر دیا تاکہ وہ اپنی جگہ سے بل نہ سکے، اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ پہاڑوں کا اپنی جگہ قائم رہنا ان کی اپنی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی وجہ سے ہے۔

دوسری آیت میں ”انعام“ کا لفظ ہے، یہ ”نعم“ کی جمع ہے، صحاح میں مذکور ہے کہ اس لفظ کا اطلاق زیادہ تر اونٹ، گائے اور بکریوں اور دنبوں پر کیا جاتا ہے۔ (مختار الصحاح ج ۵۸۳) یعنی ”المرعی“ میں جو نباتات ہیں وہ تمہارے لیے بھی ہیں اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی ہیں یعنی زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس میں سب کے لیے منافع ہیں اور سب کی خوراک ہے، خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

”اَشْمُ۔۔۔“ ہمزہ استفہامیہ، کیا، اَشْمُ، ضمیر متصل جمع مذکر حاضر، تم (کیا تم) اَشْمُ۔۔۔ مصدر سے الفعل التفصیل کا صیغہ (زیادہ سخت) عَلَکَا، مصدر (پیدا کرنا) اَمْ، حرف عطف (یا) اَلْاَسْمَاءُ (آسمان) بَلَّیْنا اس نے اسے بنایا ہے۔ بَلَّیْنا (بَلَّیْ۔ ہا) بَلَّیْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب بَلَّیْ بَلَّیْ، مصدر بَلَّیْ، بنانا، اس نے بنایا ہے، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع، اَلْاَسْمَاءُ، ہے (اس نے اسے بنایا ہے) رَفَعَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَفَعَ رَفَعَ، مصدر رَفَعَ، بلند کرنا (اس نے بلند کیا) سَمَّکْنَا (سَمَّک۔ ہا) سَمَّک، مضاف، مصدر ہے، بلند کرنا، اوچائی، چھت، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب اس کی، ضمیر کا مرجع ”اَلْاَسْمَاءُ“ ہے (اس کی چھت) فُسَّوْیْنا (ف۔ سَوَّی۔ ہا) ف، حرف عطف، پھر، سَوَّی، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوَّی سَوَّی، مصدر تَسَوَّیْنا، برابر کرنا، سنوارنا، درست کرنا، اس نے درست کیا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع ”اَلْاَسْمَاءُ“ ہے (اس نے اسے درست کیا) د، حرف عطف (اور) اَعْطَشَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَعْطَشَ اَعْطَشَ، مصدر اَعْطَشَ، تاریک کرنا، لَیْلًا (لَیْل۔ ہا) لَیْل، مضاف، رات، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع ”اَلْاَسْمَاءُ“ ہے (اس کی رات) د، حرف عطف (اور) اَخْرَجَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَخْرَجَ اَخْرَجَ، مصدر اَخْرَجَ، نکالنا (اس نے نکالا) ضَحَّیْنا (ضَحَّی۔ ہا) ضَحَّی، مضاف، دن چڑھے، دھوپ کا پھیلنا، روشن ہونے، روشنی، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع ”اَلْاَسْمَاءُ“ ہے (اس کے دن کی روشنی) د، حرف عطف (اور) اَمَّا رُضْ (زمین) اَمَّا رُضْ اَمَّا رُضْ، مصدر اَمَّا رُضْ، بعد، اَمَّا رُضْ، مضاف الیہ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس کے (اس کے بعد) دَلَّیْنا (دَلَّی۔ ہا) دَلَّی، فعل ماضی واحد مذکر غائب دَلَّی دَلَّی، مصدر دَلَّی، بچھانا، اس نے بچھادیا، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد

مَوْنُثْ غَائِبٌ، اسے، ضمیر کا مرجع "أَنْزَلَ" ہے (اس نے اسے بچھا دیا) اَنْزَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَنْزَلَ، مصدر اَنْزَلَ، نكالنا (اس نے نکالا) مَنَّا (مَن - ہا) مَن، حرف جار، سے، ہا، مجرور، ضمیر واحد مَوْنُثْ غَائِبٌ، اس، ضمیر کا مرجع "أَنْزَلَ" ہے (اس میں سے) نَامٌ، نَامٌ، مضاف، پانی، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مَوْنُثْ غَائِبٌ، اس کا (اس کا پانی) وَ، حرف عطف (اور) مَرْطَبٌ (مَرْطَب - ہا) مَرْطَبٌ، مضاف، چارہ، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مَوْنُثْ غَائِبٌ، اس کا (اس کا چارہ) وَ، حرف عطف (اور) اَلْجِبَالُ (پہاڑوں) واحد، بجَلٌ - اَزْلَسِيہ (اَزْلَسِيہ - ہا) اَزْلَسِيہ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَزْلَسِيہ، مصدر اَزْلَسَاہ، کالزنا، اس نے کالز دیا، ہا، ضمیر واحد مَوْنُثْ غَائِبٌ، اسے، ضمیر کا مرجع "اَلْجِبَالُ" ہے (اس نے انہیں کالز دیا) مَنَّا، اسم مفرد مکرمہ اور مصدر، فائدہ، فائدہ پہنچانا، خاگی کا سامان، کام کی چیز (کُم - اَل - کُم) ل، حرف جار، لیے، کُم، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر (تمہارے لیے) وَ، حرف عطف (اور) اَلْاَنْعَامُ (اَل - اَنْعَام - کُم) ل، حرف جار، کیلئے، اَنْعَامٌ، مجرور، مضاف، چوپاؤں مویشیوں، کُم، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے مویشیوں کیلئے)۔

آیت ۳۲ تا ۴۱

فَإِذَا جَاءَتْ الظَّامَةُ الْكُلُوبَى (۳۲) يَوْمَ يَقْدَرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَى (۳۳) وَيُزَوِّجُ الْمُجْهِمُ لِمَنْ يَرَى (۳۴) فَأَنْتُمْ مَنْ طَلَقَ (۳۵) وَأَنْتُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا (۳۶) فَإِنَّ الْمُجْهِمَ هِيَ الْمَأْوَى (۳۷) وَأَنْتُمْ مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَتَمَلَّى الْغَفْسَ عَنِ الْهَوَى (۳۸) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى (۳۹)

ترجمہ:

پھر جب وہ ہر چیز پر چھا جانے والی سب سے بڑی مصیبت آجائے گی۔ (۳۲) جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی۔ (۳۳) اور جہنم (ہر) اس شخص کے لیے ظاہر کر دی جائے گی جو دیکھتا ہے۔ (۳۴) پس لیکن جو حد سے بڑھ گیا۔ (۳۵) اور اس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ (۳۶) تو بے شک جہنم ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔ (۳۷) اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اس نے نفس کو خواہش سے روک لیا۔ (۳۸) تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔ (۳۹)

تفسیر:

فرمایا: پس جب بڑی مصیبت آجائے گی۔

"طامة" کا معنی:

یہ لفظ "طم" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا اتنا زیادہ ہونا کہ وہ چھا جائے اور سب پر غالب آجائے، اس آیت میں اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ ہنگامہ قیامت ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ (مختار الصحاح ص ۹۴۲) فرمایا: اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا۔ اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔ اس آیت میں کوشش سے مراد انسان کے کیے ہوئے اعمال ہیں، قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں اس کا صحیفہ اعمال دے دیا جائے گا اور جن کیے ہوئے کاموں کو وہ بھول چکا تھا اس کو وہ سب یاد آجائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ بَرجًا فَأَقْبَلَتْهُمْ جَا عِلْوًا طَاحُضَةً اللَّهُ وَتَسْوُطُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ. (المجادلہ: ۲۸)

جس دن اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کیے ہوئے کاموں میں خیر دے گا، جن اعمال کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور یہ بھول چکے تھے، اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے: اور دوزخ کو بالکل ظاہر کر دیا ہے، اس میں ”برزت“ کا لفظ ہے، اس کا مادہ ”بروز“ ہے، اسی کا معنی ظہور ہے، دوزخ کے ظہور کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

فَإِنْ مِنْكُمْ أَصْحَابٌ لَّهُمْ أَمْوَالٌ فَلْيَسِّرُوا لَهَا مَخْرَجًا. ثُمَّ لِيُتَبَيَّنَ لَكُمْ أَنْتُمْ عَلَىٰ مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِ. (مریم: ۷۴)

تم میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا، یہ آپ کے رب کا قطعی فیصلہ ہے۔ پھر ہم متقین کو نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گھنٹوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

فرمایا: سو جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو بیشک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال اور فساد:

انسان کو دو قوتیں ہیں: قوت نظریہ اور قوت عملیہ، قوت نظریہ کا کمال یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو اور وہ اس کی توحید کی تصدیق کرے اور یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس پر غالب ہے، پھر وہ اپنے آپ کو حقیر جانے کا اور انکسار اور تواضع کرے گا، پھر وہ سرکشی اور تکبر نہیں کرے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرے گا اور اس کی توحید کی تصدیق نہیں کرے گا تو پھر وہ سرکشی اور تکبر کرے گا، اور قوت عملیہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام فرامین پر عمل کرے اور دنیا کے عیش و عشرت پر آخرت کو ترجیح دے اور قوت عملیہ کا فساد یہ ہے کہ انسان دنیا کے لہو و لعب اور عیش و عشرت میں مستغرق ہو اور آخرت کو فراموش کر دے، پس النزعۃ ۷۳: میں قوت نظریہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوت نظریہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان سرکشی کرتا ہے اور النزعۃ ۸۳: میں قوت عملیہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوت عملیہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے دنیا کو حلال طریقہ سے سوال سے بچتے ہوئے طلب کیا، اور اپنے اہل و عیال کی کفالت اور اپنے پڑوسی پر شفقت کرنے کے لیے حاصل کیا، وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا اور جس نے دنیا کو حرام طریقہ سے طلب کیا تا کہ وہ مال دار ہو اور لوگوں پر فخر کرے اور ان کو اپنی شان دکھائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث ۱۵۱۲:)

حضرت علی (رض) نے فرمایا: دنیا پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے اور آخرت سامنے سے آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، سو تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو، آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری، کتاب المرقات، باب فی الاطل وطلول)

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں مسافر کی طرح رہو یا راستہ عبور کرنے والے کی طرح اور حضرت ابن عمر (رض) یہ کہتے تھے کہ جب تم شام کو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کو اٹھو تو شام کا انتظار نہ کرو، اور تم اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے دنوں کے لیے عمل کرو اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۱۴۶: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۱۴:)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم کسی شخص میں دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام دیکھو تو اس کا قرب حاصل کرو کیونکہ اس کو حکمت عطا کی گئی ہے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۲۵۳۔ رقم الحدیث ۴۵۰۱)

فرمایا: تو بیشک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

دوزخ کی صفات کے متعلق احادیث:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کا ستر داں حصہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۶۲۳: صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۴۸۲:)

حضرت نعمان بن بشیر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک دوزخ والوں میں سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو آگ کی دو جوتیاں اور دو تسمے پہنائے جائیں گے، اس سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح چولہے پر رکھی ہوئی دیگی کھولتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۶۵۶: سنن ترمذی رقم الحدیث ۴۰۶۲:)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی، پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۹۵۲: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۵۴:)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا، آپ سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! شقی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے کوئی اطاعت نہیں کی اور اس کی کسی معصیت کو ترک نہیں کیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۸۹۲۴: مسند احمد ج ۲ ص ۹۴۳)

فرمایا: اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا۔ پس بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

خوفِ خدا سے متاثر کرنے والوں کی دو قسمیں:

اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس سے مراد یا تو مطلقاً میدان حشر میں کھڑا ہونا ہے یا اس سے مراد حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ معصیت کے جس حال میں کھڑا ہوا ہو وہ اس حال میں ڈر رہا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے کرنے سے منع فرمایا تھا اور میں اس کام کو کر رہا ہوں، پھر اس نے اپنے آپ کو گناہ کی اس لذت حاصل کرنے

اور شہوت کے تقاضے کو پورا کرنے سے روکا ہو اور اس کو آخرت کے عذاب کا خوف دامن گیر ہوا ہو اور جب اس پر یہ کیفیت طاری ہوگئی تو اس پر اپنی شہوت کے تقاضے کو ترک کرنا آسان ہو جائے گا اور آخرت کے لیے نیک کام کرنا سہل ہو جائے گا۔ جو لوگ آخرت کے خوف سے گناہ کو ترک کر دیتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو ہمیشہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں اور کبھی شہوت سے مغلوب ہو کر گناہ کی وادی میں نہیں اترتے اور بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کو آخرت کا عذاب یاد دلاتے ہیں اور اس کو اس اجر و ثواب کی طرف راغب کرتے ہیں، جو اہل اطاعت کے لیے تیار کیا گیا ہے پھر گو یا وہ آخرت کے عذاب اور ثواب کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، پھر وہ آخرت کی لذتوں کو دنیا کی لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ وہ دنیا سے زیادہ لذیذ ہیں اور دائمی ہیں، پھر اس پر آخرت کے لیے عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

”ہوی“ کا معنی؛

اس کا معنی ہے: نفس کا اپنی شہوت اور لذت کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہونا اور نفس کی فطرت میں شہوت اور لذت سے محبت ہے اور نفس کو اپنی شہوت کے حصول سے اسی طرح روکا جاسکتا ہے کہ وہ نفس کو ارتکاب معصیت پر عذاب سے ڈرائے اور ترک معصیت کے ثواب کی طرف اس کو راغب کرے۔

فرمایا: ایسے شخص کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

جنت کے متعلق حسب ذیل امادیت ہیں:

جنت کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیات پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ (السجدة: ۴۱)

سو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا رکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۴۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۲۸۲):

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص جنت میں داخل ہو گا وہ

جنت کی نعمتوں میں رہے گا، وہ خوف زدہ نہیں ہوگا، اس کے کپڑے میلے ہوں گے نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۳۸۲: سنن ترمذی رقم الحدیث ۶۲۵۲:،

حضرت عبادہ بن الصامت (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بند درجہ ہے، اسی سے جنت کے چار دریا نکلنے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے، پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۹۷۲:، سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۳۵۲:، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۳۳۴:)

زمیم نحوی و تحقیق مرئی:

فَاِذَا (ف۔ اِذَا) ف، حرف عطف، پھر، اِذَا، اسم ظرف مستقبل بمعنی شرط، جب (پھر جب) جَاءَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثٌ غَائِبٌ جَاءَ سَكَنًا، مصدر مَجِيءٌ، آنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ آجائے گی) اَلْاَتِيَةُ الْكُبْرَى (اَلْاَتِيَةُ الْكُبْرَى) اَلْاَتِيَةُ، موصوف، ظم، مصدر سے اسم فاعل واحد مَوْثٌ، چھا جانے والی آفت، اَلْكُبْرَى، صفت، بکرو، مصدر سے اسم تفضیل واحد مَوْثٌ، بہت بڑی (بہت بڑی چھا جانے والی آفت) یَوْمٌ، اسم ظرف زمان (اس دن) یَسْتَرْزِ، فعل مضارع واحد مذکر غَائِبٌ یَسْتَرْزِ، مصدر یَسْتَرْزِ، صیغہ کثرت، یاد کرنا (وہ یاد کرے گا) اَلْاِنْسَانُ، فاعل (انسان) نا، اسم موصول (جو) سَلَى، فعل ماضی واحد مذکر غَائِبٌ سَلَى سَلَى، مصدر سَعِيًا، کوشش کرنا (اس نے کوشش کی) و، حرف عطف (اور) بَرَزَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْثٌ غَائِبٌ بَرَزَتْ، مصدر بَرَزَتْ، باہر نکالنا، ظاہر کرنا (وہ ظاہر کر دی جائے گی) اَلْجَنَّمَ (جہنم، دوزخ) لَئِنْ (ل۔ مَن) ل، حرف جار، کیلئے، مَن، مجرور، اسم موصول، جو (اس کیلئے جو) یَزِي، فعل مضارع واحد مذکر غَائِبٌ زَايٌ يَزِي، مصدر زَوِيَةً دِيكُنَا (وہ دیکھتا ہے) قَاتَا (ف۔ قَاتَا) ف، حرف عطف، پس، قَاتَا، حرف شرط و تفصیل، رہا (پس رہا) مَن، اسم موصول (جس نے) عَطَى، فعل ماضی واحد مذکر غَائِبٌ عَطَى، مصدر عَطَا، سرکشی کرنا، و، حرف عطف (اور) اَخْرَجَ، فعل ماضی واحد مذکر غَائِبٌ اَخْرَجَ، مصدر اَخْرَجَ، ترجیح دینا (اس نے ترجیح دی) اَلْخَيُوءَ الدُّنْيَا (اَلْخَيُوءَ الدُّنْيَا) اَلْخَيُوءَ، موصوف، زندگی، الدُّنْيَا، صفت، دنیاوی (دنیاوی زندگی) لَإِنْ (ف۔ اِنْ) ف، حرف عطف، تو، اِنْ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک (تو بے شک) اَلْجَنَّمَ (جہنم، دوزخ) یَی، ضمیر واحد مَوْثٌ غَائِبٌ (وہی، ہی) اَلْاِنْسَانُ، مصدر اور اسم ظرف (قیام کرنا، مقام سکونت، ٹھکانہ) و، حرف عطف (اور) قَاتَا، حرف شرط و تفصیل (رہا) مَن، اسم موصول (جو) خَافَ، فعل ماضی واحد مذکر غَائِبٌ خَافَ، مصدر خَوْفًا، ڈرنا (وہ ڈر گیا) مَكَامٌ۔ قِيَامٌ، مصدر سے ظرف مکان اور مصدر میمی (کھڑے ہونے کی جگہ، سامنے کھڑا ہونا) رَبِّ (م۔ رَبِّ) مضاف، رب، م، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غَائِبٌ، اپنے (اپنے رب کے) و، حرف عطف (اور) نَحَى، فعل ماضی واحد مذکر غَائِبٌ نَحَى نَحَى، مصدر نَحَى، روکنا، منع کرنا، باز رکھنا، (اس نے باز رکھا) اَلْاِنْسَانُ (لَس) عَنِ الْاِنْسَانِ (عَنِ۔ اَلْاِنْسَانِ) عَنِ، حرف جار، سے، اَلْاِنْسَانِ، مجرور، اسم مصدر، خواہش، جمع، اَنْفُوءَ (خواہش سے) لَإِنْ (ف۔ اِنْ) ف، حرف عطف، تو، اِنْ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک (تو بے شک) اَلْجَنَّمَ (جنت) یَی، ضمیر واحد مَوْثٌ غَائِبٌ (وہی، ہی) اَلْاِنْسَانُ، مصدر اور اسم ظرف (قیام کرنا، مقام سکونت، ٹھکانہ)۔

آیت ۳۲ تا ۳۶

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا (۳۲) فِيهِمْ أَنتَ مِنْ ذِكْرَاهَا (۳۳) إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا (۳۴) إِنَّمَا أَنتَ مُنْذِرٌ مَّن يَخْشَاهَا

(۳۵) كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِمْ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا (۳۶)

ترجمہ:

وہ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہے؟ (۴۲) اس کے ذکر سے تو کس خیال میں ہے؟ (۴۳) تیرے رب ہی کی طرف اس (کے علم) کی انتہا ہے۔ (۴۴) تو تو صرف اسے ڈرانے والا ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔ (۴۵) گویا وہ جس دن اسے دیکھیں گے وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے، مگر دن کا ایک پچھلا حصہ، یا اس کا پہلا حصہ۔ (۴۶)

تفسیر:

فرمایا: وہ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہے؟

مفسر کا وقوع قیامت کا سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب؛

مشرکین قیامت کے وقوع کی خبر اور اس کے ہول ناک مناظر کی خبریں سنتے تھے اور قیامت کے یہ نام بتائے گئے کہ وہ ”الطامة“ (بہت بڑی مصیبت) ہے ”الصاحۃ“ (ثابت شدہ حقیقت) ہے، ”الواقعة“ (ضرور واقع ہونے والی) ہے، ”القارعة“ اور ”الساعة“ وغیرہا ہیں، اس لیے وہ تجسس سے پوچھتے تھے کہ وہ کب واقع ہوگی؟ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قیامت کے متعلق اس لیے سوال کرتے ہوں کہ وہ اس کو جلد طلب کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا (الشورى: ۸۱)

قیامت کے وقوع کی جلدی ان لوگوں کو ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

فرمایا: آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا ہے کہ آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتائیں کہ قیام کب واقع ہوگی۔

فرمایا: آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہا ہے۔

یعنی قیامت کے وقوع کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اس کے وقوع کا علم نہیں دیا، واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کے وقوع کی علامات کا علم عطاء فرما دیا اور اس آیت کا معنی ہے کہ قیامت کے وقوع کے علم ذاتی کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے!

عن عمر رضی اللہ عنہ قال: بیئنا نحن جلوس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم اذ طلع علينا رجل

شديد بياض الشياب شديد سواد الشعر لا يرى عليه اثر السفر ولا يعرفه منا أحد حتى جلس الى النبي صلى الله

علیہ وسلم فأسند رکبتيه إلى ركبتيه ووضع كفيه على فخذيه وقال يا محمد أخبرني عن الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلاً. قال: صدقت. فعبنا له يسأله ويصدق له. فقال: فأخبرني عن الإيمان. قال: أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتؤمن بالقدر خيره

وشره. قال: صدقت. قال فأخبرني عن الاحسان. قال: أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك. قال: فأخبرني عن الساعة. قال: ما المسئول عنها بأعلم من السائل. قال: فأخبرني عن أماراتها. قال: أن تلد الأمانة ربتها، وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان. ثم انطلق فلبث ملياً ثم قال: يا عمر أتدري من السائل؟ قلت: الله ورسوله أعلم، قال فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم. رواه مسلم،

ترجمہ: امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اس مجلس میں ایک شخص نمودار ہوا، جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے، اس جسم پر سفر کی علامات موجود نہ تھیں اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا، حتیٰ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گیا (وہ اس طرح کہ) اپنے دونوں گھٹنے عیسیٰ اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ جوڑ دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے، اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کی بابت خبر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ کوئی معبود حق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر طاقت ہو۔

اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی اس کے جواب کی تصدیق کر رہا ہے۔

پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کی بابت خبر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ، نیز تقدیر پر بھی ایمان لاؤ، خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔

اس نے (پھر) کہا: آپ نے سچ فرمایا، پھر اس نے احسان کے بارے میں سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (احسان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے، پھر اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے (یعنی کب قائم ہوگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے بارے میں مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے، تب اس نے کہا: مجھے قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے، فرمایا: ایک نشانی تو یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، انتہائی فقیروں اور بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو گے کہ وہ بڑی بڑی بلندگوں میں فخر کرنے والے ہونگے، پھر وہ شخص چلا گیا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبریل امین تھے، جو تمہارے پاس، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

فرمایا: آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور آپ کا عذاب سے ڈرانا، اس پر موقوف نہیں ہے کہ آپ کو قیامت کے وقوع کا علم ہو، باقی رہا یہ اعتراض کہ اس آیت میں فرمایا ہے: آپ اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے حالانکہ آپ سب کو ڈرانے والے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ واقع میں سب کو ڈرانے والے ہیں اور قیامت سے ڈرنے والوں کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ وہی لوگ آپ کے ڈرانے سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

فرمایا : گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے تھے یا دن کے اول حصے میں۔

كَانَ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبِسُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (الاحقاف: ١٧)

خلاصہ یہ ہے کہ جس عذاب کا کافروں نے انکار کیا تھا جب ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو ان کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ ہمیشہ سے اس عذاب میں رہے ہیں اور دنیا میں تو انھوں نے صرف دن کا تھوڑا سا وقت گزارا تھا۔

تزیینات و تحقیق صرفی؛

یٰۤاَکُوْنُکَ (یٰۤاَکُوْنُ - ک) یٰۤاَکُوْنُ، فعل مضارع جمع مذکر غائب سائل، مصدر سؤاگاہ، سوال کرنا، پوچھنا، وہ سوال کرتے ہیں، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ سے (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں) عَنِ الشَّاعِرِ (عَنِ - الشَّاعِرِ) عَنْ، حرف جار، کے بارے میں، الشَّاعِرِ، مجرور، قیامت (قیامت کے بارے میں) اٰتٰیَان - مَئِی، کے قریب المَئِیٰ اور کُسی شے کا وقت معلوم کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے (کب) بعض اس کی اصل، اَکٰی - اَوَاکِی، بمعنی کون سے وقت بتاتے ہیں، الف کو حذف کر کے واؤ کو یا کیا میا پھر یا کا یا میں اوعام کر دیا، اٰتٰیَان، ہو گیا۔ مُزَلِّیْمَا (مُزَلِّی - ہا) مُزَلِّی، مضاف، مصدر میسی، واقع ہونا ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا (اس کا واقع ہونا) فَعَمَ (فَعَمَ - م) فَعَمَ، حرف جار، بمعنی، تعلق، م، مجرور، اصل میں، ہا، ہے، الف حذف ہے، استفہامیہ، کیا، کس (کیا تعلق) اَنْتَ، ضمیر واحد مذکر حاضر (آپ کا) مِّنْ دَکْزٰی (مِّنْ - دَکْزٰی) مِّنْ، حرف جار، سے، دَکْزٰی، مجرور، مضاف، مصدر، ذکر کرنا، بیان کرنا، ذکر، کثرت ذکر کیلئے، دَکْزٰی، بولا جاتا ہے، ہا، مضاف دَکْزٰی (ہا) مِّنْ، حرف جار، سے، دَکْزٰی، مجرور، مضاف، مصدر، ذکر کرنا، بیان کرنا، ذکر، کثرت ذکر کیلئے، دَکْزٰی، بولا جاتا ہے، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے (اس کے بیان کرنے سے) اِلٰی رَبِّکَ (اِلٰی - رَبِّکَ - ک) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی طرف) مَکْتَلٰی (ہا) مَکْتَلٰی، مضاف، اِنْتِہَا، سے مصدر میسی اور اسم ظرف مکان، اُخْرٰی پَنچنا، اِنْتِہَا، اُخْرٰی حد، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، اَلشَّاعِرِ، ہے (اس کی اِنْتِہَا) اِنْتِہَا، اِنْتِہَا، حرف مشبہ بالفعل، ہا، کافہ، حصر کیلئے (بے شک، صرف) اَنْتَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر حاضر (آپ) مُنْذَرٌ - اِنْتِہَا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (ڈرانے والا) مِّنْ، اسم موصول (اسے جو) مَکْتَلٰی (ہا) مَکْتَلٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب مَکْتَلٰی، مصدر خُطِیْمٌ، ڈرنا، وہ ڈرتا

ہے، ہاء ضمیر واحد مؤنث غائب، اس ضمیر کا مرجع، اَنشَاہُ، ہے (وہ اس سے ڈرتا ہے) کَاثِمٌ (کَاثَمٌ - کَاثَمٌ) کَاثَمٌ، حرف مشبہ بالفعل تشبیہ کیلئے، گویا کہ، ہُم، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (گویا کہ وہ یوم، اسم ظرف زمان (جس دن) یَزُونَا (یَزُونُ - ہَا) یَزُونُ، فعل مضارع جمع مذکر غائب رَایَ یَرِی، مصدر زَوَّیْتُ، دیکھنا، وہ دیکھیں گے، ہاء ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع، اَنشَاہُ، ہے، (وہ اسے دیکھیں گے) لَمْ یَلْبِثُوا، فعل مضارع منفی جہد بلم جمع مذکر غائب یَلْبِثُ، مصدر لَبِثَا، ٹھہرنا، قیام کرنا (وہ نہیں ٹھہرے) اِنَّ، حرف استثنا (مگر) عَیْشَہُ (ایک شام) جمع، عَیْا، اور، عَیْشَاتُہُ، اُو، حرف عطف (یا) ضَلِیْنَا (ضَلِیْنَا - ہَا) ضَلِیْنَا، مضاف، دن پڑھے، صبح، وہ وقت جب دھوپ پڑھ جائے ہاء مضاف الیہ ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، اَلدُّنْیَا، ہے (اس کی صبح)

(الحمد للہ سورہ نازعات مکمل ہو گئی)

[سورۃ عبس]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۱۰

عَبَسَ وَتَوَلَّى (۱) اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی (۲) وَمَا يَنْدُبُكَ لَعَلَّہُ یُبْکِی (۳) اَوْ یَدَّکُرُ فَتَنْفَعُہُ الْاِیُّمٰی (۴) اَمْ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی (۵) فَاَذْنٰتُہُ تَصْدٰی (۶) وَمَا عَلٰیكَ الْاَلْبِیْ (۷) وَاَمَّا مَنِ جَاءَكَ یَسْعٰی (۸) وَهُوَ یَخْشٰی (۹) فَاَذْنٰتُہُ تَلْهٰی (۱۰)

ترجمہ:

اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔ (۱) اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا۔ (۲) اور تجھے کیا چیز معلوم کرواتی ہے شاید وہ پاکیزگی حاصل کر لے۔ (۳) یا نصیحت حاصل کرے تو وہ نصیحت اسے فائدہ دے۔ (۴) لیکن جو بے پروا ہو گیا۔ (۵) سو تو اس کے پیچھے پڑتا ہے۔ (۶) حالانکہ تجھ پر (کوئی ذمہ داری) نہیں کہ وہ پاک نہیں ہوتا۔ (۷) اور لیکن جو کوشش کرتا ہوا تیرے پاس آیا۔ (۸) اور وہ ڈر رہا ہے۔ (۹) تو تو اس سے بے توجہی کرتا ہے۔ (۱۰)

کوائف سورۃ:

اس سورۃ کا نام ہے سورت عبس۔ اس سورت کا پہلا لفظ ہی عبس ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے تینیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا چوبیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور بیالیس آیتیں ہیں۔ یہ پہلی سورت ہے جس کا ایک رکوع ہے۔ اس کے بعد جتنی سورتیں ہیں، ایک رکوع والی ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں قیامت اور احوال قیامت کا ذکر تھا، اور بعث بعد الموت کا مضمون بیان کرتے ہوئے آخر سورت میں

نجات و کامیابی کا یہ معیار بیان کیا گیا کہ وہ خشیت و تقویٰ، فکر آخرت اور نفس کو خواہشات سے روکنا ہے یہی انسان کی عزت و عظمت ہے اس کے برعکس غرور و تکبر اور سرکشی خدا کی نظر میں نہایت ہی بدترین اور ذلیل خصلت ہے تو اس سورت میں یہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ ملاطفت اور دلجوئی کا برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کے مقابلہ میں کسی بھی مصلحت سے دنیا دار اور مغرور و سرکش انسانوں کو ترجیح نہ دینی چاہیے،

شان نزول:

ترمذی، صحیح ابن حبان مستدرک حاکم تفسیر عبد الرزاق وغیرہ میں حضرت عائشہ اور حضرت انس (رض) سے جو روایتیں ہیں جن کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ حاصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ ابی بن خلف ایک مشرک کو ایک روز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ اسلام کی خوبی کی باتیں سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی نے آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قرآن شریف کی ایک آیت پوچھی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عبد اللہ بن ام مکتوم کا یہ قطع کلام ذرا شاق گزرا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تیوری چڑھائی۔ اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد سے جب عبد اللہ بن ام مکتوم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا کرتے تھے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی خاطر کیا کرتے تھے اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر خفا ہوا ہے بعض روایتوں میں بجائے ابی بن خلف کے ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کا نام جو اس قصہ میں ذکر کیا گیا ہے ان روایتوں کی سند صحیح نہیں ہے حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ مشہور نام تو ان کا عبد اللہ ہے لیکن بعض روایتوں میں ان کا نام عمر بن ام مکتوم آیا ہے غرض مکتوم ان کی ماں کا نام ہے۔ جہاد میں جاتے وقت تیرہ مرتبہ کے قریب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان عبد اللہ بن ام مکتوم کو خلیفہ بنا کر مدینہ چھوڑا ہے۔

تفسیر:

فرمایا: (رسول) چیں بہ جیں ہوئے اور انھوں نے منہ پھیرا۔ کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔
”جیں“ کا معنی:

امام راغب اصفہانی متوفی ۲۰۵ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

دل کی تنگی سے ماتھے پر بل آجانے کا نام ”عبوس“ ہے، سو اس کا معنی ہے: اس نے تیوری چڑھائی، وہ ترش رو ہوا، وہ جیں بہ جیں ہوا۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۱۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۱ھ)

امام ابو منصور ماتریدی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو حضرت ابن ام مکتوم کی دخل اندازی سے ناگواری ہوئی تھی، اس کا اگر تمام ردئے زمیں کے لوگوں کی نیکیوں کے ساتھ وزن کیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا، کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت کافر سرداروں کو نصیحت کر رہے تھے اور ان کو اسلام کی طرف راغب کر رہے تھے، اس موقع پر کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور ان کے اسلام لانے سے ان کی قوم کے بہت لوگوں کے اسلام لانے کی توقع تھی اور جب وہ لوگ اسلام لے آتے تو اسلام کی بہت زیادہ تقویت ہوتی اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بہت زیادہ اجر و ثواب ہوتا، اور جب حضرت عمر و ابن ام مکتوم کے درمیان میں سوال کرنے سے آپ کی وہ نصیحت منقطع ہو گئی تو جس اجر و ثواب کی آپ کو توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی، سو اس وجہ سے اس موقع پر آپ کا منقبض اور تنگ دل ہونا کوئی بعید چیز نہیں ہے، نیز آپ کے چہرے پر جو ناگواری کے تاثرات آئے اور ماتھے پر بل ظاہر ہوئے اور آپ نے پیٹھ موڑی، یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق مشاہدہ کرنے اور دیکھنے سے ہے، اور حضرت عمر و ابن ام مکتوم نابینا تھے، انھوں نے آپ کے یہ تاثرات نہیں دیکھے، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے ان سے سردمہری کا سلوک کیا، بلکہ آپ کافر سرداروں کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے متوجہ تھے اور اگر آپ ان سے بے رخی اختیار کرتے تو نہ صرف ان کے اسلام لانے کی توقع نہ رہتی بلکہ ان کی وجہ سے ان کی قوم کے اور دیگر لوگوں کے اسلام لانے کی توقع بھی ختم ہو جاتی اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کفار کو اسلام کی دعوت دیں خواہ اس کوشش میں ہماری جانیں چلی جائیں اور ہمارا تمام ماں خرچ ہو جائے اور اس کوشش میں اگر ہم کسی مسلمان کی طرف توجہ نہ کریں یا اس سے بے رخی برتیں تو اس عظیم مقصد کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور تبلیغ اسلام کے بلند پایہ کام کے مقابلہ میں کوئی قابل ملامت چیز نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز ۱ ص ۳۸۱، روح المعانی، جز ۳ ص ۹۶)

علامہ قرطبی کی طرف سے آپ کے عبوری چودھانے پر عتاب کی توجیہ:

اگر حضرت ابن ام مکتوم کو یہ علم ہوتا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سرداران قریش کو تبلیغ فرما رہے ہیں اور آپ کو ان کے اسلام کی توقع ہے اور پھر وہ آپ کی گفتگو میں مداخلت کرتے تو ان کا یہ فعل بے ادبی ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی آپ پر عتاب فرمایا تا کہ اہل صفہ (فقراء صحابہ) کے دل نہ ٹوٹ جائیں، یا اس لیے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مومن فقیر، کافر غنی سے بہتر ہے اور یہ کہ مومن کی رعایت کرنا کافر غنی سے زیادہ لائق ہے، خواہ کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حضرت ابن ام مکتوم پر اعتماد ہو کہ اگر آپ ان کی طرف توجہ نہ بھی کریں تو ان کو ملال نہیں ہوگا اور دوسری جانب کفر کے مجلس سے اٹھ کر چلے جانے کا خطرہ ہو جیسا کہ ایک موقع پر آپ کچھ صحابہ کو عطاء فرما رہے تھے اور جس کی حضرت سعد بن وقاص نے سفارش کی تھی اس کو عطاء نہیں فرمایا اور آخر میں یہ طور عذر فرمایا: میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ وہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس خوف سے کہ اللہ اس کو دوزخ میں منہ کے بل گرا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۲، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۵۱، ۱۰۵۲)

ابن زید نے کہا: نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابن ام مکتوم کے سوال پر اس لیے تیوری چڑھائی تھی اور ان سے اعراض کیا تھا کہ جو شخص حضرت ابن ام مکتوم کو لے کر آ رہا تھا، آپ نے اس کو اشارہ کیا تھا کہ وہ حضرت ابن ام مکتوم کو روکے، لیکن حضرت ابن ام مکتوم نے اس کو دھکا دیا اور انکار کیا اور کہا کہ وہ ضرور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مسئلہ معلوم کریں گے اور یہ ان کی طرف سے ایک قسم کا سخت رویہ تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ”عَبَسَ وَتَوَلَّى -“ (عبس ۱:) انھوں نے تیوری چڑھائی، اور منہ پھیرا اور غائب کے صیغہ سے کلام فرمایا اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا: آپ نے تیوری چڑھائی اور آپ نے منہ پھیرا، پھر آپ سے انس فرمانے کے لیے بالمشافہ فرمایا:

وَمَا يَنْدُبُكَ لَعَلَّهٖ يَكْفِي - (عبس ۲)

آپ کو کیا پتہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔

یعنی حضرت ابن ام مکتوم جو آپ سے قرآن اور دین کی تعلیم کا سوال کر رہے تھے، وہ اس تعلیم پر عمل کرتے اور دین میں زیادہ تقویٰ اور پاکیزگی حاصل کرتے اور ان سے ناواقفیت کی ظلمت زائل ہو جاتی، اور ایک قول یہ ہے کہ ”لعله“ کی ضمیر کافر کی لوف لوٹ رہی ہے، یعنی آپ جن کافروں کے اسلام قبول کرنے کی خواہش کر رہے ہیں، آپ کو کیا پتہ کہ آپ کی تبلیغ کا ان پر اثر ہوگا اور وہ پاکیزگی حاصل کر لیں گے۔ (اجامع الاحکام القرآن جز ۹ ص ۴۸۱-۴۸۲)

علامہ اسماعیل حنفی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے کی توجیہ:

علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۷۳۱ھ لکھتے ہیں:

آپ کا تیوری چڑھانا برحق تھا لیکن آپ کے اس فعل سے یہ وہم ہوتا تھا کہ آپ اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرتے ہیں اور فقراء کی دل آزاری کی کوئی پروا نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا اور اس پر متنبہ کیا کہ آپ کا یہ فعل منصب نبوت کے شایان شان نہیں ہے اور آپ کا یہ فعل ترک اولیٰ اور ترک افضل کے قبیل سے ہے۔ (روح البیان ج ۱ ص ۱)

”عتاب“ کے معنی کی تحقیق:

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۱۱۷ھ لکھتے ہیں:

”عتاب“ کا معنی ہر شخص کے لیے اس کے مرتبہ اور منصب کے اعتبار سے کیا جائے گا، عام لوگوں کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے کسی غلط یا برے کام پر ان کو ملامت کرنا اور انبیاء (علیہم السلام) کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے کسی خلاف اولیٰ کام پر لطف و محبت سے ان کو متنبہ فرمنا گویا یوں کہنا: آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، یہ کام آپ کے شایان شان نہیں ہے۔

حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنے کی وجہ سے آپ پر عتاب کرنے کی آیات:

فرمایا: آپ کو کیا پتہ کہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔

جب اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام میں ”لعل“ (شاید) کا لفظ آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے: واجب ہے۔ اس آیت میں ”یزکی“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ”تیرکی“ یعنی وہ آپ کی تعلیم پر عمل کر کے پاکیزگی حاصل کرتا۔

فرمایا: یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی۔

یعنی آپ اس کو نصیحت کرتے اور وہ آپ کی نصیحت پر عمل کرتا تو اس کو فائدہ ہوتا۔ فرمایا: اور جس نے بے پرواہی برتی تو آپ اس کے درپے ہیں۔

یعنی آپ اللہ کی طرف سے جو دین لے کر آئے ہیں وہ اس کو چھوڑ کر اس طریقہ کو اختیار کر رہا ہے جو شیطان نے اس کے لیے مزین کر دیا ہے یا ”استغنی“ کا معنی ہے: مال و دولت سے غنی ہونا کیونکہ آپ جن کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ سب اصحاب ثروت اور مال دار لوگ تھے اور آپ کو توقع تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کو اتباع میں بہت لوگ اسلام قبول کر لیں گے، آپ ان کے درپے ہیں، اس کا معنی ہے: آپ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

فرمایا: اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

یعنی آپ کا کام تو صرف نصیحت کرنا ہے، اگر یہ سرداران قریش آپ کی نصیحت قبول نہ کریں، آپ سے اعراض کریں اور آپ سے عداوت رکھیں تو آپ کو ان سے ضرر نہیں پہنچے گا بلکہ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا اور آپ سے ان کے شر کو دور کرے گا۔ فرمایا: اور رہا ہو جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے۔ اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔

ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص محض اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے۔

فرمایا: تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

جب مذکورہ دس آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے، پھر بعد کی آیت سے آپ کو اطمینان ہوا۔ اس آیت میں ”تلھی“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ایک سے اعراض کر کے دوسرے کے ساتھ مشغول ہونا۔

آپ کو جو یہ خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے، آپ کو خیال ہوا کہ میرا مومن سے پیٹھ پھیرنا شاید اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے، بعد کی آیات سے آپ کو تسلی ہوئی، پھر آپ کا یہ خوف زائل ہو گیا اور آپ کو اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض نہیں ہوا۔ (تبیان القرآن)

ترجیب غوی و تحقیق مرئی:

تفسیر:

قرآن مجید کا پاکیزہ فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہوتا،

فرمایا: بیشک یہ قرآن نصیحت ہے۔

”کلا“ حرف زجر ہے، اس کا معنی ہے: جس پر عتاب کیا گیا ہے وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے جو مستوجب عتاب ہو، حسن بصری نے کہا: جب حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ان آیات کو پڑھا تو آپ بہت متاسف ہوئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ سے غم کی کیفیت دور ہو گئی، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آپ کا حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنا صرف ترک اولیٰ تھا۔

اس سے پہلی سورتوں کے ساتھ اس آیت کے اتصال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی طرف یہ وحی کی ہے کہ آپ کافر دنیا داروں کو مؤخر کریں اور مسلمان فقراء کو مقدم رکھیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نصیحت ہے، آپ پر مواخذہ یا گرفت نہیں ہے، اسلام پوری طرح واضح ہو چکا ہے خواہ کوئی دنیا دار اس کو قبول کرے یا نہ کرے، سو آپ کو ان کی طرف زیادہ التفات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمایا: سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ یہ عزت والے صحیفوں میں ہے۔ جو بلندی والے پاکیزہ ہیں۔

قرآن مجید واضح نصیحت ہے، سو جو لوگ اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہیں اور اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیں تو ان کے لیے یہ کام بہت آسان ہے، یہ نصیحت صحائف میں مذکور ہے یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، وہ لوح اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت یافتہ ہے اور ساتویں آسمان کی بلند جگہ پر ہے اور اس لوح کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا اور شیاطین کے ناپاک ہاتھوں کی مس سے وہ محفوظ ہے۔

فرمایا: اور ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے۔ جو عزت والے نیک ہیں۔

سفرۃ اور کرام کا معنی اور فرشتوں کا ماجت کے وقت انسان سے دور رہنا:

اس آیت میں ”سفرۃ“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کاتبین لکھنے والے ”سفر“ کا اصل معنی ہے: کشف اور بیان، مسافر کو اس لیے مسافر کہتے ہیں کہ سفر کے ذریعہ اس پر دنیا علاقہ اور نئے لوگ متکشف ہو جاتے ہیں، اسی طرح کسی چیز کو لکھ کر متکشف اور واضح کر دیا جاتا ہے، ”سفرۃ“ سے مراد یہاں پر ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام رسولوں تک پہنچاتے ہیں، اسی طرح ملائکہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان واسطہ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کا علم بندوں تک پہنچانے کے ذرائع ہیں۔

دوسری آیت میں ”برۃ“ کا لفظ ہے، یہ ”بار“ کی جمع ہے، ”بار“ کا معنی ہے: نیکی کرنے والا، جیسے ”کافر“ کی جمع ”کفرۃ“ اور ”فاجر“ کی جمع ”فجرۃ“ ہے۔

اور ”سفرۃ کرام“ سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کے قاری ہیں۔ قفل نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: ان صحائف کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا۔ سفیر رسول کو، اور قوم کے درمیان صلح کرانے والے کو کہتے ہیں، حدیث صحیح میں ہے: حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے اور وہ حافظ ہو، وہ ”السفرۃ الکرام البررة“ (نیک پاکیزہ فرشتوں) کے ساتھ ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۳۹۴، صحیح مسلم رقم الحدیث ۸۹۷) :

اس آیت میں ”کرام“ کا لفظ ہے یعنی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں، حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھتے ہیں، الضحاک نے حضرت ابن عباس (رض) سے کرام کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ فرشتے اس بات سے مکرم ہیں کہ وہ ابن آدم کے ساتھ اس وقت ہوں جب وہ اپنی بیوی سے خلوت کرتا ہے، یا بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرتا ہے۔ (لجام الاحکام القرآن جز ۹۱ ص ۶۸۱)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

کَلَّمَ، حرف ردع و زجر (امر کر نہیں) اِنَّمَا (اِنَّ-ہا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، وہ، ضمیر کا مرجع، القرآن، ہے تائید خبر (مذکر کر) کے اعتبار سے ہے (بے شک یہ) مَذْكُورٌ۔ اِنَّ، کی خبر، مرفوع، مصدر ہے (یاد دہانی، نصیحت) فَمَنْ (ف-مَنْ) ف، حرف عطف، تو، مَنْ، شرطیہ موصولہ، جو (تو جو) شَاءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب شَاءَ، مصدر مشیئہ، چاہنا، ارادہ کرنا، مَنْ، شرطیہ کی وجہ سے ترجمہ (وہ چاہے) ذَكَرَهُ (ذکر-ہ) ذَكَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب ذَكَرَ، مصدر وُذِّعَ، یاد کرنا، نصیحت حاصل کرنا، وہ نصیحت حاصل کر لے، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع القرآن ہے (وہ اس سے نصیحت حاصل کر لے) اِنِّیْ مُصَنِّفٌ مَّحْمُودٌ۔ فِی، حرف جار، میں، مُصَنِّفٌ، مجرور، موصوف، صحیفوں، واحد، مَصْنُوعٌ، مَکْرُمٌ، صفت، مَکْرُمٌ، مصدر سے اسم مفعول، عزت والے، معزز (عزت والے صحیفوں میں ہے) فَرَفَعَهُ۔ رَفَعَ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (بلند مرتبہ، بلند کیا ہوا) مَطْمَئِنِّتٌ تَطْمِئِنُّ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (پاکیزہ، پاک کیا ہوا) دونوں ”صُحُفٌ“ کی صفات ہیں۔ بِأَيِّ سَفَرَةٍ (پ-ایدری-سَفَرَةٍ) پ، حرف جار، بمعنی، فِی، میں، بِأَيِّ، مجرور، مضاف، ہاتھوں، واحد، يَدٌ، سَفَرَةٌ، مضاف الیہ، سَفَرٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، لکھنے والے، واحد، سَاهِرٌ (لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں) کریم (باعزت، بزرگ، معزز) واحد، کَرِیْمٌ، بَرَرَةٌ (نیکی کار) دونوں ”سَفَرَةٌ“ کی صفات ہیں۔

آیت ۷۲ تا ۷۴

فَقِيلَ لِلْإِنْسَانِ مَا أَكْفَرُهُ (۷۲) وَمَنْ أَمَّا هُوَ خَلَقَهُ (۷۳) مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ (۷۴) ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (۷۵) ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ (۷۶) ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ (۷۷) كَلَّا لَبَّأْكَ يَغْفُصُ مَا أَمَرُهُ (۷۸) فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ (۷۹) أَكَلَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (۸۰) ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (۸۱) فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا (۸۲) وَعَبَبْنَا وَقُضْبًا (۸۳) وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا (۸۴) وَحَدَائِقَ غُلْبًا (۸۵) وَفَاكِهَةً وَأَبًّا (۸۶) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلَآئِنَّمَا لَكُمْ (۸۷)

ترجمہ:

مارا جائے انسان! وہ کس قدر ناشکر ہے۔ (۷۲) اس نے اے کس چیز سے پیدا کیا۔ (۱۸) ایک قطرے سے، اس نے

اسے پیدا کیا، پس اس کا اندازہ مقرر کیا۔ (۱۹) پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔ (۲۰) پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔ (۲۱) پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھائے گا۔ (۲۲) ہر گز نہیں، ابھی تک اس نے وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اس نے اسے حکم دیا۔ (۲۳) تو انسان کو لازم ہے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔ (۲۴) کہ بے شک ہم نے پانی برسیا، خوب برساتا۔ (۲۵) پھر ہم نے زمین کو پھاڑا، ایک عجیب طریقے سے پھاڑتا۔ (۲۶) پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۔ (۲۷) اور انگور اور ترکاری۔ (۲۸) اور زیتون اور کھجور کے درخت۔ (۲۹) اور گھنے باغات۔ (۳۰) اور پھل اور چارا۔ (۳۱) تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے زندگی کا سامان۔ (۳۲)

تفسیر:

فرمایا: (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ قریش کے کافر سردار اپنے آپ کو فقراء مسلمین سے بلند اور برتر سمجھتے تھے، ان آیات میں ان کے تکبر کا رد فرمایا ہے کہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے، یہ ابتداء میں نطفہ تھا، ناپاک پانی کا قطرہ اور آخر میں یہ بدبو دار ہو جائے گا۔

اس آیت میں ”قتل“ کا لفظ ہے، اس کا منی ہے: کافر انسان مار دیا جائے، یا اس کو عذاب دیا جائے یا اس کو ہلاک کر دیا جائے، ضحاک نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ابی لہب کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ ایمان لا چکا تھا اور جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو مرتد ہو گیا اور کہنے لگا: میں النجم کے سوا پورے قرآن پر ایمان لاتا ہوں تو اللہ عز وجل نے عتبہ بن ابی لہب کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی اور ”قتل الانسان“ سے مراد ہے: عتبہ پر لعنت کی جائے کہ اس نے قرآن کا انکار کیا ہے اور رسول اللہ نے اس کے خلاف یہ دعا کی: اللھم سلط علیہ کلک اسد الغاصرة اے اللہ! اس کے اوپر زرخیز زمین میں اپنے کتے کو مسلط کر دے جو پھاڑنے والے شیر کی طرح ہو۔ وہ فوراً شام کی طرف نکل گیا، جب زرخیز زمین میں پہنچا تو اس کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعایا دآئی، پھر ایک رات کو شیر آیا، اس نے عتبہ بن ابی لہب کا منہ سونگھا اور اس کے گلڑے گلڑے کر دیئے، اس کا باپ اس پر رونے لگا اور کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو بھی کہا وہ ہو کر رہا۔ (یہ روایت علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن جز ۹ ص ۷۸۱ میں درج کی ہے، اس سے ملتی جلتی ایک حدیث حاکم نے روایت کی ہے، وہ یہ ہے:)

نوفل بن ابی عقرب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لہب بن ابی لہب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برائی کیا کرتا تھا، ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے خلاف دعا کی: اے اللہ! اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کر دے، وہ شام جانے کے ارادہ سے ایک قافلہ کے ساتھ گیا، پھر ایک جگہ گیا، وہ کہنے لگا: مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعائے ڈر لگ رہا ہے، قافلہ والوں نے کہا: ہر گز نہیں! انھوں نے اس کا سامان اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے

بیٹھ گئے، پھر شیر آیا اور اس کو جھپٹ کر لے گیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۳ قدیم، المستدرک رقم الحدیث ۴۸۹۳: علامہ ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے)

فرمایا: اے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟

یہ استفہام تعجب ہے، یعنی یہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے، یہ سوچے کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

فرمایا: اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا۔

حسن بصری نے کہا: وہ شخص کیسے تکبر کرتا ہے جو دن میں کئی بار بول و براز کے لیے بیت الخلاء جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

أَكْفَرَتْ بِاللَّهِ خَلْقَكَ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا۔ (الکہف: ۴۱)

کیا تو اس ذات کا کفر کر رہا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تجھے مکمل مرد بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ انسان کو تخلیق کے کئی ادوار میں لاتا رہا، پہلے وہ نطفہ تھا، پھر وہ جما ہوا خون ہو گیا، پھر گوشت کا ٹکڑا بن گیا، پھر اس میں ہڈیاں پہنائیں، پھر اس میں روح پھونک دی۔

فرمایا: پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے: انسان کا اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنا آسان کر دیا، ماں کے پیٹ میں ولادت کے وقت مولود کا سر

نیچے اور اس کی ٹانگیں اوپر ہوتی ہیں اور تنگ راستہ سے زندہ مولود کا نکل آنا اللہ تعالیٰ کی نہایت عجیب قدرت کا ظہور ہے۔

(۲) ابو مسلم نے کہا: اس سے مراد ہے: ”وهدایہ النجیدین“ (البلد: ۱۰) ہم نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے

دکھا دیئے، یعنی انسان کو دنیا اور آخرت کی ہر چیز اور شر کے راستے دکھا دیئے ہیں اور اس کو یہ قدرت عطاء کر دی ہے کہ وہ

چاہے تو خیر کے راستے پر چلے اور چاہے تو شر کے راستے پر چلے اور خیر اور شر کی رہنمائی اس کے حواس، اس کی عقل، علماء،

انبیاء (علیہم السلام) اور آسمانی کتابیں اور صحائف کرتے ہیں۔

فرمایا: پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا۔ پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا۔

انسان کی تخلیق کا پہلا مرتبہ یہ تھا کہ اس کو نطفہ سے بہت درج مکمل انسان بنایا اور دوسرا مرتبہ یہ تھا کہ اس کے لیے اللہ تک پہنچنا

آسان کر دیا اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کی روح فیض کی اور اس کو قبر میں پہنچ دیا اور پھر قیامت کے دن اس کو میدان حشر میں

لاکھڑا کیا۔ انسان کی موت بھی اس کے لیے نعمت ہے کیونکہ موت کی وجہ سے اس کی جزاء کا دروازہ کھلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے

مومن کے نیک اعمال پر جو نعمتیں مقدر کی ہیں ان کے حصول کا وقت آتا ہے، اور اس کے قبر میں دفن ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ

کی نعمتیں ہیں کیونکہ اگر وہ دفن نہ ہوتا تو درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے اور زمیں پر اس کے اعضاء بکھرے ہوئے

ہوتے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس کو میدان حشر میں لے آئے گا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حشر کا وقت معین اور

معلوم نہیں ہے، جس طرح انسان کو اس کی موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔

فرمایا: بیشک اس نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا۔

اس آیت کے شروع میں ”کلا“ کا لفظ ہے، اور یہ لفظ زجر اور ڈانٹنے کے لیے آیا ہے اور کسی کام سے روکنے اور ہٹانے کے لیے آتا ہے، پس اس لفظ سے کافر انسان کو اس کے تکبر سے اس کے کفر سے اور توحید کے انکار پر اصرار سے رد کا گیا ہے کہ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا اور اپنے کفر اور تکبر سے ابھی تک باز نہیں آیا۔

فرمایا: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل خارجیہ:

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں یہ اسلوب ہے کہ وہ دو قسم کے دلائل ذکر فرماتا ہے، ایک وہ دلائل جو انسان کے اپنے نفس میں ہیں اور دوسرے وہ دلائل جو انسان کے نفس سے باہر آفاق میں ہیں تاکہ انسان اپنے اندر غور کرے تو اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع کر لے اور اپنے باہر غور کرے تو اللہ کی فرمان برداری کی طرف پلٹ آئے، سو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے طعام کی طرف متوجہ کیا، اس کا طعام زمین کی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تخلیق سے حاصل ہوتی ہے، پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود اس کی اپنی تخلیق کی طرف متوجہ فرمایا، یہ دلائل نفسیہ تھے، اب اس کو طعام کی طرف متوجہ فرمایا ہے، یہ دلائل آفاق ہیں۔

فرمایا: ہم نے خوب پانی بہایا۔

اس سے مراد ہے: ہم نے آسمان سے بارش نازل فرمائی۔

فرمایا: پھر ہم نے زمین کو شق کیا۔

یعنی ہم نے زمین کو اس قابل بنایا کہ اس میں ہل چلایا جاسکے اور کاشت کاری کی جاسکے، اگر وہ زمین بہت سخت اور پتھریلی ہوتی تو اس میں کسی چیز کی کاشت نہ ہو سکتی۔

فرمایا: سو اس میں غلہ اگایا۔

اس سے مراد گندم، جو، مکئی، باجرہ وغیرہ ہیں اور مختلف قسم کی دالیں اور چاول جن سے غذا حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا: اور انگور اور سبزی۔ غلہ کے بعد انگور کا ذکر کیا، کیونکہ انسان کھانے کے بعد پھل کھاتا ہے، اس کے بعد ”قضباً“ کا لفظ ہے، اس کا معنی کھیرا ہے یا عام سبزی۔

فرمایا: اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے باغات۔ زیتون کے پھل کے بہت فوائد ہیں، زیتون کا پھل کھایا بھی جاتا ہے اور اس کا تیل بھی نکالا جاتا ہے، زیتون کا تیل بہت مقوی ہوتا ہے، اس میں کولیسٹرول بالکل نہیں ہوتا اور اس کو کھانے سے بدن اور اعصاب میں بہت قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح کھجور میں بھی بہت غذائیت اور بہت قوت ہے۔

فرمایا: اور گھنے باغات۔

”حدائق“ ”حقیقتہ“ کی جمع ہے، ”حقیقتہ“ اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو، ”غلب“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی گردن موٹی ہو اور اس سے مراد وہ باغ ہیں جن میں بہت گھنے درخت ہوں۔

فرمایا: اور میوے اور (مویٹوں کا) چارہ۔ تمہیں اور تمہارے مویٹوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔

اس آیت میں ”فاکھتہ“ کا عطف ”عنب“ پر ہے، اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور اور کھجور اور زیتون ”فاکھتہ“ یعنی میوؤں میں داخل نہیں ہیں کیونکہ عطف تغیر کو چاہتا ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ ”فاکھتہ“ سے مراد خشک پھل ہوں جیسے پستہ، بادام اور اخروٹ وغیرہ۔ ”ابا“ کا معنی ہے: چراگاہ اور چارہ انسان کے جانوروں کی غذا ہے، یہ آیات اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل ہیں کیونکہ ان چیزوں کی پیدائش طرز واحد پر ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا واحد ہے، نیز جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں، وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کر دے، اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے انسان پر انعام اور احسان کیا ہے تو انسان پر لازم ہے کہ وہ اس کو خالق اور واحد مستحق عبادت مانے اور اس کے سامنے سرکشی نہ کرے اور تکبر اور کفر نہ کرے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

فَعِلٌ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب یَفْعَلُ، مصدر فَعَلَ، قُل کرنا، مارنا، ہلاک ہونا (ہلاک ہو جائے، مارا جائے) یہ اللہ کی طرف سے انسان کیلئے بدعا ہے، الْإِنْسَانُ (انسان) یا استفہامیہ توہمینی (کیسا) أَنْفَرَهُ (أَنْفَرُ - ۱) أَنْفَر - سُفْراً، مصدر سے اسم تفعیل، نَاشَرَا، ۱، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (وہ ناشرا) مَرِنَ اِثْنِیْ شَاءَ - مَرِنَ، حرف جار، سے، اِثْنِیْ، مجرور، مضاف، اسم استفہام، کس، شَاءَ، مضاف الیہ، حِز (کس چیز سے) خَلَقَهُ (خَلَقَ - ۲) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَخْلُقُ، مصدر خَلَقَ، پیدا کرنا، اس نے پیدا کیا، ۲، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، ضمیر کامرَج، الْإِنْسَانِ، ہے (اس نے اسے پیدا کیا) مَرِنَ نَظْفَہ - مَرِنَ، حرف جار، سے، نَظْفَہ، مجرور، نطفہ (نطفہ سے) خَلَقَهُ فَکَذَرَهُ، ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اَلْبَیْطِلَ (راستہ) یَنْشُرُهُ (یَنْشُرُ - ۳) یَنْشُرُ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَنْشُرُ، مصدر یَنْشُرُ، آسان کرنا، اس نے آسان کر دیا، ۳، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس نے اس کا آسان کر دیا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) لَآتَتْ (لَآتَتْ - ۴) لَآتَتْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَلِیْتُ، مصدر لَآتَتْ، مارنا، موت دینا، اس نے موت دی، ۴، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (اس نے اسے موت دی) فَالْجَزْرَ (فَ - ۵) الْجَزْرَ، حرف عطف، پھر، الْجَزْرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَجْزِرُ، مصدر اِجْزَا، قبر میں سے جانا، وہ قبر میں لے گیا، ۵، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے قبر میں لے گیا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اِذَا، اسم ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) شَاءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَشَاءُ یَخْتَارُ، مصدر یَخْتَارُ، چاہنا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ (وہ چاہے گا) اَنْشَرَهُ (اَنْشَرُ - ۶) اَنْشَرُ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَنْشُرُ، مصدر اَنْشَرَا، زندہ کرنا، اِذَا کرنا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ، وہ اٹھا کھڑا کرے گا، ۶، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے اٹھا کھڑا کرے گا) ثُمَّ، حرف روع و زجر (ہرگز نہیں) لَمَّا یَنْفَضِ - لَمَّا، حرف نفی جازم ہے، لَمَّا کی طرح فعل مضارع پر داخل ہو کر اس کو جزم دیتا ہے اور فعل مضارع کو فعل ماضی حقیقی کے معنی میں کر دیتا ہے، لَمَّا یَنْفَضِ، فعل مضارع منفی مجزوم لَمَّا واحد مذکر غائب، یہ اصل میں یَنْفَضِ، تھا، لَمَّا کی وجہ سے، یا، حذف ہو گئی، یَنْفَضِ،

ہو گیا، قُضِيَ، مصدر قَضَاء، فیصلہ کرنا، پورا کرنا (ابھی تک اس نے پورا نہیں کیا)، اسم موصول (جو) اَمَرَ (اَمَرَ - اَمَرَ)، فعل ماضی واحد مذکر غائب، مصدر اَمَرَ، حکم دینا، اس نے حکم دیا، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (اس نے اسے حکم دیا) قَلْبَنَظَرَ (ف - ل - ن - يَنْظُر) ف، حرف عطف، تو، ل، لام امر جازم، چاہیے کہ یَنْظُر، فعل مضارع واحد مذکر غائب نَظَرَ يَنْظُر، مصدر نَظَرَ، دیکھنا، وہ دیکھے (تو چاہیے کہ وہ دیکھے) اَلْاِنْسَانُ (انسان) اِلَى طَعَامٍ (اِلَى - طَعَام - م) اِلَى، حرف جار، کی طرف، طَعَام، مجرور، مضاف، کھانے، م، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے کھانے کی طرف) اَنَا (اَنْ - اَنْ)، حرف مشبہ بالفعل، کہ بے شک، نا، ضمیر جمع متکلم، ہم (کہ بے شک ہم) صَبَيْتَا، فعل ماضی جمع متکلم صَبَّ يَصُبُّ، مصدر صَبَّ، اُتِيتَا، برسانا (ہم نے برسایا) اَلْمَاءَ (پانی) صَبَّ، مصدر بطور مبالغہ استعمال ہوا ہے (خوب برسانا) قُمْ، حرف عطف (پھر) شَقَّيْنَا، فعل ماضی جمع متکلم شَقَّ شَقَّ شَقَّ، مصدر شَقَّ، جدا کرنا، پھاڑنا (ہم نے پھاڑا) اَلْاَرْضَ (زمین) شَقَّ، مصدر، مفعول مطلق (اچھی طرح پھاڑنا) اَنْبَتْنَا (ف - اَنْبَتْنَا)، حرف عطف، پھر، اَنْبَتْنَا، فعل ماضی جمع متکلم اَنْبَتَ يَنْبِتُ، مصدر اَنْبَتَا، اگانا، ہم نے اگایا (پھر ہم نے اگایا) فَبَيْنَا (ف - بَا - فَيْنَا)، حرف جار، میں، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کار جمع، اَنْزَلْنَا، ہے (اس میں) سَجَا (دانہ، غلہ، اناج) وَ، حرف عطف (اور) سَجَا (انگور) جَعَّ، اَعْتَابَ، وَ، حرف عطف (اور) قَسَبْنَا (کھیر، ترکری) وَ، حرف عطف (اور) اَنْزَلْنَا (زیتون) وَ، حرف عطف (اور) نَعَّمَا، اسم جنس نکرہ (کھجوریں، کھجور کے درخت) وَ، حرف عطف (اور) خَدَّيْكَ (باغات) واحد، خَدَّيْكَ غُلْبَا، مؤنث گردن والی، مراد باغ جس میں کثرت سے درخت ہوں (گھنے درختوں والے) واحد، اَنْزَلْنَا، حرف عطف (اور) فَاَكْبَرْنَا (پھل، مہوہ) وَ، حرف عطف (اور) اَنْبَا، جانوروں کے کھانے کا چارہ، مثلاً، اسم مفرد، خانگی سامان، زندگی کا سامان، کام کی چیز، فائدہ پہنچانے کیلئے، فائدہ (ل - کُم - ل - کُم)، حرف جار، لیے، کُم، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے لیے) وَ، حرف عطف (اور) بَاثِقَا کُم (ل - اَنْعَام - کُم)، حرف جار، لیے، اَنْعَام، مجرور، مضاف، مویشیوں، کُم، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے مویشیوں کیلئے)

آیت ۳۳ تا ۴۲

فَاِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ (۳۳) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ (۳۴) وَاَقْرَبُوْا وَاٰبِيْهِ (۳۵) وَصَاحِبَتُوْهُ وَاٰبِيْهِ (۳۶) لِكُلِّ اِمْرَاٍ مِنْهُمْ يَوْمَ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيْهِ (۳۷) وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (۳۸) صَاحِبَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (۳۹) وَوُجُوْهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْنَا غَبْرَةٌ (۴۰) تَرَاهُمْ قَاغِرَةٌ (۴۱) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ (۴۲)

ترجمہ:

پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آجائے گی۔ (۳۳) جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ (۳۴) اور اپنی ماں اور اپنے باپ (سے)۔ (۳۵) اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (۳۶) اس دن ان میں سے ہر شخص کی ایک ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پروا بنا دے گی۔ (۳۷) کچھ چہرے اس دن روشن ہوں گے۔ (۳۸) ہنستے ہوئے، بہت خوش۔ (۳۹) اور کچھ چہرے، اس دن ان پر ایک غبار ہوگا۔ (۴۰) ان کو سایہ ڈھانپتی ہوگی۔ (۴۱) یہی ہیں جو کافر ہیں، نافرمان ہیں۔ (۴۲)

تفسیر:

فرمایا: پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آجائے گی۔

”صاحۃ“ کا معنی ہے :

اس قدر شدید آواز جو کانوں کو بہرا کر دے، اور اس سے مراد دوسرا صور پھونکتا ہے جس کی ہیبت ناک آواز سن کر تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلی آیات میں انسان کے مرنے اور اس کے دفن ہونے کا ذکر فرمایا تھا، اور قبر میں مدفون ہونے کے بعد دوسرے صور کی آواز سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور پھر حشر برپا ہوگا فرمایا: اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے بیٹوں سے۔

فرار کا معنی:

ہو سکتا ہے کہ بھاگنے سے اس کا ظاہری معنی مراد ہو، یعنی ایک دوسرے کے مطالبہ سے پیچھا چھڑانا اور اس سے دور ہونا، مثلاً ایک شخص اپنے بھائی سے کہے گا: تم نے میرے مال کو انصاف سے خرچ نہیں کیا اور ماں باپ کہیں گے: تم نے ہمارے ساتھ نیکی کرنے میں کوتاہی کی اور بیوی کہے گی: تم نے مجھے حرام ملا کھایا، بیٹے کہیں گے: تم نے ہم کو تعلیم نہیں دی اور ہماری تربیت نہیں کی۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا وہ قابل ہوگا جو بائبل سے بھاگے گا اور جو شخص اپنی بیوی سے بھاگے گا وہ حضرت نوح اور حضرت لوط ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرار سے مراد دور جانا نہ ہو بلکہ اس سے مراد نصرت اور حمایت نہ کرنا ہو اور بے زار ہونا مراد ہو، جیسے یہ آیات ہیں:

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا (البقرة: ۱۳۶)

جن کافر سرداروں کی پیروی کی گئی تھی وہ ان سے بے زار ہو جائیں گے جنہوں نے پیروی کی تھی۔

يَوْمَ لَعْنَةُ الْمُؤْمِنِ عَنْ مُؤْمِلَى شَيْخٍ (الدخان: ۱۴) اس دن کوئی دوست کسی دوست کے بالکل کام نہیں آئے گا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

قیامت کے دن نفسی نفسی کی وجہ یہ ہوگی کہ جتنے ہر ایک کے دوسرے پر حقوق ہوں گے، ان کا مکمل طور پر ادا کرنا ممکن نہیں ہوگا تو قرابت داروں کو اس دن یہ خوف ہوگا کہ حقوق میں تقصیر کی وجہ سے ان پر گرفت کی جائے گی، اس وجہ سے وہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے اور ان میں سے ہر ایک اس وجہ سے بھاگے گا کہ اس کے اوپر اپنے قرابت داروں کا بوجھ نہ ڈال دیا جائے، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے:

وَأَنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جَلِيلِهَا لَا يُجْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ط (فاطر: ۸۱)

اگر کوئی بوجھل شخص اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو بلائے گا تو اس کا بوجھ بالکل نہیں اٹھایا جائے گا خواہ وہ قرابت دار ہو۔ قرابت دار دنیا میں ایک دوسرے کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے سے تعاون نہیں کریں گے بلکہ بھاگیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیر بحث آیت کفار کے متعلق ہو۔ رہے مسلمان تو ہو سکتا ہے کہ ان کے درمیان قرابت کے حقوق برقرار رہیں، جیسا کہ مسلمان دوستوں کے درمیان محبت باقی رہے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ۔ (الزحرف: ۴۱)

تمام دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے۔

اور اگر زیر بحث آیت مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ متعلق ہو تو ہو سکتا ہے کہ قیامت کے بعض احوال ایسے ہوں جن میں مسلمان قرابت دار ایک دوسرے سے بھاگیں گے، یہی نفسی نفسی کا موقع ہوگا، پھر جب انھیں امن ہو جائے گا اور ان کے پاس اجازت شفاعت کی بشارت آجائے گی تو وہ شفاعت کریں گے، ایک دوسرے کا حال معلوم کریں گے اور ایک دوسرے سے نہیں بھاگیں گے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۷۸۳، مؤسسۃ الرسالۃ، ناشرین، ۵۲۴ھ)

فرمایا: اس دن دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی، جو اس کو دوسروں سے بے پروا کر دے گی۔

اس آیت میں اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ کیوں کوئی شخص اپنے بھائی سے اور کوئی شخص اپنے بیٹوں سے بھاگے گا کیونکہ اس دن ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی، یعنی اس کا دل و دماغ صرف اپنے تفکرات سے بھرا ہوا ہوگا اور اس میں کسی اور کی گنجائش نہیں ہوگی اور وہ اس شخص کے مشابہ ہوگا جس کے پاس بہت غلام ہوں اور وہ مزید کسی غلام کو رکھنے کی گنجائش نہ رکھتا ہو۔

فرمایا: اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے۔ مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش۔

مؤمنوں اور کافروں کے چہروں کی آخرت میں کیفیات:

اس آیت میں ”مسفرۃ“ کا لفظ ہے۔ ”اسفار“ اس وقت کو کہتے ہیں جب صبح روشن ہو جائے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جو شخص رات کو بہت نمر ز پڑھتا ہے صبح اس کا چہرہ روشن اور حسین ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن دنیا سے منقطع ہو کر جب عالم قدس سے واصل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت اور رضا اس پر سایہ فگن ہوتی ہے، یعنی جس وقت میزان کے وزن اور حساب سے فارغ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت اور سرفرازی سے بہت خوش ہوتا ہے تو اس وقت کی اس کی خوشی کو ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔

فرمایا: اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے۔ ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔ وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔

غبار کا معنی ظاہر ہے جیسے انسان پر سفر میں گرد و غبار چھا جاتا ہے، اور ان آیات میں ترہق ”کا لفظ ہے، معنی ہے: کسی چیز کا جلدی سے عارض ہونا، کسی چیز کا دوسری چیز پر زبردستی چھا جانا، ”قترۃ“ کا معنی ہے: دھوئیں کی سیاہی، اللہ تعالیٰ کفار کے چہروں میں سیاہی اور غبار کو جمع فرمائے دے گا جیسا کہ انھوں نے اپنے اندر دنیا میں کفر اور برے اعمال کو جمع کر لیا تھا۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

فَإِذَا (اِذَا) فَ، حرف عطف، پھر، إِذَا، اسم ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، جب، (پھر جب) جَاءَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائبہ سنجی، مصدر مَحْجَی، آنا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ آجائے گی) الْفَاصَّةُ۔ صحف، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، وہ شور جس میں قیامت برپا ہوگی، وہ شور کالوں کو بہرہ کر دے گا (کالوں کو بہرہ کرنے والی) یَوْمَ، ظرف زمان (اس دن) یُکْرَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قر

ترجمہ:

جب سورج لپیٹ میں آجائے گا (۱) اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے (۲) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے (۳) اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی (۴) اور جب وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں گے (۵) اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے (۶) اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی (۷) جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔ (۸) کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی (۹) جب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں گے (۱۰) اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی (۱۱) اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ (۱۲) اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی۔ (۱۳) تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہوگا (۱۴)

کوائف سورۃ:

اس سورت کا نام تکویر ہے۔ اس کی پہلی آیت کریمہ میں۔ کورت۔ کا لفظ موجود ہے۔ جس سے سورت کا نام تکویر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کا ایک رکوع اور اسی آیتیں ہیں۔ تکویر کا لفظی معنی ہے کسی چیز کو غلاف میں لپیٹ دینا۔ ایک وقت آئے گا اللہ تبارک و تعالیٰ سورج کی روشنی کو سلب کر لیں گے۔ جیسے کسی چیز کو غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اسی طرح سورج کو تہہ کر کے رکھ دیا جائے گا۔

آج سورج ہم سے کروڑوں میل دور ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں جو تھے آسمان پر ہے۔ اور اس کی روشنی اور تپش بالکل ظاہر ہے۔ ظاہر چیز کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی۔

ما قبل سے ربط:

سورۃ عبس کا مضمون دراصل اثبات قیامت کے موضوع ہی پر مشتمل تھا اور مقصد بیان یہ تھا کہ انسان کی سعادت و فلاح اور عزت و عظمت اپنی زندگی اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ رکھنے اور فکر آخرت میں ہے، اس کے برعکس وہ مغرور و متکبر جو نہ خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ ہی اس کو آخرت کی فکر ہے وہ خدا کی نظردوں میں ذلیل و حقیر ہے، طالب حق اور سعادت کی فکر میں لگے رہنے والا انسان ہی بارگاہ رسالت میں ہر عزت و اکرام کا مستحق ہے، آخر میں قیامت کے روز کی پریشانی اور بدحواسی کا عالم بیان کیا گیا کہ ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوگا، اس کو اپنی پڑی ہوگی اس مناسبت سے اب اس سورت میں وہ ہول ناک مناظر اور حوادث ذکر فرمائے جا رہے ہیں جو روز قیامت پیش آئیں گے اور یہی حوادث تخریب عالم کا ذریعہ ہوں گے چنانچہ اس سورت کی ابتداء ان ہول ناک مناظر کے ذکر سے کی گئی جو قیامت کے وقت پیش آئیں گے کہ چاند سورج اور ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑنے لگیں گے اور زمین شق ہو کر جو کچھ اس میں ہوگا اگل دے گی، الغرض تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

اسی سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وہ خاص احوال اور اوصاف بیان کئے گئے جو وحی الہی کے نزول پر پیش

آئے تھے، اور اسی کے ساتھ مشرکین و منکرین کی محرومی و بد نصیبی بھی ذکر کر دی گئی جو وحی الہی اور پیغمبر خدا سے اعراض و انحراف کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی۔

تفسیر:

ابتدائی تیرہ آیات میں بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بارہ چیزیں قیامت کی علامات ہیں اور ان تیرہ آیات کا پہلی آیت پر عطف ہے اور معطوف اور معطوف علیہ مل کر شرط ہیں اور آیت ۱۲ میں اس کی جزاء ہے، خلاصہ کلام اس طرح ہے کہ جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور باقی مذکور علامات بھی واقع ہو جائیں گی تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے یعنی جو عمل اس نے آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے، وہ کیا ہے۔

فرمایا: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

”کورت“ کا معنی:

اس کا مصدر ”تکویر“ ہے، حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: جب سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی اور اس میں کوئی روشنی نہیں ہوگی۔ (تفسیر مجاہد ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۰۵ھ نے کہا: جب اس کی روشنی نہیں رہے گی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۵۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۲۰ھ مذکور المصدر تفسیر روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوصالح اور ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں: جب سورج کو پھینک دیا جائے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۸۱۲۸۲: ۷۱۲۸۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

پھر امام ابن جریر اپنا مختار مذہب لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ کلام عرب میں ”تکویر“ کا معنی ہے: ایک چیز کے بعض اجزاء کو اس کے اوپر لپیٹنا،

جیسے عمامہ کو سر کے اوپر لپیٹا جاتا ہے یا جیسے بڑی چادر میں کپڑے جمع کر کے اس چادر کو کپڑوں کے اوپر لپیٹا جاتا ہے، اسی

طرح سورج کو پھینکنا کا معنی یہ ہے کہ سورج کے بعض اجزاء کو بعض پر لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا اور جب ایسا کیا جائے گا تو

اس کی روشنی جاتی رہے گی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ سورج اور چاند کو کس ممانہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ (رض) سے روایت کیا ہے کہ سورج اور چاند دونوں کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۰۰۲۳:) امام بزار اور دوسرے ائمہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ان کو لپیٹ کر دوزخ میں

پھینک دیا جائے گا، حسن بصری نے کہا: ان دونوں کا کیا گناہ ہے جو ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا؟ ابوسلمہ نے کہا: میں تم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اعتراض کر رہے ہو کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ امام بزار نے کہا: حضرت ابوہریرہ سے اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

امام ابویعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت انس (رض) سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: سورج اور چاند کو دوزخ میں اس لیے پھینکا جائے گا تا کہ سورج اور چاند کی عبادت کرنے والے ان کا انجام دیکھ لیں۔

امام ابن وہب نے ”جمع التمس والقمر“ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو جمع کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو حضرت ابن عباس (رض) سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ سورج اور چاند کے دوزخ میں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہو لیکن اس سے ان لوگوں کو ذلیل کرنا مقصود ہے جو دنیا میں سورج اور چاند کی عبادت کرتے تھے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی وہ عبادت باطل تھی، ایک قول یہ ہے کہ سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، پھر ان کو آگ میں لوٹا دیا جائے گا، اور اسماعیلی نے کہا: ان کو دوزخ میں ڈالنے سے ان کو عذاب دینا لازم نہیں آتا کیونکہ دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی ہوں گے، پتھر بھی ہوں گے اور بھی کئی چیزیں ہوں گی اور اہل دوزخ کو عذاب دینے کے لیے عذاب کے کئی آلات ہوں گے، لہذا سورج اور چاند کا عذاب یافتہ ہونا لازم نہیں آئے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

فرمایا: اور جب ستارے جھڑ جائیں گے

”انکدرت“ کا معنی:

اس آیت میں ”انکدرت“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”انکدار“ ہے اس کا معنی ہے: میلا ہونا لیکن پراگندہ ہو کر بکھر جانے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، اس آیت کا معنی ہے: جب ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے، اسی طرح ”انفطرت“ ہے، اس کا مصدر ”انفطار“ ہے، اس کا معنی ہے: چرنا اور پھٹنا اور ”اذا السماء انفطرت“ (الانفطار ۱): کا معنی ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا۔

عطاء نے کہا: ستارے آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں سے معلق ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں اور جب آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی۔ فرمایا: اور جب پہاڑ چلائیں جائیں گے۔

اس کا معنی ہے: جب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے فضاء میں اڑا دیا جائے گا اس کی تفسیر النبأ ۲۲: میں گزر چکی ہے۔

فرمایا: اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی۔

”العنار“ کا معنی اور ان کے معطل کیے جانے کی توجیہ:

عربوں کے نزدیک حاملہ اونٹنیاں سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں اور جب ان کو معطل کر کے چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ انھوں نے کسی غیر معمولی چیز کا مشاہدہ کر لیا ہے، جس کی وجہ سے ان اونٹنیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں رہی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۵۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے اور اچانک قیامت آجائے گی اور ان کے اموال اور املاک ضائع ہو جائیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ”العشار“ سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں، جب اچانک قیامت آجائے گی تو بادل اس پانی کو برسا نہیں سکیں گے۔

فرمایا: اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔

”وحش“ کا معنی اور ”وحش“ سے قصاص لینے کے فوائد:

خشکی کے جانوروں میں سے جو جانور انسان سے عام طور پر مانوس نہیں ہوتے ان کو ”وحش“ کہا جاتا ہے، ان وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ کھیوں کو بھی قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا استحقاق واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا اور جن جانوروں نے دوسرے جانوروں کو ایذا پہنچائی ہوگی، ان سے قصاص لیا جائے گا، پھر ان سے کہا جائے گا: مرجاؤ تو وہ تمام وحشی جانور مرجائیں گے اور اس قصہ کو ذکر کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو عدل کرنے کے لیے جمع کرے گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کو عدل کرنے کے لیے جمع نہ کرے۔

(۲) وحشی جانور انسانوں سے بدکتے ہیں اور ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں، اس کے باوجود وہ سب میدان محشر میں جمع ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ہول ناکیوں کی وجہ سے وہ اپنی فطرت کو بھول چکے ہوں گے۔

(۳) ان حیوانات میں سے بعض حیوان دوسرے بعض حیوانات کی غذا ہوتے ہیں، جیسے شیر اور بکری، لیکن اس دن یہ سب جمع ہوں گے اور کوئی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ قیامت کے دن کی ہول ناکیوں کی وجہ سے وہ اپنے طبعی تقاضوں کو بھول چکے ہوں گے۔

فرمایا: اور جب سمندر بھڑک اڑے جائیں گے۔

”تجبر“ کا معنی:

امام مجاہد بن متوفی ۴۰۱ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جب سمندر کو گرم کیا جائے گا، حتیٰ کہ وہ آگ ہو جائے گا، اور مجاہد نے کہا: سمندر

میں آگ لگائی جائے گی۔ (تفسیر مجاہد ص ۳۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

”تسحیر“ کا معنی ہے: تنور میں آگ جلا کر اس کو گرم کرنا، اور جب سمندروں میں آگ لگا دی جائے گی تو ان میں پانی بالکل نہیں رہے گا اور پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور اس وقت تمام سمندر اور زمینیں ایک چیز ہو جائیں گی، جو انتہائی گرم اور جلانے والے ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین تمام سمندروں کا پانی چوس لے اور بلند ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں اور تمام زمینیں سمندر کی سطح کے مساوی ہو جائیں اور یہ سب کا سب گرم یا بھڑکایا ہوا سمندر بن جائے۔

(تفسیر گبیر ج ۱۱ ص ۵۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

یہ چھ علامتیں جن کا ذکر آچکا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا وقوع دنیا کو تباہ کرنے کے شروع میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا وقوع قیامت کے بعد ہو لیکن باقی چھ علامتیں، ان کا وقوع قیامت کے ساتھ مختص ہے۔

فرمایا: اور جب جائیں ملا دی جائیں گی۔

روحوں کو جسموں کے ساتھ ملانے کا مطلب

(۱) ارواح کو اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(۲) قیامت کے دن تین جوڑے بن جائیں گے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً. فَأَصْحَبُ الِأُنثَىٰ مِمَّا آصْحَبُ الِأُنثَىٰ. وَأَصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ مِمَّا آصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ. وَالشَّفِيقُونَ

الشَّفِيقُونَ۔ (الواقعة: ۱۰۱)

اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے۔ اور دائیں ہاتھ والے پس کیا خوب ہیں دائیں ہاتھ والے۔ اور بائیں ہاتھ والے پس کیسے ہیں بائیں ہاتھ والے۔ اور جو سبقت کرنے والے ہیں دونوں سبقت کرنے والے ہی ہیں۔

(۳) زیادہ عبادت کرنے والوں کا ایک گروہ بنایا، درمیانی عبادت کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دوسرا گروہ بنایا جائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر تیسرا گروہ بنایا جائے گا۔

(۴) مؤمنین کی روحوں کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(۵) ہر نظریاتی گروہ کو اس کے افراد کے ساتھ ملا دیا جائے گا، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ، عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ اور مسلمان کو مسلمانوں کے ساتھ۔

حضرت نعمان بن بشیر (رض) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب (رض) سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو

انھوں نے فرمایا: جنت میں نیک آدمی کو نیک آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اور دوزخ میں بدکار کو بدکار کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور حسن بصری اور قتادہ نے کہا ہر شخص کو اس کی جماعت کے ساتھ ملا دیا جائے گا، یہودی کو یہودی کے ساتھ اور نصرانی کو نصرانی کے ساتھ، الربیع بن خثیم نے کہا: ہر شخص کو اس کے عمل کے ساتھ ملا دیا جائے گا، عطاء اور مقاتل نے کہا: مؤمنین کی روحوں کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا، عکرمہ نے اس آیت کا معنی اس طرح کیا ہے کہ روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جائے گا۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۶۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

فرمایا: اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا۔ وہ کس گنہ میں قتل کی گئی؟۔

زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا:

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الشعلی المتوفی ۷۲۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”موؤدة“ اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کو زندہ قبر میں دبا دیا جاتا ہے، عربوں کے ہاں جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو وہ اس کو اون کا جبہ پہنا کر جنگل میں بکریوں اور اونٹوں کو چرانے کے لیے چھوڑ دیتا اور اگر وہ اس کو قتل کرنا چاہتا تو اس کو چھوڑ دیتا حتیٰ کہ جب اس کا قد چھ بالشت کا ہو جاتا تو اس کا باپ اس کی ماں سے کہتا: اس کو خوب صورت کپڑے پہناؤ حتیٰ کہ اس کو اس کے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے لے جاؤں اور اس نے صحرا میں ایک کنواں کھودا ہوا ہوتا تھا، وہ اس لڑکی کو وہاں لے جا کر اس سے کہتا: اس کنویں میں جھانک کر دیکھو، پھر اس کو پیچھے سے دھکا دے کر کنویں میں گرادیتا اور اس کے اوپر مٹی ڈال کر اس کو زمیں کی تہ کے ساتھ ملا دیتا۔ (الکشف والبیان ج ۱، ص ۹۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ)

زندہ درگور کرنے کا سبب اور اس لڑکی سے سوال کرنے کی وجہ:

امام رازی نے فرمایا ہے کہ عرب اپنی بیٹیوں کو اس لیے زندہ درگور کرتے تھے کہ ان کو بیٹی کا باپ کہلانے سے عار آتا تھا یا وہ تنگی رزق کے خطرے سے بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو وہ بیٹیوں کو بیٹیوں کے ساتھ ملا دیتے تھے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس کو زندہ درگور کیا گیا ہے، اس سے سوال کیا جائے گا، بظاہر یہ چاہیے تھا کہ قاتل سے سوال کیا جاتا کہ تم نے اس لڑکی کو کس گناہ کی وجہ سے زندہ درگور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب اس کے قاتل کی تذلیل کے لیے کیا جائے گا، جیسے عیسائیوں کی تذلیل کے لیے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا جائے گا:

”أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأَتَّخِذِ الْوَهْنُ مِنْ حُورٍ لَّهُ ط قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ط (البائسہ)

(۹۱)

کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دوسرا معبود بنا لو؟ عیسیٰ کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقتولہ سے اس لیے سوال کیا جائے گا کہ وہ قاتل کے خلاف کیا دعویٰ کرتی ہے۔

(تفسیر گبیر ج ۱۱ ص ۶۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

فرمایا: اور جب صحائف (اعمال) پھیلا دیئے جائیں گے۔

انسان کی موت کے وقت اس کے صحائف اعمال کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور حساب کے وقت اس کے صحائف اعمال کو کھول کر پھیلا دیا جائے گا۔

فرمایا: اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا۔

آسمان کے اوپر جنت اور اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، آسمان کو ان سے الگ کر لیا جائے گا جس طرح ذبیحہ کی کھال کھینچ کر اس کو ذبیحہ سے الگ کر لیتے ہیں۔

فرمایا: اور جب دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا۔

بنو آدم کے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے جہنم کو بھڑکایا جائے گا، معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابھی جہنم کو پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ قیامت کے دن اس کو بھڑکایا جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ جہنم کو پیدا کیا جا چکا ہے، لیکن اس کی آگ کو قیامت کے دن بھڑکایا جائے گا۔

فرمایا: اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔

جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَأَذْلَفْتُ الْجَنَّةَ لِلْمُتَّقِينَ۔ (الشعراء: ۷۹) اور جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی۔

فرمایا: تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے۔

اس سے پہلے بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ان کا مجموعہ شرط ہے یعنی جب قیامت کے دن ان بارہ چیزوں کا وقوع ہوگا تو ہر شخص جان لے گا کہ اس کے صحائف اعمال میں کن کاموں کو حاضر کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اعمال تو حاضر نہیں کیے جائیں گے، بلکہ جن صحائف میں وہ اعمال لکھے ہوئے ہیں، ان کو حاضر کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب اس سے حساب لیا جائے گا یا جب میزان پر اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

اِذَا، اسم ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْفَتْحُ (سورج) اُتُوْرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائبہ کُتِبَ،

مصدر تَلَوَّهٖ، اَلْقَسَسُ، عربی میں مَوْنُث اور سورج اردو میں مذکر، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ لپیٹ دیا جائے گا) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْتَجَوَّهْتُ، جمع کسر (ستارے) واحد، اَلْتَجَمُّ، اِنْتَدَرْتُ، فعل ماضی واحد مَوْنُث غائب اِنْتَدَرْتُ، مصدر اِنْتَدَرَّ، میلا ہونا، کھر جانا، بے نور ہونا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بے نور ہو جائے گا) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْجَبَّالُ، جمع کسر (پہاڑوں) واحد، اَلْجَبَلُ، سُبْرَتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب سُبْرَتُ، مصدر تَسَبَّرَ، چلانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ چلایا جائے گا) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْجَبَّارُ (دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں) واحد، عَشْرَآءُ، عَطَّيْتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب عَطَّيْتُ، مصدر تَعَطَّيْتُ، غیر محفوظ چھوڑنا، بے کار چھوڑنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بے کار چھوڑ دی جائے گی) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْوَحْشُ، جمع کسر (وحشی جانور، جنگلی جانور) واحد، اَلْوَحْشُ، سُبْرَتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب سُبْرَتُ، مصدر تَسَبَّرَ، جمع کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ جمع کیا جائے گا) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْجَبَّارُ، جمع کسر (سمندر) واحد، نَبُو، سُبْرَتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب سُبْرَتُ، مصدر تَسَبَّرَ، جلا نا، بھڑکانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بھڑکایا جائے گا) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْنَفْسُ (انفوس، جانیں، روحیں) واحد، نَفْسٌ، رُوحِيَّتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب رُوحِيَّتُ، مصدر تَرُوحَّيْتُ، ملا دینا، جوڑ دینا، شادی کرنا (وہ ملا دی جائے گی) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْوَدَّ، اَوْدَ، مصدر سے اسم مفعول واحد مَوْنُث (زندہ و فن کی ہوئی، سِلَّتْ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب سَالَ، سَلَّ، مصدر سَوَّلَا، سوال کرنا، پوچھنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پوچھا جائے گا) بَ، اِکْنِ - زَنْبٍ (ب - اِکْنِ - زَنْبٍ) ب، حرف چار، کے بدلے، اِکْنِ، مجرور، مضاف، اسم استفہام، کس، زَنْبٍ، مضاف الیہ، سناہ کے (کس سناہ کے بدلے) قَتَلْتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب قَتَلَ، قَتَلْتُ، مصدر قَتَلَا، قتل کرنا (وہ قتل کی گئی) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْقَتْلُ (صحیفہ اعمال نامہ) واحد، اَلْقَتْلُ، سُبْرَتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب سَبْرَتُ، مصدر تَسَبَّرَ، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کھول دیا جائے گا) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْقَتْلُ (آسمان) جمع، اَلْقَتْلُ، سَبْرَتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب سَبْرَتُ، مصدر تَسَبَّرَ، کھال اتارنا، کھال کھینچنا، پر وہ ہٹانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (کھال اتار دی جائے گی) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْقَتْلُ (دوزخ) سُبْرَتُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب سَبْرَتُ، مصدر تَسَبَّرَ، بھڑکانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بھڑکادی جائے گی) ءَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْقَتْلُ (جنت) اَلْقَتْلُ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْنُث غائب اَلْقَتْلُ، مصدر اَلْقَتْلُ، قریب لانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ قریب لائی جائے گی) عَطَّيْتُ، فعل ماضی واحد مَوْنُث غائب عَطَّيْتُ، مصدر عَطَّيْتُ، جانا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ جان لے گا) نَفْسٌ (نفس، جان، شخص) نا، اسم موصول (جو) اِنْفَرَّتْ، فعل ماضی واحد مَوْنُث غائب اِنْفَرَّتْ، مصدر اِنْفَرَّتْ، حاضر کرنا (اس نے حاضر کیا)

آیت ۱۵ تا ۲۹

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ (۱۵) الْجَوَارِ الْكُنُوسِ (۱۶) وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ (۱۷) وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۱۸) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۱۹)
ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (۲۰) مُطَاعٌ ثَمَّ أَمِينٍ (۲۱) وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (۲۲) وَقَدْ رَأَى بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ (۲۳) وَمَا هُوَ
عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (۲۴) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (۲۵) إِنَّمَا نَزَّلْنَا بَيِّنَاتٍ لِّكُلِّ لُغَةٍ لِّعَالَمِينَ (۲۶) لِّتُنَبِّئَهُمْ
مِّنْكُمْ أَن يَسْتَفْهِمُوا (۲۷) وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۲۸)

ترجمہ:

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے۔ (۱۵) پھر چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی (۱۶) اور رات کی جب جانے لگے۔ (۱۷) اور صبح کی جب چمکنے لگے۔ (۱۸) یقیناً ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے (۱۹) جو قوت والا ہے عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ (۲۰) جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے، امین ہے۔ (۲۱) اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں (۲۲) اس نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے (۲۳) اور یہ غیب کی باتوں کو بتلانے کے لئے بخیل بھی نہیں۔ (۲۴) اور یہ قرآن شیطاں مردود کا کلام نہیں۔ (۲۵) پھر تم کہاں جا رہے ہو (۲۶) یہ تمام جہان والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے۔ (۲۷) (بالخصوص) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ (۲۸) اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے مگر جو پروردگار عالم چاہے (۲۹)

تفسیر:

فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی۔ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی۔

”الخنس“ اور ”الخنس“ کے معانی:

اس آیت میں ”الخنس“ کا لفظ ہے، یہ ”خانس“ اسم فاعل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والے، پھر جانے والے، رک جانے والے، چھپ جانے والے، بعض مفسرین کے نزدیک اس سے ستارے مراد ہیں کیونکہ وہ دن میں چھپ جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک چاند اور سورج کے علاوہ پانچویں سیارے ہیں جن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی مرتج، زحل، عطارد، زہرہ اور مشتری کیونکہ ان کی چال اس طرح ہے کہ کبھی یہ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس چلتے ہیں اور کبھی سورج کے نزدیک آکر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد نیل گائے ہے کیونکہ اس میں بھی پیچھے ہٹنے، پھر جانے، رکنے اور چھپنے کی صفت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۵۵۸ھ لکھتے ہیں:

فزاء نے کہا: اس سے مراد ستارے ہیں اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور امام عبد الرزاق نے سند صحیح کے ساتھ عمرو بن شریل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود (رض) نے مجھ سے پوچھا کہ الخنس کیا

چیز ہے؟ میں نے کہا: میرا گمان ہے کہ وہ نیل گائے ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میرا بھی یہی گمان ہے، اور حسن بصری نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں۔

التکویر ۶۱: میں ”الکنس“ کا لفظ ہے، یہ ”کنس“ اسم فاعل کی جمع ہے، ”کنس“ ہرن کے رہنے کی جھاڑی کو کہتے ہیں اور جھڑی میں ہرن کے چھپنے کو بھی کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

”الکنس“ وہ ستارے ہیں جو چھپ کر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض نے کہا: ”الکنس“ سے مراد ہرن ہیں، امام سعید بن منصور نے سند حسن کے ساتھ حضرت علی (رض) سے روایت کیا ہے کہ ”الکنس“ سے مراد وہ ستارے ہیں جو رات میں نظر آتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے، مجاہد سے ”الکنس“ کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا: مجھے پتا نہیں، ابراہیم نے کہا: آپ کو کیوں پتا نہیں تو انھوں نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ اس سے مراد نیل گائے ہے اور یہ لوگ حضرت علی (رض) سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں، ابراہیم نے کہا: یہ لوگ حضرت علی (رض) کے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷-۵۰۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

امام بخاری نے کہا: ”الخنس“ کا معنی ہے: وہ ستارے جو اپنے مدار میں لوٹ جاتے ہیں اور ”الکنس“ کا معنی ہے: وہ ستارے جو ہرن کی طرح چھپ جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری تفسیر ”اذا الشمس کورت“)

امام رازی نے کہا ہے کہ ”الخنس“ اور ”الکنس“ سے ستاروں کا مراد لینا زیادہ لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ستاروں کی قسم کھانا ہرن کی قسم کھانے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

فرمایا: اور رات کی جب جانے لگے۔

اس آیت میں ”عس“ کا لفظ ہے، یہ لغت اضداد سے ہے، ”عس“ کا لفظ رات کے آنے اور رات کے جانے، دونوں میں مستعمل ہے۔

فرمایا: اور صبح کی جب چمکنے لگے۔

اس سے مراد ہے: جب صبح کی روشنی طور سے پھیل جائے۔

فرمایا: یقیناً ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے الخ؛

حضرت جبریل (علیہ السلام) کی چھ صفات کا تذکرہ؛

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت جبرائیل کی چھ صفات ذکر کی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ رسول ہیں اور اس میں کوئی

شک نہیں کہ وہ تمام انبیاء کی طرف اللہ کے رسول (قاصد) ہیں، درج ذیل آیتوں سے بھی یہی مراد ہے:

يُزِيلُ الْمَلَكَةُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهَا عَلَى مَنْ يُفَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ (النحل: ٢)

وہی جبرائیل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرماتا ہے۔

عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ - بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ (الشعرا: ٣١-٣٢)

جس کو الروح الایمیں (جبرائیل) لے کر نازل ہوئے ہیں۔ آپ کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے مذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کریم ہیں اور ان کا کرم یہ ہے کہ وہ افضل چیز عطاء کرتے ہیں اور وہ معرفت اور ہدایت ہے۔ تیسری اور چوتھی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ قوی ہیں اور عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں۔ (التکویر ١٢:) ان کی قوت یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جبرائیل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوت کا ذکر فرمایا ہے، تو آپ کی قوت کا کیا اندازہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت لوط (علیہ السلام) کی چار بستوں کو اپنے ایک پر کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا، حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغیوں کی آوازیں سنیں اور مقاتل نے ذکر کیا ہے کہ ابلیس نامی شیطان نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرائیل نے اس کو معمولی سی ضرب لگائی، جس کے نتیجہ میں وہ مکہ سے ہند کے پر لے سرے میں جا پڑا اور بعض مفسرین نے کہا: اس قوت سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس میں خلل نہ آنے دینا، ان کی تخلیق کی ابتداء سے لے کر آخرت تک اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جلال ذات کے مشاہدہ کی جو قدرت ہے وہ یہاں مراد ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز اور بہت مکرم ہیں۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے (عرش والے کے نزدیک) امانت دار ہیں) (التکویر ١٢:)

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں میں واجب الاطاعت ہیں، وہ ان ہی کے حکم سے آتے ہیں اور جاتے ہیں۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو خیانت کرنے سے اور لغزش کرنے سے محفوظ اور مامون رکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ١١ ص ٥٧-٩٦، اراحۃ التراث العربی، بیروت، ١٤١١ھ)

صفات مذکورہ کی مصداق رسول ﷺ کی ذات مبارکہ ہے:

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیاء اندلسی الغرناطی المتوفی ٧٥٠ھ لکھتے ہیں:

جسہود کے نزدیک ”رسول کریم“ سے مراد جبرائیل (علیہ السلام) ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ کل آیات میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہیں اور قاضی عیاض نے شفاء میں فرمایا کہ ”مطاع ثم امیں“ (التکویر ٢١:) کی تفسیر میں

اکثر مفسرین کا مختاریہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ (تفسیر الثعالبی ج ۵ ص ۵۵۸)،
قاضی محمد عطاء اللہ مظہری پانی پتی حنفی متوفی ۱۱۲۵ھ لکھتے ہیں:

”رسول کریم“ سے مراد جبرائیل ہیں یا پھر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۷۹، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ، ۱۴۲۵ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس سے دو واسطے ہیں، ایک وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل (علیہ السلام) اور دوسرا پیغمبر عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ ”رسول کریم“ سے مراد (سیدنا) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قرار دیا ہے اور صفات مذکورہ کو کسی قدر تکلف سے آپ کی ذات پر منطبق کیا ہے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۸۴، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۴۱۴ھ)

فرمایا: اور تمہارے نبی مجنوں نہیں ہیں۔ اور بیشک انھوں نے اس روشن کنارے پر دیکھا۔ اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا اور ”ضمنین“ کا معنی:

بعض اہل مکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مجنوں کہتے تھے، انکو یر ۲۲: میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہارے پیغمبر مجنوں تھیں۔ اور انکو یر ۲۳: میں فرمایا: انھوں نے حضرت جبرائیل کو آسمان کے روشن کنارے پر دیکھا۔

ابوالاحوس اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۸۳۱۱:)

عام بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو ان کی اصل صورت میں صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے، حضرت جبرائیل آپ کے پاس حضرت وحی کی صورت میں آتے تھے، ایک دن وہ آپ کے پاس ایسی صورت میں آئے جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا، ان پر سبز ریشم کا لباس تھا، جس پر موتی لٹک رہے تھے اور یہ

اس آیت کا مصداق ہے: ”ولقد راہ بالافق المبین“ (انکو یر ۲۳:)(جامع البیان رقم الحدیث ۲۸۳۱۲:)

زر بیان کرتے ہیں کہ ”الضمنین“ کا معنی بخیل ہے اور غیب سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث:

(۲۸۳۱۳)

ضمنین“ کے معنی بخیل کے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے جو علوم و معارف آپ پر نازل ہوتے ہیں، ان کی تعلیم و تبلیغ میں آپ

بخل نہیں کرتے۔ یہ قرآن وحی الہی ہے۔ شیطانی کلام یا شیطانی اثناء نہیں ہے۔ ”فاین تذہبون“ تم کدھر جا رہے ہو اور کس قدر بے عقلی کی باتیں کرتے ہو، ایسی عظیم الشان کتاب میں غور و فکر کر کے اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے ہو۔ حالانکہ یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو سیدھی راہ پر اور دین اسلام پر چلنا اور اس پر قائم رہنا چاہے۔ قرآن بیشک تمام بنی آدم کے لیے ہدایت نامہ ہے مگر اس سے فائدہ صرف وہی اٹھائیں گے جو ضد و تعصب سے بالاتر ہو کر انصاف کی نظر سے اس کا مطالعہ کریں گے اور حق و صداقت کی جستجو کا جذبہ بھی ان کے سینوں میں موجزن ہوگا۔ (جواہر القرآن)

فرمایا: اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔

کفار مکہ یہ کہا کرتے تھے کہ شیطان آپ کے پاس اس قرآن کو لے کر آتا ہے اور آپ کی زبان پر ان کلمات کو اثناء کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس قول کا رد فرمایا ہے۔

فرمایا: سو تم کہاں جا رہے ہو؟

اس آیت کا معنی ہے: اسلام کے اس سیدھے و واضح راستہ کو چھوڑ کر تم کہاں جا رہے ہو؟

فرمایا: بیشک وہ تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

یعنی قرآن مجید تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے۔

فرمایا: تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید اپنی ذات میں تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو خود بھی سیدھے راستے پر چلنا چاہتے ہوں۔

فرمایا: اور تم صرف وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العالمین چاہتا ہے۔

لیکن تمہارے ارادے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اور ہدایت و ضلالت اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہدایت صرف ان کو نصیب ہوتی ہے جو خدا کی طرف ثابت اور رجوع کرنے والے ہوں اور ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہوں لیکن جو لوگ حق کو سمجھ کر محض ضد و عناد کی وجہ سے حق کو ٹھکراتے ہیں ان کے دلوں پر مہر جباریت لگا دی جاتی ہے اور ان کو ہدایت کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

لَقَا اَنْفُسَهُمْ (ف۔ لک۔ اَنْفُسُ) ف، حرف عطف، پس، لاء، زائدہ برائے تاکید، نہیں، اَنْفُسُ، فعل مضارع واحد متکلم اَنْفُسُ، مصدر اَلْفُسَامُ، قسم کھانا، میں قسم کھاتا ہوں (پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں) اَلْاَنْفُسُ (ب۔ اَلْاَنْفُسُ) ب، حرف جار، کی، اَلْاَنْفُسُ، مجرور، غُفُش، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، چھپ جانے والے، پیچھے ہٹ جانے والے، واحد، غَانِش (پیچھے ہٹ جانے والے (ستاروں) کی) اَلْجَوَارِ۔ جزئیاتی، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (چلنے والے) واحد، اَلْجَوَارِیُّہُ، اَلْاَنْفُسُ۔ سِرَاسُ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (چھپ جانے والے) واحد، اَلْاَنْفُسُ، اَلْجَوَارِ اَلْاَنْفُسُ، دونوں، اَلْاَنْفُسُ، کی صفات ہیں۔ ذَا اَنْفِل (ذَا اَنْفِل) و، حرف عطف قسمیہ اور قسم، اَنْفِل، مقسم بہ، رات (اور رات کی قسم) (اذا، ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) عَسَسَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَسَسَ۔ عَسَسَ، مصدر عَسَسَ، کھٹکنا، رخصت ہونا، اذا، کی وجہ سے ترجمہ (اور رخصت ہونے لگتی ہے) ذَا اَلْشَّخْ (ذ۔ اَلْشَّخْ) و، حرف عطف قسمیہ اور (قسم)، اَلْشَّخْ، مقسم بہ، صبح (اور صبح کی قسم) (اذا، ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) تَنَفَّسَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَنَفَّسَ۔ تَنَفَّسَ، مصدر تَنَفَّسَ، سانس لینا، اذا، کی وجہ سے ترجمہ، (وہ سانس لیتی ہے) اِنَّہ (اِنَّ۔ اِنَّ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہا، ضمیر واحد مذکر غائب، یہ، ضمیر کا مرجع قرآن ہے، (بے شک یہ (قرآن)) تَقُولُ رَسُوْلُ کَرِیْمٍ (ل۔ قُول۔ رَسُوْل۔ کَرِیْمٍ) ل، لام تاکید، یقیناً، قُول، مضاف، بات، کلام، رَسُوْل، مضاف الیہ، موصوف، بھیجے ہوئے، (فرشتے) رَسُوْل کا، کَرِیْم، صفت، کَرِیْم، مصدر سے صفت مشبہ، بڑی عزت والا (یقیناً بڑی عزت والے رَسُوْل کا (لایا ہوا) کلام ہے) ذِی قُوَّة۔ ذِی، مضاف، والا، قُوَّة، مضاف الیہ، قوت، طاقت (قوت والا) عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ۔ عِنْد، مضاف، طرف مکان، نزدیک، ذِی، مضاف الیہ، مضاف، والا، الْعَرْشِ، مضاف الیہ، عرش کے (عرش والے کے نزدیک) مَکِیْن۔ مَکِیْن، مصدر سے صفت مشبہ (بڑے مرتبہ والا) مَطَارِ، اَلْاَنْفُسُ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، اطاعت کیا گیا (واجب الاطاعت) جس کی بات مانی جاتی ہے قَم، اسم اشارہ، مکان بعید کیلئے آتا ہے اور باعتبار اصل کے ظرف ہے (وہاں، اس جگہ) لَکِن۔ لَکِن، مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول کا بھی کیونکہ فعل کا وزن و دونوں میں مشترک ہے (الماتذرا، امن والا) و، حرف عطف (اور) ہا، نافیہ (نہیں) صَاحِبُکُمْ (صاحب۔ کُمْ) صَاحِب، مضاف، صاحب، ساتھی، رفیق، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارا (تمہارا ساتھی) ب۔ بَجُوْن (ب۔ بَجُوْن) ب، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، ہرگز بَجُوْن، مجرور، دیوانہ (ہرگز دیوانہ) و، حرف عطف (اور) لَہ (ل۔ لَہ) ل، لام تاکید، بلاشبہ، قَدْ، کلمہ تحقیق، یقیناً (بلاشبہ یقیناً) رَاہ (رَاہ۔ رَاہ) رَاہ، فعل ماضی واحد مذکر غائب، مصدر رُوْیَہُ، دیکھا، اس نے دیکھا ہے، ہا، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کو، ضمیر کا مرجع "رَسُوْلُ کَرِیْمٍ" ہے (اس نے اس کو دیکھا ہے) اَلْاَنْفُسُ اَلْاَنْفُسُ (ب۔ اَلْاَنْفُسُ۔ اَلْاَنْفُسُ) ب، حرف جار بمعنی، علی، پر، اَلْاَنْفُسُ، مجرور، موصوف، افق، کنارے، اَلْاَنْفُسُ، صفت، اَلْاَنْفُسُ، مصدر سے اسم فاعل، واضح، روشن، کھلا (روشن کنارے پر) و، حرف عطف (اور) ہا، نافیہ (نہیں) ہُو، ضمیر واحد مذکر غائب (وہ) عَلَی الْغَنَیْبِ (عَل۔ الْغَنَیْبِ) عَلی، حرف جار، پر، الْغَنَیْبِ، مجرور غیب، (غیب (وحی کی بات بتانے) پر) ضَمِیْنِ (ب۔ ضَمِیْنِ) ب، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، ہرگز ضَمِیْنِ، مجرور، ضَمِیْن، مصدر سے صفت مشبہ، بخیل، کجوس (ہرگز بخیل) و، حرف عطف (اور) ہا، نافیہ (نہیں ہے) ہُو، ضمیر منفصل واحد مذکر غائب (وہ) بِقَوْلِ (ب۔ قَوْلِ) ب، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، ہرگز قَوْل، مجرور، کلام، شَیْطَانِ رَجِیْم۔ شَیْطَانِ، موصوف، کسی شیطان، رَجِیْم، صفت، رَجِیْم، مصدر سے بمعنی مفعول، رائدہ ہوا، پتھر مارا ہوا، مردود (کسی مردود شیطان اَلْاَنْفُسُ (ف۔ لَکِن) ف، حرف عطف، پھر، لَکِن، اسم استفہام، ظرف مکان، کہاں (پھر کہاں) اَلْاَنْفُسُ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر ذَهَبَ یَذْهَبُ، مصدر ذَهَبَ، جانا (تم جار ہے ہو) اِنَّہ، صلہ میں، اِنَّہ، ہے اس لیے ترجمہ (نہیں ہے) ہُو، ضمیر منفصل واحد مذکر غائب (وہ) اَلْاَنْفُسُ (ب۔ اَلْاَنْفُسُ) ب، حرف جار، کیلئے، اَلْاَنْفُسُ، مجرور، تمام جہانوں (تمام جہانوں کیلئے) لَکِن (ل۔ مَن) ل، حرف جار، کیلئے، مَن، مجرور، اسم موصوف، جو (اس کیلئے جو) شَاءَ، فعل ماضی واحد

مذکر غائب شَاءَ، مصدر مکیب، چاہنا (وہ چاہے) مَنَم (من - کم) حرف جار، سے، کم، مجرد، ضمیر جمع مذکر حاضر، تم (تم میں سے) اُن، مصدر یہ ناصبہ (کہ) نَسَقْتُمْ، فعل مضارع منصوب واحد مذکر غائب اِسْتَقَامَ نَسَقْتُمْ، مصدر استقام، سیدھا ہونا، سیدھی راہ چلنا (وہ سیدھی راہ چلے) و، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہیں) نَسَمُوْن، فعل مضارع جمع مذکر حاضر شَاءَ، مصدر مکیب، چاہنا (تم چاہ سکتے) اِنَّ، حرف استثنا (مگر) اُن، مصدر یہ ناصبہ (یہ کہ) اِنَّكَ اَللَّهُ (اِنَّكَ - اَللَّهُ) فعل مضارع واحد مذکر غائب شَاءَ، مصدر مکیب، چاہنا، وہ چاہے، اَللَّهُ، فاعل، اَللَّهُ (اللہ چاہے) رَبُّ اَلْعَالَمِیْنَ (رَبُّ - اَلْعَالَمِیْنَ) مضاف، رب، پروردگار، اَلْعَالَمِیْنَ، مضاف الیہ، تمام جہانوں کا، واحد، اَلْعَالَمِیْنَ (تمام جہانوں کا رب)

(الحمد للہ سورہ تکویر مکمل ہو گئی)

[سورة الانطار]

بِسْمِ اَللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۱۲

اِذَا السَّمَاءُ اِنْفَطَرَتْ (۱) وَاِذَا الْكَوَاكِبُ اُنْفَجَرَتْ (۲) وَاِذَا الْاَبْحَارُ اُفْجَرَتْ (۳) وَاِذَا الْاَشْجَارُ اُبْجَرَتْ (۴) عَلِمْتَ نَفْسَ مَا قَدَّمَتْ وَاُخَّرَتْ (۵) يَا أَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ (۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ (۷) فِیْ اٰتِیْ صُوْرَةٍ مَا شَاءَ رُبُّكَ (۸) كَلَّا بَلْ تُكَلِّمُوْنَ بِالذِّیْنِ (۹) وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحَافِظِیْنَ (۱۰) كِرَامًا كَاتِبِیْنَ (۱۱) یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (۱۲)

ترجمہ:

جب آسمان پھٹ جائے گا (۱) جب ستارے جھڑ جائیں گے۔ (۲) سمندر بہہ نکلیں گے (۳) اور جب قبریں (شق کر کے) اکھاڑ دی جائیں گی (۴) (اس وقت) ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (یعنی اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم کر لے گا۔ (۵) اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ (۶) جس (رب نے) تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور پھر درست اور برابر بنایا (۷) جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ (۸) ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ (۹) یقیناً تم پر نگہبان عزت والے۔ (۱۰) لکھنے والے مقرر ہیں۔ (۱۱) جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ (۱۲)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ انطار ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی انیس ۱۹ آیتیں ہیں۔ یہ سورۃ اسی الفاظ اور تین سو انیس ۳۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔

ما قبل سے ربط؛

اس سورۃ میں بھی قیامت کا بیان ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر اس اعتبار سے کیا کہ انسان کے باطن پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ پہلی سورۃ کی ابتداء میں قیامت کا ذکر تھا اور اس سورۃ میں بھی قیامت کا ہی حال بیان ہوا ہے۔ گزشتہ سورۃ کے آخری حصے میں قرآن کریم کا ذکر تھا۔ اور اس میں محاسبہ کا بیان ہے۔ اعمال کی حفاظت اور نگرانی کا ذکر ہے۔ پہلی سورۃ میں یہ بات سمجھائی گئی کہ قیامت کا اثر کائنات پر کیا ہوگا۔ اور اس سورۃ میں یہ ذکر ہے۔ کہ انسان کے باطن پر قیامت کا کیا اثر ہوگا۔ اس طرح دونوں سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

اس سورۃ میں ایک نئی بات یہ بتائی گئی ہے۔ کہ قیامت کو یوم الدین کیوں کہا جاتا ہے نیز یہ کہ اس دن انسان مکمل طور پر بے بس ہوگا۔ اور اس کے دل میں سخت مذمت ہوگی قیامت کے حالات کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو قیامت کی شدت کا احساس ہو سکے۔ گناہوں سے باز آجائیں اور آخرت کی فکر کریں۔

تفسیر:

فرمایا؛ جب آسمان پھٹ جائے گا۔

چونکہ عام انسانوں کی ذہنیت اس قسم کی ہوتی ہے۔ کہ کسی غیر معمولی واقعہ کو دیکھ کر فوراً متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے پروگرام کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس قسم کے غیر معمولی واقعات کا تذکرہ فرمایا تا کہ لوگ توجہ کریں غور و فکر کریں۔ اور حقیقت کو سمجھیں۔ چنانچہ آسمان کے پھٹ جانے کا ذکر کیا کہ جب قیامت کا پہلا صور پھونکا جائے۔ کوئی چیز اپنے مستقر پر نہیں ٹھہر سکے گی۔ ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ آسمان پھٹ جائے گا جیسا کہ سورۃ نبا میں آچکا ہے۔ ”و فتحت السماء فكانت ابواباً“ آسمان کھول دیا جائے گا۔ اور فضا میں دروازے دروازے نظر آئیں گے۔ اور آسمان سے آگے کی ہر چیز نظر آنے لگے گی۔ اس دن فرشتے بھی اتر پڑیں گے۔ حیرت انگیز منظر ہوگا، ہر چیز پر دہشت طاری ہوگی اس دن مقربین الہی بھی خوفزدہ ہوں گے، حضرت آدم (علیہ السلام) کہیں گے (ب ۱ مسلم ص ۱۱۱ ج ۱ ترمذی ص ۵۱) یعنی اللہ تعالیٰ آج اس قدر غصے میں ہیں۔ کہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئے اور نہ آج کے بعد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی نازل ہوگی قیامت کے روز قہری تجلی میں نزول فرمائے گا۔

(ستارے بکھر جائیں گے؛

فرمایا؛ جب ستارے بکھر جائیں گے۔ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، گر جائیں گے، اپنی جگہ پر قائم نہیں رہیں گے۔ اور جب دریا چلائے جائیں گے۔ آج تو اپنی اپنی جگہ پر پیر ہے ہیں بحر ہند اور بحیرہ روم اپنے ٹھکانوں پر ہیں۔ مگر جب قیامت واقع ہوگی سب خلط ملط ہو جائیں گے۔ ایک بن جائیں گے۔ کوئی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہے گا۔ اس کے بعد آگ کی تپش سے سارے بھاپ بن کر اڑ جائیں گے۔ پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔

(قبر میں اکھاڑ دی جائیں گی:

فرمایا: جب قبریں زیرِ زبرِ کردی جائیں گی۔ اکھاڑ دی جائیں گی۔ اور ان میں مدفون لوگوں کو نکالا جائے گا۔ ان پر خوف و دہشت طاری ہوگا۔ پھر جس طرف سے آواز آرہی ہوگی۔ ان کو اس میدان کی طرف چلایا جائے گا۔ اور وہ اس طرح دوڑتے ہوئے جائیں گے جس طرح تیرا پنے نشانے کی طرف جاتا ہے۔ تو ان قبروں کے اکھاڑنے کو حشر اِجساد بھی کہتے ہیں۔

(روح اور جسم کا دوبارہ ملاپ:

یونانی اور بعض دیگر پرانے فلاسفروں کا اعتقاد ہے۔ کہ جسم ایک دفعہ فنا ہو گیا تو ختم ہو گیا۔ یہ دوبارہ زندہ نہیں ہوگا۔ اگر دوبارہ زندگی کا کوئی تصور ہے۔ تو وہ محض روحانی ہو سکتا ہے۔ جسمانی نہیں۔ ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ قبریں اکھاڑ دینے والے الفاظ بتا رہے ہیں کہ قبروں سے روحوں کو نہیں بلکہ اجسام کو اٹھایا جائے گا۔ ہر جسم کا اسی روح کے ساتھ تعلق قائم ہوگا جس کے ساتھ دنیا میں قائم تھا۔ کیونکہ اگر قیامت کے دن دنیا کی نسبت مختلف ارواح و اجسام کو اکٹھا کیا گیا۔ تو یہ سخت زیادتی ہوگی۔ دنیا میں انجام دی گئی نیکی یا بدی کی جزا و سزا صرف اسی صورت میں دی جاسکتی ہے۔ جب کہ قیامت کو انھیں اجسام و ارواح کا تعلق قائم ہو جن کا دنیا میں تھا جب یہ کام مکمل ہو جائے گا روح اور جسم کا ملاپ ہو جائے گا۔ علت نفس ماقدمت و آخرت ہر شخص جانے گا۔ جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے۔ اس دن انسان حیران و پریشان ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ”ذک بما قدمت یدک“ یہ تیرے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ نیز یہ کہ ”وان اللہ لیس بظلام للعبید“ خداوند تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرنا۔ یہ سب تیرا اپنا ہی کیا دھرا ہے حدیث شریف (ب ۱ مسلم ص ۳۲۷ ح ۱) میں آتا ہے۔ جو کوئی اچھی رسم اپنے پیچھے چھوڑتا ہے۔ جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے۔ اس کا صلہ اس کو بھی ملتا ہے۔ اسی طرح جو شخص بری رسم چھوڑے گا۔ اس پر دوسرے لوگ عمل کریں گے تو ہر ایک کے بدلے ایک گناہ اس کو بھی پہنچے گا۔ الغرض جو بھی عمل پیچھے چھوڑا ہے۔ اس کا بدلہ پائے گا۔ اگر حرام مال چھوڑ گیا ہے۔ تو سزا پائے گا اور کوئی نیکی کا کام چھوڑ گیا۔ تو اس کے بدلے جزاء پائے گا۔

فرمایا: اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی کریمی کے تقاضے سے فوراً تمنا ہوں بے سزا نہ دینا اور اس سے انسان کا دھوکہ کھانا:

تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا کہ تو نے اپنے رب کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کیا اور تو گناہوں کے ارتکاب میں مشغول رہا۔

اس آیت میں رب کے ساتھ اس کی صفت کریم کا ذکر فرمایا ہے اور یہی انسان کو دھوکے میں رکھنے کی علت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا اور اس سے درگزر فرماتا ہے، یا اپنی گرفت کو مؤخر فرما دیتا ہے اور اس نے انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ انسان کے گناہوں کو معاف فرماتا رہے گا، ورنہ گناہ کے ارتکاب کے فوراً

بعد ہی اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے دیتا تو پھر وہ دوبارہ یا بار بار گناہ نہ کرتا، پس اس کا عذر یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ مجھے بار بار گناہ کرنے پر تیرے کرم نے ابھارا یا میری جہالت نے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے متعلق ہے یعنی اے مشرک! تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا حتیٰ کہ تو نے کہا: اللہ نے تجھ کو تیرے باپ دادا کی تقلید میں بت پرستی کا حکم دیا ہے کیونکہ جب وہ بے حیائی کا کام کرتے تھے تو کہتے تھے: انھیں اللہ نے اس بے حیائی کا حکم دیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا قَالُوا فَاجِئْهُ قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَهُ نَاوَلَهُ أَمْرًا مُّطَاعًا (الاعراف: ۱۸)

جب وہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔

اے مشرک! کیا تیری طرف رسول کو نہیں بھیجا گیا تھا، کیا تیری طرف کتاب نہیں نازل کی گئی تھی، تجھ پر واضح نہیں ہو گیا کہ اللہ نے تجھے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے تجھے روکا ہے؟

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۹۸، مؤسسۃ الرسالۃ، ناشر دن، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

فرمایا: جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا، پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا۔

انسان کی تخلیق کی تفصیل:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور سلطنت کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے ماں کے پیٹ کے تین اندھیروں میں انسان کی تخلیق کی، جہاں کوئی انسان کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا اور انسان پر اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی مخالفت اور اس کی نافرمانی سے باز آئے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا بیان ہے تا کہ اس سے انسان جان لیں کہ ان کو عبث اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا کیونکہ جو اپنی حکمت اور قدرت سے انسان کو پیٹ کے تین اندھیروں میں پیدا فرماتا ہے وہ اپنی مخلوق کو عبث اور فضول پیدا نہیں فرما سکتا بلکہ اس نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان کو نیک باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجے اور ان پر آسمانی کتابوں کو نازل کرے، جن کی اتباع کرنے کو ان پر لازم کرے اور جب لوگ ان کی اتباع کرنے سے اعراض کریں اور ان کی پیروی کو ترک کریں تو ان کو سزا دے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا یعنی تجھے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کیا کیونکہ انسان اصل میں اپنے باپ کی پشت میں ایک گندہ قطرہ تھا، پھر اس گندے قطرہ کو اس کی ماں کے رحم میں منتقل کیا، پھر اس کو نطفہ بنایا، پھر اس کو جمے ہوئے خون کی طرف منتقل کیا، پھر اس کو گوشت کا ٹکڑا بنایا اور اس کو ہڈیاں پہنائیں اور اس کے تمام اعضاء بنائے اور اس کی بہترین صورت بنائی اور یہ نعمت ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اس پر کتنا عظیم احسان فرمایا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

فرمایا: پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنادیا۔

اللہ تعالیٰ کا انسان کو معتدل صورت بنانا:

یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے اس صورت میں بنادیا، جس صورت میں تو اب ہے، اس نے تجھے کسی حیوان کی صورت میں نہیں بنایا، اس میں عقل اور تمیز رکھی جس سے وہ نفع اور نقصان کو پہچان سکتا ہے اور اس کو ایسی صورت میں بنایا کہ آسمانوں اور زمینوں اور حیوانوں کو اس کے لیے مسخر کر دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ دِينَهُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا ط (لعمان: ٢٠)

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم کو دافر مقدار میں دے رکھی ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَخَلَقْنَاهُمْ فِي الْكَوْكَبِ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الظَّلٰٓئِلِ وَقَضَّيْنَاهُمْ عَلَىٰ كَوْبِهِمْ مِّنْ خَلْقِنَا تَفْضِيلًا (نبی)

اسرائیل: ٢٠)

ہم نے اولاد آدم کو بہت عزت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریوں میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہت ساری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔

سب چیزیں انسان کے لیے مسخر کی ہیں اور انسان کو کسی چیز کے لیے مسخر نہیں کیا اور اس کو یہ نعمتیں اس لیے یاد دلانی ہیں کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے۔

امام رازی نے کہا: اللہ نے انسان کے اعضاء معتدل بنائے، ایسا نہیں کیا کہ ایک ہاتھ بڑا اور دوسرا ہاتھ چھوٹا ہوتا، یا ایک ناگ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی، اسی طرح ایک آنکھ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی، اسی طرح اس کی ہڈیاں، اس کے اعصاب اور اس کی شریانیں سب بہترین حکمت پر بنائی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور قوت کا ذکر فرمایا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کو ترک کر کے اور اس کی اطاعت اور عبادت کی طرف سبقت کرے۔

فرمایا: بیشک تم روز جزا کو جھٹلاتے ہو۔

روز جزاء کی تکذیب کی تفصیل:

(۱) میں نے تم کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، تم ان نعمتوں کو ان کے مقاصد میں میری ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتے، بلکہ تم روز جزاء کی تکذیب کرتے ہو۔

(۲) تم اللہ تعالیٰ کے کرم سے دھوکا نہ کھاؤ، حالانکہ تم گناہوں سے باز نہیں آتے بلکہ تم روز جزاء کو جھٹلاتے ہو۔

(۳) جیسے تمہارا گمان ہے کہ نہ کوئی مرنے کے بعد زندہ ہو گا نہ کسی کو حساب و کتاب کے لیے محشر میں لایا جائے گا، اس طرح

نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبث اور بے کار پیدا کیا ہے اور تم اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ تم اس کو جھٹلاتے ہو۔

اس آیت میں ”دین“ کا لفظ ذکر فرمایا ہے، اس جگہ ”دین“ سے مراد حساب بھی ہے یعنی تم روز حساب کی تکذیب کرتے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”دین“ سے مراد دین اسلام ہو۔

فرمایا: اور بیشک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عس کرتے ہو۔
”کراما کاتبین“ کے اعمال بنی آدم لکھنے کی تفصیل:

اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کے ذمہ مختلف کام لگائے ہوئے ہیں، جیسے حضرت عزرائیل کے ذمہ روح فیض کرنا لگایا ہے اور حضرت میکائیل کے ذمہ رزق پہنچانا ہے اور بعض فرشتوں کے ذمہ یہ ہے کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر دیکھیں کہ کہاں اللہ کے بندے اس کا ذکر کر رہے ہیں، ان کو ملائکہ سیاحین کہا جاتا ہے اور اسی طرح بعض فرشتوں کو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور کیا ہے ان کو کراما کاتبین کہا جاتا ہے، ان فرشتوں کو انسانوں کے اعمال لکھنے پر اس لیے مامور کیا ہے تاکہ ان کا لکھا ہوا قیامت کے دن انسان پر حجت ہو جائے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کفار کے اعمال کو بھی فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ تو صرف برے کام کرتے ہیں نیک کام نہیں کرتے، اس لیے بعض علماء نے کہا: ان کے اعمال کو لکھنے والے فرشتے نہیں ہیں، اور بعض نے کہا: ان کے لیے بھی لکھنے والے ہیں، قرآن مجید میں ہیں:

وَأَمَّا مَنْ أُوِّقِيَ كِتَابَهُ بِمَا لَمْ يَلَيْقَنَّ لَهُ أَوْتُ كِتَابِهِ (الحاقة: ۱۷)

اور وہ شخص جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، پس وہ کہے گا: اے کاش! مجھ کو یہ صحیفہ نہ دیا جاتا۔

وَأَمَّا مَنْ أُوِّقِيَ كِتَابَهُ وَرَأَاهُ ظَهْرَهُ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا (الانشقاق: ۱۷)

اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ تو وہ عنقریب موت کو پکارے گا۔
 اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو فرشتہ کافر کی دائیں جانب ہوتا ہے وہ کیا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بائیں جانب کے لکھے ہوئے پر گواہ ہوتا ہے۔

سفیان سے سوال کیا گیا کہ جب بندہ نیک یا بد عمل کرتا ہے، اس کا فرشتوں کو علم ہونا تو ظاہر ہے لیکن جب نیک یا بد عمل کا ارادہ کرتا ہے، اس کا فرشتوں کو کیسے علم ہوتا ہے؟ سفیان نے جواب دیا: جب بندہ نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے مشک کی خوشبو آتی ہے اور جب وہ برے عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے سخت ناگوار بدبو آتی ہے۔

مسلمانوں کو برے کام کرنا کفار کے برے کام سے زیادہ سنگین ہے کیونکہ مسلمانوں کو علم ہے کہ ان کے اعمال کی حفاظت

کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو ان کے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں، اس کے باوجود جب وہ برے کام کریں تو یہ زیادہ قابل ملامت ہے کیونکہ کفار کو تو اس پر ایمان نہیں ہے کہ ان کے تمام اعمال کو فرشتے لکھ رہے ہیں۔

امام بزار نے حضرت انس (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: فرشتے جب ایسا صحیفہ اللہ کے پاس لے کر جائیں جس کے اول اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے درمیان میں لکھی ہوئی چیزوں کو بخش دیتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۰۳-۴۰۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

زمیم نحوی و تحقیق مرئی:

اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اِسْمَاءُ (آسمان) جمع، اِسْمَوَاتٍ، اِنْفِطَرَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب اِنْفِطَرَتْ، مصدر اِنْفِطَارٌ، پھٹ جانا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ (وہ پھٹ جائے گا) و، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَلْاَوَّلُ کُتِبَ، جمع کسر (ستارے) واحد، اَلْاَوَّلُ کُتِبَ، اِسْتَشْرَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب اِسْتَشْرَتْ، مصدر اِسْتِشْرَافٌ، جھڑنا، بکھر جانا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ (وہ جھڑ جائے گا) و، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَلْاَوَّلُ کُتِبَ، جمع کسر (سندروں) واحد، اَلْاَوَّلُ کُتِبَ، اِسْتَشْرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْثُ غائب اِسْتَشْرَتْ، مصدر اِسْتِشْرَافٌ، پانی کا بہہ نکلنا، پھاڑ دینا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ (وہ پھاڑ دیا جائے گا) و، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَلْاَوَّلُ کُتِبَ، جمع کسر (قبریں) واحد، اَلْاَوَّلُ کُتِبَ، اِسْتَشْرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْثُ غائب اِسْتَشْرَتْ، مصدر اِسْتِشْرَافٌ، پلٹ کر نا، اکھیرنا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ (وہ اکھیر دی جائے گی) عَلِمَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب عَلِمَتْ، مصدر عَلِمَ، جاننا ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ جان لے گی) نَفْسُ (نفس، جان، شخص) نا، اسم موصول (جو) قَدِمَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب قَدِمَتْ، مصدر قَدِمَ، آگے بھینچنا (اس نے آگے بھینچا) و، حرف عطف (اور) اِسْتَشْرَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب اِسْتَشْرَتْ، مصدر اِسْتِشْرَافٌ، دیر کرنا، پیچھے چھوڑنا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ (یا۔ اِنْمَا۔ اِنْمَا) یا، حرف ندا، اِسْمَا، جب مٹا دی نہ کرے "اَلْ" داخل ہو تو "یا" کے ساتھ "اِسْمَا" لگا دیتے ہیں، اِنْمَا، مٹا دی، انسان (اسے انسان) نا، استفہامیہ (کس نے) عَرَكَ (عَرَك) عَرَك، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب عَرَكَ، مصدر عَرَكَ، دھوکا دینا، فریب دینا، دھوکا دیا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (تجھے دھوکا دیا) بِرَبِّکَ (پ۔ رَبِّ۔ ک) پ، حرف جار، کے بارے میں، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کے بارے میں) اَلْاَوَّلُ کُتِبَ، اللہ کا صفاتی نام، کَرَّمَ، مصدر سے صفت مشبہ (عزت والا، کرم والا، خلی) اَلَّذِی، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) خَلَقَ (ک) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب خَلَقَ، مصدر خَلَقَ، پیدا کرنا، اس نے پیدا کیا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (اس نے تجھے پیدا کیا) فُسَوِّیْکَ (ف۔ سَوِّی۔ ک) ف، حرف عطف، پھر، سَوِّی، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب سَوِّی یَسَوِّی، مصدر تَسَوَّیْتُ، سنوارنا، درست کرنا، برابر کرنا، اس نے درست کیا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (پھر اس نے تجھے درست کیا) فَتَدَلَّکَ (ف۔ تَدَلَّ۔ ک) ف، حرف عطف، پھر، تَدَلَّ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب تَدَلَّ، مصدر تَدَلَّ، انصاف کرنا، برابر کرنا، مناسب طریقے سے تعداد اور مقدار کو ترتیب دینا، مناسب بنانا، اس نے مناسب بنایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (پھر اس نے تجھے مناسب بنایا) فِی اِیِّ صُوْرَةٍ تَاخِرُ فِی، حرف جار، میں، اِیِّ، مجرور، مضاف، صُوْرَةٍ، مضاف الیہ، صورت، نا، موصولہ، اِیِّ، اور، نا، دونوں کو ملا کر ترجمہ، جس، کیا گیا ہے بعض نے، نا، زائدہ قرار دیا ہے (جس صورت میں) شَاءَ، فعل ماضی واحد مَوْثُ غائب شَاءَ، مصدر مَشِیْتُ، چاہنا، (اس نے

جاہا) رُتَبُک (رُتَب - ک) رُتَب، فعل ماضی واحد مذکر غائب رُتِبَ یُرتَب، مصدر تَرْکِب، ترکیب دینا، جوڑنا، اس نے جوڑ دیا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (اس نے تجھے جوڑ دیا) کُما، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) یل، حرف اضراب (ہلک) مَکْذُوبُونَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر کُذِبَ یُکَذَّب، مصدر مَکْذُوبٌ، جھٹلانا (تم جھٹلاتے ہو) بِالْذِّینِ (ب - الذِّینِ) ب، حرف جار، کُذِّیَ الذِّینِ، مجرور، جزاء سزا، قیامت (جزا و سزا کو) وَ، حالِہ (حالانکہ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) فَلَنْکُم (عَلَى - کُم) عَلٰی، حرف جار، پھر، کُم، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر، تم (تم پر) لَظْفِیْنِ (ل - لَظْفِیْنِ) ل، لام تاکید، یقیناً، لَظْفِیْنِ - حَقُّ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، تمہاری کرنے والے، حفاظت کرنے والے، واحد، حَافِظٌ (یقیناً تمہاری کرنے والے) اَکْرَمَ، کَرَّمَ، مصدر سے صفت مشبہ (عزت والے، معزز) کَاتِبِیْنِ - سَتَابٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (لکھنے والے) واحد، کَاتِبٌ، اَکْرَمَ کَاتِبِیْنِ، یہ دونوں، حَافِظِیْنِ، کی صفات ہیں۔ یَعْمَلُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب یَعْمَلُ، مصدر یَعْمَلُ، جانا (وہ جلتے ہیں) نا، اسم موصول (جو) یَفْعَلُونَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر یَفْعَلُ، مصدر یَفْعَلُ، کرنا، کام کرنا (تم کرتے ہو)

آیت ۱۳ تا ۱۹

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (۳) وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ (۴) يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ (۵) وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ (۶) وَمَا أَكْذَبَكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ (۷) ثُمَّ مَا أَكْذَبَكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ (۸) يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ (۹)

ترجمہ:

یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش آرام اور) نعمتوں میں ہونگے۔ (۱۳) اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہونگے۔ (۱۴) بدلے والے دن اس میں جائیں گے (۱۵) اور وہ اس سے کبھی غائب ہونے والے نہیں ہیں۔ (۱۶) اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزاکا دن کیا ہے؟ (۱۷) پھر تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزاکا دن کیا ہے؟ (۱۸) جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا۔ (۱۹)

تفسیر:

فرمایا: بیشک نیکو کار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں۔ اور بیشک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔

”ابراہیم کا معنی اور مرتکب کبیرہ کو دائمی مذابہ ہونا:

اس سے پہلی آیات میں بتایا تھا کہ کراما کاتبین بنو آدم کے تمام اعمال لکھ رہے ہیں اور ان آیتوں میں ان عمل کرنے والوں کے اخروی اعمال کو بیان فرمایا ہے۔

ان آیتوں میں ”ابراہیم“ کا ذکر فرمایا ہے اور ”ابراہیم“ کا معنی ہے: بر (نیکی) کرنے والے اور ”بر“ کا بیان اس آیت میں ہے:

بر (نیکی) صرف یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف منہ کر لو بلکہ حقیقت میں نیکو کار وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان لائے، اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دے اور غلاموں کو آزاد کے اور پابندی سے نماز پڑھے اور

زکوٰۃ ادا کرے اور جب کوئی عہد کرے تو اس کو پورا کرے، تنگ دستی، دکھ درد اور جنگ کے وقت صبر کرے یہی وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں اور یہی متقی ہیں۔ (البقرہ ۱۷۷ :)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ برادر تقویٰ اور برابر اور متقین دونوں سے مراد ایک ہے اور جو ان تمام اوصاف سے متصف ہو وہ نیکو کار اور متقی ہے۔

فرمایا: اور بدکار ضرور دوزخ میں ہیں؛

معتزلہ کا رد؛

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ: یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ مرتکب کبیرہ فاجرہ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فجار ضرور دوزخ میں ہیں اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے، لیکن ہمارے نزدیک مومن مرتکب کبیرہ فاجر نہیں ہے، فاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کرے پس فجار کے عموم میں مؤمنین مرتکب کبائر داخل نہیں ہیں اور اگر بالفرض مومن مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں داخل کیا جائے تو وہ تھوڑا عرصہ ظہیر کے لیے دوزخ میں داخل ہوگا، بعد میں اس کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

فرمایا: وہ روز جزاء کو اس میں پہنچیں گے۔ اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے۔

جنت کا ثواب اور دوزخ کا عذاب غیر منقطع ہے؛

یہ آیت اہل نار اور اہل جنت دونوں کی طرف راجع ہے، پس اہل جنت، جنت سے غائب نہیں ہوں گے اور اہل دوزخ، دوزخ سے غائب نہیں ہوں گے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک دن جنت کا ثواب ختم ہو جائے گا اور اسی طرح ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے گا، ہم کہتے ہیں کہ اگر جنت کا ثواب ایک دن ختم ہو جائے تو جہنمی جنت میں خوش اور راضی نہیں رہیں گے کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ ایک دن یہ عیش ختم ہونے والا ہے، اسی طرح اگر ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے تو دوزخی دوزخ میں مطمئن اور خوش رہیں گے کہ ایک دن یہ عذاب ختم ہونے والا ہے اور یہ چیز قرآن مجید کی بہت آیتوں کے خلاف ہے۔

فرمایا: اور آپ نے کیا سمجھا روز جزاء کیا ہے؟ پھر آپ نے کیا سمجھا روز جزاء کیا ہے؟

روز جزاء کے ادراک کی نفی کی تفصیل؛

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود یا تری سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں:

آپ اپنی عقلی سے یوم جزاء کو نہیں جانتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا، اور بعض مفسرین نے کہا: یہ اس دن کی تعظیم اور اس کے ہول ناک ہونے کی وجہ سے فرمایا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۰۲)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے خطاب میں اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں کافر سے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے خطاب ہے اور اکثر مفسرین نے کہا: اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب ہے اور آپ سے یہ خطاب اس لیے فرمایا کہ نزول وحی سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ یوم جزاء کیا ہے۔

اس آیت میں دوبارہ فرمایا ہے: آپ نے کیا سمجھا کہ روز جزاء کیا ہے، کیونکہ پہلی بار کا خطاب اہل دوزخ کے لیے ہے اور دوسری بار کا خطاب اہل جنت کے لیے ہے، گویا کہ فرمایا: آپ نے کیا سمجھا کہ فجار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور ابرار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور ”یوم الدین“ کا دوبارہ ذکر اس کی اہمیت اور تعظیم کی وجہ سے کیا گیا۔

فرمایا: جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت کی ممانعت؛

(۱) کفار اپنے بتوں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ مصائب میں ان کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کے رد میں نازل فرمائی ہے، کفار جو اپنے بتوں سے مصائب دور کرنے کی توقع رکھتے تھے، اس کے متعلق یہ آیت ہے:

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَلَيَعَنَّ
بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ لُّثُوفٍ. (العنکبوت: ۲۵)

(ابراہیم نے کہا:) تم نے اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پرستش کی ہے تم نے اس کو آپس میں دنیاوی دوستی کی بنیاد بنایا ہے، پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی نفس کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا مگر جب اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دے گا تو پھر وہ شفاعت کریں گے، جس طرح اس آیت میں ارشاد ہے:

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا. (العبا: ۳۸)

رحمان کے اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا اور وہ درست بات کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مالک بنائے بغیر کوئی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔

فرمایا: اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے، یعنی بغیر کسی تنازع کے، اور ہر وقت میں تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں لیکن دنیا میں ظالم لوگ اس میں تنازع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام چلاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے لہو و لہب، خواتین کے لیے بے حجاب نکلنے اور مرد و زن کے مخلوط اجتماعات اور رقص اور فحاشی کی ممانعت اور مذمت کی لیکن اس دور کے حکمران ترقی کے نام پر اس کو رواج دے رہے ہیں۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

إِنَّ الْآزَارَ (إِنَّ - الْآزَارَ) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، الْآزَارَ، نیک لوگ، واحد، بڑا، اور، ہاں، (بے شک نیک لوگ) لَفِي نَحْنُ (لَا - نَحْنُ) لَ، لام تاکید، یقیناً، فِی، حرف جار، میں، نَحْنُ، اسم مکمل، راحت بڑی نعمت (یقیناً بڑی نعمت میں) وَ، حرف عطف (اور) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) الْفَجَارَ (بدکار، نافرمان، گنہگار) واحد، الْفَجَارَ، لَفِي نَحْنُ (لَا - نَحْنُ) لَ، لام تاکید، یقیناً، فِی، حرف جار، میں، نَحْنُ، مجرور، جہنم، دوزخ، (یقیناً دوزخ میں) نَصْلُونَهَا (نَصْلُونَهَا - نَصْلُونَهَا) نَصْلُونَهَا، فعل مضارع جمع مذکر غائب صَلَّی - صَلَّی، مصدر صَلَّی، داخل ہونا، وہ داخل ہوں گے، ہاں، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "نَحْنُ" ہے (وہ اس میں داخل ہوں گے) یَوْمَ الدِّينِ (یَوْمَ - الدِّينِ) یَوْمَ، مضاف، ظرف زمان، دن، روز، الدِّينِ، مضاف الیہ، جزاء بدلہ، قیامت (جزائے دن) وَ، حرف عطف (اور) ہاں، نافیہ (نہیں) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) عَمَّا (عَمَّا - عَمَّا) عَمَّا، حرف جار، سے، ہاں، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "نَحْنُ" ہے (اس سے) بِعَاقِبَتِنِ (بِ - عَاقِبَتِنِ) بِ، حرف جار، زائد و برائے تاکید لئی، ہرگز، عَاقِبَتِنِ، مجرور، عِثَابٌ، مصدر سے اسم قائل جمع مذکر، غائب ہونے والے، واحد، عَاقِبَتٌ (ہرگز غائب ہونے والے) وَ، حرف عطف (اور) ہاں، استفہامیہ بمعنی، اُنْ شَیْءٍ (کس چیز) اُولَئِکَ (اُولَئِکَ - کَ) اُولَئِکَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اُولَئِکَ یَذَرْنِی، مصدر اِذْرَآءٌ، خبر ہونا، معلوم کروانا، سمجھنا، خبر دینا، بتانا، اس نے معلوم کروایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) ہاں، استفہامیہ (کیا) یَوْمَ الدِّينِ (یَوْمَ - الدِّينِ) یَوْمَ، مضاف، دن، روز، الدِّينِ، مضاف الیہ، جزا و سزا، قیامت (روز جزا و سزا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) ہاں، استفہامیہ بمعنی، اُنْ شَیْءٍ (کس چیز) اُولَئِکَ (اُولَئِکَ - کَ) اُولَئِکَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اُولَئِکَ یَذَرْنِی، مصدر اِذْرَآءٌ، خبر دینا، معلوم کروانا، گناہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) ہاں، استفہامیہ (کیا) یَوْمَ الدِّينِ (یَوْمَ - الدِّينِ) یَوْمَ، مضاف، دن، روز، الدِّينِ، مضاف الیہ، جزا و سزا، قیامت (روز جزا و سزا) یَوْمَ، ظرف زمان (اس دن) لَا تَمْلِکْ، فعل مضارع متنی واحد مؤنث غائب تَمْلِکْ تَمْلِکْ، مصدر تَمْلِکْ، مالک ہونا، اختیار رکھنا (وہ اختیار نہیں رکھے گی) نَفْسِ، (کوئی نفس، کوئی جان) نَفْسِ (بِ - نَفْسِ) بِ، حرف جار، کیلئے، نَفْسِ، مجرور کسی جان، کسی نفس (کسی جان کیلئے) شَیْءٌ (چیز، کچھ بھی) اَلْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّی (رح) ۱۹ اور اس دن حکم (صرف) اللہ کا ہوگا۔ وَ، حرف عطف (اور) اَلْاَمْرُ، مصدر (حکم) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ - اِذِ) یَوْمَ، مضاف، دن، اِذِ، مضاف الیہ، اس، اِذِ (بِ - اَللّٰهِ) بِ، حرف جار، کا، اَللّٰهِ، مجرور۔

(الحمد للہ سورہ انفطار مکمل ہوگئی)

[سورۃ المطففین]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۶ تا ۱۰

وَيَلْ لِلْبَاطِلِ هَيْبَتٌ (۱) الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ (۲) وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوَّزَوْا لَهُمْ تُخْسِرُونَ (۳) أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ (۴) لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (۵) يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۶)

ترجمہ:

ہلاکت و بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے (۱) وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں (۲) اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں (۳) کیا ایسے لوگ یقین نہیں رکھتے کہ وہ دوپہرہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے (۴) ایک عظیم دن کے لئے (۵) جس دن لوگ سارے جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے (۶)

کوائف:

اس سورت کا نام المطففین ہے، کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ۔ (المطففین: ۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے:

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابن الفرس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ اس میں ”اساطیر“ کا ذکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ اہل مدینہ ناپ تول میں بہت زیادہ کمی کرتے تھے۔

امام نسائی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خراب تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمائی: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ۔ (المطففین: ۱) تو پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ طول کرنے لگے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۶۷، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(اسنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۶۵۴: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۲۳:

تاہم ہمارے مصاحف میں اس سورت کو مکی لکھا گیا ہے، ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۶ ہے، یہ سورۃ العنکبوت کے بعد اور سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعث و نشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد و ایمان کے اصول واضح اور متعین کرنا تھا اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق العباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

تفسیر:

فرمایا: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے۔ وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا کر لیں۔ اور جب انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

ویل اور مطففین کا معنی:

المطففین ۱: میں ”ویل“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ان کو آخرت میں شدید عذاب ہوگا، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جہنم میں ”ویل“ نام کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہہ کر آئے گی۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ [دیکھیے ضعیف ترمذی، سورۃ الانبیاء ۸۹: ۳۳]

”المطففون“ کا معنی ہے: وہ لوگ جو ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں، بعض علماء نے کہا: ”تطفیف“ پیانش اور وزن میں بھی ہوتی ہے اور وضو اور نماز اور حدیث میں بھی ہوتی ہے۔ امام مالک نے کہا: ہر چیز میں پورا پورا دینا بھی ہے اور کم کر کے دینا بھی ہے۔

اہل لغت نے کہا: ”المطفف“ ”تطفیف“ سے مأخوذ ہے اور ”طفیف“ کا معنی ہے: قلیل اور ”مطفف“ وہ شخص ہے جو اپنے صاحب کو وزن یا پیانش میں اس کے حق سے کم کر دے۔

ناپ تول میں کمی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ**۔ (المطففین: ۱) پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ تول کرنے لگے۔ (السنن الکبریٰ لسنائی رقم الحدیث ۱۱۶۵۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۲۳):

حضرت ابن عمر (رض) نے فرمایا: ایک شخص کسی ناپ تول کرنے والے کو ملازم رکھے اور اس کو علم ہو کہ یہ ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے اوپر ہوگا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۱۷، المستدرک رقم الحدیث ۳۹۰۷):

حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس آئے اور فرمایا: اے مہاجرین کے گردہ اپنا خچہریں ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو:

(۱) جس قوم میں بھی بے حیائی ظاہر ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ برسر عام بے حیائی کے کام کریں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور

وہ بیماریاں جو ان کے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں (۲) اور جو قوم بھی ناپ طول میں کمی کرتی ہے، اس پر قحط آ جاتا ہے اور افلاس

چھا جاتا ہے اور ان پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں (۳) اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے، وہ آسمان کی

بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر حیوانات نہ ہوتے تو ان پر بالکل بارش نہ ہوتی (۴) اور جو لوگ اللہ اور اس کے

رسول کے عہد کو توڑتے ہیں، ان کے اوپر ان کے مخالف دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے وہ ان کے ہاتھوں سے مال چھین لیتا

ہے (۵) اور جو ائمہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو ترجیح نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ ان میں ایک دوسرے کا خوف پیدا کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۱۹، تلخیص النجاشی ج ۲ ص ۶۳۶، الدر المنثور ج ۸ ص ۴۰۵)

فرمایا: کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا۔ بہت بڑے دن میں۔ جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ملامت؛

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے حال پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کس قدر دیدہ دلیری سے ناپ تول میں کمی کر رہے ہیں، گویا ان کے دلوں میں ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق کوئی خطرہ اور کوئی کھٹکا نہیں ہے اور ان کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا اور ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا، یعنی ان کو ناپ تول میں کمی کرنے پر عذاب کا یقین ہی نہیں ہے، اگر انھیں اس پر عذاب کا یقین ہوتا تو وہ اس فعل سے باز آ جاتے۔

المطففین ۵: میں جو ”یوم/عظیم“ فرمایا ہے، اس سے مراد قیامت کا دن ہے یا یوم حزاء ہے۔ فرمایا ہے: جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

قیامت کے دن گرمی کی شدت سے پسینہ آنے کے مختلف احوال؛

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے المطففین ۶: کی تفسیر میں فرمایا: حتیٰ کہ اس دن ایک شخص اپنے پسینہ میں آدھے کانوں تک ڈوب جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۹۳۸، سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۴۷۸):

حضرت مقدار بن الاسود (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہوگا (سلیم بن عامر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اس میل سے کیا مراد ہے) پھر لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے اپنے پسینہ میں ہوں گے، کسی کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کو کھوں تک پسینہ ہوگا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بنا ہوا ہوگا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۶۴، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۴۲۱۷۳۳۰):

حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کا دن مومن پر آسان کر دیا جائے گا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی کم وقت میں وہ دن اس پر گزر جائے گا۔ (مسند احمد

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: مومن پر قیامت کا دن فرض نماز کے وقت کی مقدار آسان کر دیا جائے گا۔ اور اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

آلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ. (یونس: ۶۳)

سنو! اولیاء اللہ پر (قیامت کے دن) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے، دوسرا قول یہ ہے: لوگ ایک دوسرے سے اپنے دنیاوی حقوق لینے کے لیے کھڑے ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ اللہ کے سامنے فیصلہ کے لیے کھڑے ہوں گے

ترکیبِ نحوی و تحقیقِ صرفی؛

فعل، اسم مرفوع (ہلاکت، عذاب، افسوس) **لَظْفَقْنِی** (ل۔ ا۔ لَظْفَقْنِی) ل، حرف جار، کیلئے، **اَلْظَفْقْنِی**، مجرور، تَطْلِیْعَتِ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، ناپ تول میں کمی کرنے والے، واحد، **مُظْفِقٌ** (ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے) **اَلْظَفْقْنِی**، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اِذَا، اسم ظرف، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) **اِتَّأَلُوْہُ**، فعل ماضی جمع مذکر غائب **اِتَّأَلُوْہُ**، مصدر **اِکْتِیَالٌ**، ناپ کر لینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ ناپ کر لیتے ہیں) **عَلَى النَّاسِ** (عَلٰی۔ اَلنَّاسِ) عَلٰی، حرف جار، بمعنی، مِنْ، سے، **اَلنَّاسِ**، مجرور، لوگوں، (لوگوں سے) **یَسْتَوْفُوْنَ**، فعل مضارع جمع مذکر غائب **اِسْتَوْفُوْا**، مصدر **اِسْتِیْقَآءٌ**، پورا وصول کرنا، پورا پورا لینا (وہ پورا پورا لیتے ہیں) **وَ** حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) **کَانُوْہُمْ** (کَانُوْہُ۔ ہُمْ) کَانُوْہُ، فعل ماضی جمع مذکر غائب **کَانُوْہُ**، مصدر **رَکِبٌ**، ناپ کر لینا، اِذَا، کی وجہ، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انھیں (وہ انھیں ناپ کر دیتے ہیں) **اَوْ** حرف عطف (یا) **وَزَنُوْہُمْ** (وَزَنُوْہُ۔ ہُمْ) وَزَنُوْہُ، فعل ماضی جمع مذکر غائب **وَزَنُوْہُمْ**، مصدر **وَزَنٌ**، تول کر دینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ تول کر دیتے ہیں، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انھیں (وہ انھیں تول کر دیتے ہیں) **مُنْخَسِرُوْنَ**، فعل مضارع جمع مذکر غائب **اِنْخَسَرَ**، مصدر **اِنْخَسَارٌ**، کم دینا، گھٹا دینا (وہ کم دیتے ہیں) **اَللّٰہُ یَنْظُرُ** (اَللّٰہُ یَنْظُرُ) اَللّٰہُ، مہرہ استفہامیہ، کیا، نا **یَنْظُرُ**، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب **یَنْظُرُ**، مصدر **نَظَرٌ**، گمان کرنا، سمجھنا یقین رکھنا، قیاس کرنا، وہ یقین نہیں رکھتے (کیا وہ یقین نہیں رکھتے) **اَوَّلَیْکَ**، اسم اشارہ جمع بعید، اصل ترجمہ، وہ لوگ، ضرورتاً ترجمہ (یہ لوگ) **اَنْتُمْ** (اَنْتُمْ۔ اَنْ) اَنْ، حرف مشبہ بالفعل، کہ بے شک، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (کہ بے شک وہ) **مَبْعُوْثُوْنَ**۔ بھگا، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر (اُمرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جانے والے **اَلْیَوْمِ** **عَظِیْمٌ** (ل۔ ی۔ یَوْم۔ عَظِیْمٌ) ل، حرف جار، کیلئے **اَلْیَوْمِ**، مجرور، موصوف، ظرف زمان، ایک دن، **عَظِیْمٌ**، صفت، **عَظِیْمٌ**، مصدر سے صفت مشبہ، **عَظِیْمٌ**، بہت بڑے (ایک بہت بڑے دن کیلئے) **اَلْیَوْمِ**، ظرف زمان (جس دن) **یَقُوْمُ**، فعل مضارع واحد مذکر غائب **قَامَ** **اَلْیَوْمِ**، مصدر **قَامَ**، کھڑا ہونا، (وہ کھڑا ہوگا) **اَلنَّاسِ** (لوگ) **اَلرَّبُّ** **اَلْعَلِیِّیْنِ** (ل۔ ر۔ ب۔ اَلْعَلِیِّیْنِ) ل، حرف جار، کیلئے، کے سامنے، **رَبِّ**، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، **اَلْعَلِیِّیْنِ**، مضاف الیہ۔

آیت ۷۷ تا ۱۳۱

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ (٥) وَمَا أَكْذَرَكَ مَآ سِجِّينَ (٦) كِتَابَ مَرْقُومٍ (٧) وَيَلْوِيهِمْ مُمِيزُ الْمَكِيدِينَ (٨) الَّذِينَ يُكْتَبُونَ بِزُورِ الدِّينِ (٩) وَمَا يُكْذِبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ (١٠) إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (١١)

ترجمہ:

ہرگز نہیں! یقیناً بدکاروں کا اعمالنامہ سچین میں ہے (۷) تجھے کیا معلوم سچین کیا ہے۔ (۸) ایک کتاب ہے، لکھی ہوئی (۹) اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے (۱۰) جو جزا اور سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے۔ (۱۱) اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے تجاوز کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے (۱۲) جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو گذشتہ قوموں کے قصے ہیں (۱۳)

تفسیر:

فرمایا: بیشک کافروں کا صحیفہ اعمال سچین میں ہے۔ اور آپ کیا سمجھے کہ سچین (والا صحیفہ) کیا ہے؟۔ وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے۔

”سچین“ کا معنی:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: فجار کی ارواح اور ان کے اعمال سچین میں ہیں، مجاہد نے کہا: سچین ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے، اس کے نیچے فجار کا صحیفہ اعمال ہے۔

نیز حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جس کافر کے پاس موت کے فرشتے آتے ہیں تو وہ اس کا وقت آنے پر اس کو بالکل مہلت نہیں دیتے اور فوراً اس کی روح قیض کر لیتے ہیں اور اس کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کو وہ شردکھاتے ہیں جو اللہ دکھانا چاہتا ہے، پھر اس کو ساتویں زمین تک اتارتے ہیں اور وہی سچین ہے اور وہیں فرشتے اس کا صحیفہ اعمال رکھتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سچین جہنم میں ایک کھلا ہوا کنواں ہے۔

(الکت والعیون ج ۶ ص ۲۲۸، درالکتب العلمیہ، بیروت)

”کتاب مرقوم“ کا معنی:

اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں ان کے اعمال لکھ کر مہر لگادی گئی ہے، اب اس میں نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے نہ اس سے کوئی کمی ہو سکتی ہے۔

فرمایا: تکذیب کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے۔ جو روز جزاء کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس دن کی تکذیب سرکش گناہ گار کرتا ہے۔

اساطیر کا معنی:

مکذبین کے یہ قیامت کے دن شدید عذاب ہے، پھر بتایا کہ وہ مکذبین جو یوم جزاء، یوم حساب اور فیصلہ کے دن کی

تکذیب کرتے ہیں اور فرمایا: اس دن کی تکذیب تو صرف سرکش گناہ گار کرتا ہے جو حق سے تجاوز کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات میں ظلم کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت الولید بن مغیرہ، ابو جہل اور ان جیسے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

فرمایا لا۔ ”جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں۔“ جو حق پر اور اس چیز کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں جس کو رسول لے کر آئے ہیں تو گناہوں کا ارتکاب کرنے والے نے ان آیات کو جھٹلایا اور ان سے عناد رکھا اور کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ ”یعنی وہ تکبر اور عناد کی بنا پر کہتا ہے کہ یہ تو متقدمین کے جھوٹے قصے اور گزری ہوئی قوموں کی خبریں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ اساطیر۔“ یہ اسطورة کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: من گھڑت لکھی ہوئی کہانیاں، وہ جھوٹی خبر جس کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ وہ جھوٹ گھڑ کر لکھی ہوئی ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

کَلَّمَ، حرف رد و جر (ہرگز نہیں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) كَلَّمَ الْفَجَّارَ (كَلَّمَ - الْفَجَّارَ) مضاف، مضاف، اعمال، نام، الْفَجَّارَ، مضاف الیہ، فُجَّوْرٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، فاجروں، نافرمانوں، بدکاروں، واحد، الْفَاجِرُ (بدکاروں کا اعمال نامہ) فُجَّوْرٌ (فج - فی -)۔ كَلَّمَ، لام تاکید، یقیناً فُجَّوْرٌ، حرف جار، میں، كَلَّمَ، مجرور، مفعول، مصدر سے مشتق ہے، جس کا معنی سخت قید کا دفتر (یقیناً سبھین میں) و، حرف عطف (اور) نا، استفہامیہ معنی، اکی ٹی، (کس چیز) اُذْرَیْکَ (اُذْرَی - ک) اُذْرَی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اُذْرَی یُذْرِی، مصدر اذْرَی، سمجھانا، معلوم کروانا، خبر دینا، گاہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) نا، استفہامیہ (کیا) كَلَّمَ، مفعول، مصدر سے مشتق ہے، سخت قید کا دفتر (سبھین) كَلَّمَ مَرْفُوعٌ (كَلَّمَ - مَرْفُوعٌ) موصوف، ایک کتاب، مَرْفُوعٌ، صفت، مَرْفُوعٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، لکھی ہوئی (ایک لکھی ہوئی کتاب ہے) کَلَّمَ، اسم مرفوع (خرابی، ہلاکت، عذاب، جہنم) مَرْفُوعٌ - اِذْ اِیُّوْمَ، مضاف، دن، اِذْ، مضاف الیہ، اس (اس دن) اِیُّوْمَ (اِیُّوْمَ - اِیُّوْمَ) ل، حرف جار، کیلئے، اِیُّوْمَ، مجرور، مفعول، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، جھٹلانے والے (جھٹلانے والوں کیلئے) اِیُّوْمَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اِیُّوْمَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب کَلَّمَ یُکَلِّمُ، مصدر مَجْزِی، جھٹلاتا (وہ جھٹلاتے ہیں) اِیُّوْمَ (اِیُّوْمَ - اِیُّوْمَ) پ، حرف جار، کو، م، مجرور، مضاف، ظرف زمان، دن، اِیُّوْمَ، مضاف الیہ، جزا سزا کے، قیامت کے (جزا سزا کے دن کو) و، حرف عطف (اور) نا، صلہ میں، اِیُّوْمَ، ہے، ترجمہ (نہیں) اِیُّوْمَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب کَلَّمَ یُکَلِّمُ، مصدر مَجْزِی، جھٹلاتا (پ - پ) پ، حرف جار، کو، م، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع اِیُّوْمَ (اس کو) اِیُّوْمَ، حرف استثنا (مگر) کُلُّ مَخْطُوعٍ اِیُّوْمَ - کُلُّ، مضاف، ہر، مَخْطُوعٍ، مضاف الیہ، موصوف، اِیُّوْمَ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، حد سے تجاوز کرنے والا، سرکش، اِیُّوْمَ، صفت، اِیُّوْمَ، مصدر سے صفت مشبہ، سخت گنہگار (ہر حد سے تجاوز کرنے والا سخت گنہگار) اِیُّوْمَ، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اِیُّوْمَ، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب اِیُّوْمَ، مصدر اِیُّوْمَ، تلاوت کرنا، پڑھنا (تلاوت کی جاتی ہے) عَلَیْہِ (عَلِی - و) عَلِی، حرف جار، پر، و، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع اِیُّوْمَ (اس پر) اِیُّوْمَ (اِیُّوْمَ - نا) اِیُّوْمَ، آیت، واحد، اِیُّوْمَ، مضاف الیہ، ضمیر جمع شکم، ہماری (ہماری آیات) کَال، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَال یُکَلِّمُ، مصدر قَوْلًا، کہنا، اِیُّوْمَ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کہتا ہے) اِیُّوْمَ (اِیُّوْمَ - اِیُّوْمَ) اِیُّوْمَ، مضاف، افسانے، کہانیاں، من گھڑت قصے، جھوٹی خبریں، واحد، اِیُّوْمَ، مضاف الیہ، پہلے لوگوں کی، واحد، اِیُّوْمَ (پہلے لوگوں کی کہانیاں)

آیت ۲۱ تا ۲۴

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۲۱) كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ (۲۲) ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ (۲۳) ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِكُمْ تُكَذِّبُونَ (۲۴) كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَنْبِيَاءِ لَفِي عِلِّيِّينَ (۲۵) وَمَا أَخْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ (۲۶) كِتَابٌ مَرْقُومٌ (۲۷) يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّرُونَ (۲۸)

ترجمہ:

ایسا ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کا زنگ چڑھ گیا ہے (۱۴) ہرگز نہیں بالیقین اس دن یہ اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے (۱۵) پھر بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں یھینا داخل ہونے والے ہیں۔ (۱۶) پھر کہا جائے گا یہی ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (۱۷) ہرگز نہیں بے شک نیکوں کے اعمالناے علیین (اوپر والوں) میں ہیں (۱۸) تجھے کیا پتہ کہ علیین کیا ہے؟ (۱۹) وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی (۲۰) جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں۔ (۲۱)

تفسیر:

فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا۔

دل پر زنگ:

لفظ ”کلا“ سے کفار کے رد فرمایا ہے یعنی یہ پہلے لوگوں کے قصے نہیں ہیں۔

اس آیت میں ”ران“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”رین“ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا زنگ آلود ہونا اور میلنا ہونا۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ کی تلافی کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ اس گناہ کو کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ زیادہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور یہ وہ ”ران“ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**۔ (المطففين: ۱۷) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۳۴: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۶۴۴:)

اسی طرح مفسرین نے کہا ہے کہ مسلسل گناہ کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، فرآنے کہا: جس شخص کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں تو وہ اس کے دل کا احاطہ کر لیتے ہیں اور یہی دل کا زنگ ہے، مجاہد نے کہا: جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انھوں نے اپنی ہتھیلی کی ایک انگلی بند کر لی اور جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انھوں نے

دوسری انگلی بند کر لی، پھر جب بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انھوں نے ساری انگلیاں بند کر کے مٹھی بند کر لی حتیٰ کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔

فرمایا: بیشک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گے۔

کافروں کا اپنے رب کے دیدار سے محروم ہونا اور مؤمنوں کا اپنے رب کے دیدار سے محظوظ ہونا:

اس آیت میں ”کَلَّا“ کا لفظ تحقیق کے لیے ہے یا کفار کے قول کو رد کرنے کے لیے ہے، یعنی بیشک کفار قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

زجاج نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھائی دے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس آیت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ پھر اس میں کفار کو کوئی تخصیص اور تنقیص ہوگی کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو نہیں دیکھ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

وَجُودًا يَوْمَئِذٍ مُّحِيطًا بِمَا هُمْ فِيهَا كَاظِمُونَ (القيامة: ۲۲-۲۳)

اس دن بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

امام مالک بن انس نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا اور وہ اس کو نہیں دیکھ سکیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے اپنے دیدار کی تجلی فرمائے گا اور وہ اس کو دیکھ لیں گے، امام شافعی نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کفار پر ناراضگی کی وجہ سے ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا تو جب اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہے تو ان کو اپنا دیدار عطاء فرمائے گا، سنو! اللہ کی قسم! اگر محمد بن ادریس کو یہ یقین نہ ہوتا کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھے گا تو وہ دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا، الحسین بن الفضل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دنیا میں اپنی توحید پر ایمان کے نور سے محروم رکھا اور آخرت میں ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: پھر بیشک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گے۔

یعنی دوزخ میں وہ لازم رہیں گے اور اس سے باہر نہیں آسکیں گے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا (النساء: ۵۶)

جب بھی ان کی کھالیں جس جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں کے ساتھ بدل دیں گے۔

فرمایا: پھر (ان سے) کہا جائے گا: یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

یعنی ان سے جہنم کے محافظ کہیں گے: یہ وہ عذاب ہے جس کی خبر تم کو رسولوں نے دی تھی اور تم اس کی تکذیب کرتے تھے

فرمایا: بیشک نیکوکاروں کا صحیفہ اعمال ضرور علیین میں ہے۔

علیین اور مومنوں کے صحابہ کے متعلق احادیث اور آثار:

نیکوکاروں کا صحیفہ علیین میں بلند جگہ رکھا ہوا ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: وہ صحیفہ اعمال جنت میں ہے، ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آسمان میں اللہ کی کتاب میں ہے، مجاہد اور قتادہ نے کہا: ساتویں آسمان میں مومنین کی روحیں ہیں، ضحاک سے ایک روایت ہے کہ وہ سدرۃ المنتهی ہے، جس پر اللہ کے تمام احکام ختم ہو جاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

ایک قول یہ ہے کہ علیین فرشتوں کی صفت ہے اور اس سے مراد ملائکہ مقربین ہیں۔

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: علیین والے ضرور، جنت کو فلاں مقام سے دیکھ رہے ہیں، پس جب اہل علیین میں سے کوئی شخص جھانکتا ہے تو اس کے چہرے کی روشنی سے جنت روشن ہو جاتی ہے، پس جتنی کہتے ہیں: یہ کیسا نور ہے؟ تو کہا جائے گا: علیین والوں میں سے ایک شخص نے جھانکا تھا اور وہ لوگ ابرار، اطاعت گزار اور اصحاب صدق ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۹۸۷):

حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اہل جنت اہل علیین کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح چمکتے ہوئے ستارہ کو آسمان کے کنارے میں دیکھا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۲۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۳۱: ۲۸۳۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے؟ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو علیین کے متعلق کس نے خبر دی، اس میں علیین کے بلند مرتبہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہ روایت ذکر کی ہے:

فرشتے بندوں کے اعمال لے کر اوپر چڑھتے ہیں، جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے: تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اپنے بندے کے دس کا نگہبان ہوں اور اس نے اخلاص سے میرے لیے عمل کیا ہے، اس کے اس عمل کو علیین میں رکھ دو، بیشک میں نے اس کو بخش دیا ہے اور فرشتے کسی اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں، جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے: تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اس کے دل کا نگہبان ہوں، اس نے یہ عمل اخلاص سے میرے لیے نہیں کیا، اس عمل کو بحین میں رکھ دو۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱ ص ۲۲۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں۔

یعنی ابرار کے نیک اعمال پر ہر آسمان سے مقرب فرشتے گواہ ہیں۔ وہب بن منبہ اور امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مقربین

سے مراد یہاں پر حضرت اسرافیل (علیہ السلام) ہیں، پس جب مومن کوئی نیک عمل کرتا ہے تو فرشتہ اس کو صحیفہ میں لکھ کر آسمان پر چڑھتا ہے اور اس کا نور آسمانوں میں اس طرح چمکتا ہے جس طرح سورج کا نور زمین پر چمکتا ہے حتیٰ کہ وہ فرشتہ اس کو لے کر حضرت اسرافیل تک پہنچتا ہے، پھر وہ اس پر مہر لگا دیتا ہے اور حضرت اسرافیل اس پر گواہ ہوتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱۹ ص ۲۲۶)

ترمیم نحوی و تحقیق صرفی:

کَلَّمَ، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) بَلَن، حرف اضراب (بلکہ) رَانَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَانَ يَرُنُّ، مصدر رَنَيْتًا، زنگ آلود ہونا، زنگ لگنا (زنگ لگ گیا ہے) عَلَيَّ كَلُّوْهُم (عَلَيَّ - كَلُّوْهُم - هُمْ) عَلَيَّ، حرف جار، پر، كَلُّوْهُم، مجرور، مضاف، دلوں، واحد، قَلْبٌ، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے دلوں پر) مَ، اسم موصول (جو) كَاثُوْا، فعل ناقص ماضی جمع مذکر غائب كَان يَكُوْنُ، مصدر كُوْنَا، ہونا (وہ تھے) يَكْسِيُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب كَسَبَ يَكْسِبُ، مصدر كَسَبًا، کمانا (وہ کماتے) كَلَّمَ، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) اِنْهُمْ (اِنْ - هُمْ) اِنْ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) عَنِ رَّيْهُمْ (عَنِ - رَبِّ - هُمْ) عَنِ، حرف جار، سے، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنے (اپنے رب سے) يَوْحِيْ ذِيْ (يَوْمَ - اِذْ) يَوْمَ، مضاف، دن، اِذْ، مضاف الیہ، اس (اس دن) كُذِّبُوْنَ (لَ - كُذِّبُوْنَ) لَ، لام تاکید، یقیناً، كُذِّبُوْنَ - حَجَابًا، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر، حجاب میں رکھے جانے والے (یقیناً حجاب میں رکھے جانے والے) هُمْ، حرف عطف (پھر) اِنْهُمْ (اِنْ - هُمْ) اِنْ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) لَصَّاوُا اَنْحِمْ (لَ - صَاوُا - اَنْحِمْ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، صَاوُا، مضاف، اصل میں، صَاوُوْنَ، تھا، اضافت کی وجہ سے جمع کا نون گرا ہوا ہے، صَلُّی، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، داخل ہونے والے، اَنْحِمْ، مضاف الیہ، جہنم (یقیناً جہنم میں داخل ہونے والے) هُمْ، حرف عطف (پھر) يُقَالُ، فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب قَالَ يَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (کہا جائے گا) هَذَا، اسم اشارہ واحد مذکر قریب (یہ) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جو، وہ جس) كُنْتُمْ، فعل ناقص ماضی جمع مذکر حاضر كَان يَكُوْنُ، مصدر كُوْنَا، ہونا (تم تھے) یہ (بہ - ہ) ب، حرف جار، کو، ہ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کو) تَكْذَّبُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر ضرکذَّبَ يَكْذِّبُ، مصدر تَكْذِیْبٌ، جھٹلانا (تم جھٹلایا کرتے) کَلَّمَ، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) اِنْ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) كَسَبَ الْاُتْرَارِ (كَسَبَ - الْاُتْرَارِ) كَسَبَ، مضاف، کتاب، اعمال نامہ، الْاُتْرَارِ، مضاف الیہ، واحد، بَرَّوْا بَارًا (نیک لوگوں کا اعمال نامہ) لَفَّی عَلَیْہِمْ (لَ - فَنَیْ عَلَیْہِمْ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، فَنَیْ، حرف جار، میں، عَلَیْہِمْ، مجرور، عَلُوْ، مصدر سے مشتق، مبالغہ کیلئے ہے، بلند مقامات،

کے رجسٹر، عَلَیْہِمْ (یقیناً عَلَیْہِمْ میں) وَ، حرف عطف (اور) مَا اسْتَغْنٰہِمْ بِمَعْنٰی، اُنْیَ شَئٍ (کس چیز) اُذْرٰی (اُذْرٰی - ک) اُذْرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اُذْرٰی یُذْرِی، مصدر اُذْرٰی، جاننا، معلوم کر دانا، خبر دینا، آگاہ کرنا، اس نے معلوم

کر دایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) ما، استفہامیہ (کی) عَلَیُّنَ - عَلُو، مصدر مشتق، واحد عَلَیَّتْ کا اعلیٰ مقام، بلند مقامات، نیکی کے رجسٹر، عَلَیِّینَ (کُتِبَ مَرْجُومٌ - کُتِبَ، موصوفی کتاب، مَرْجُومٌ، صفت رَجُم، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، لکھی ہوئی (ایک لکھی ہوئی کتاب ہے) یَشْهَدُ (یَشْهَدُ - هُ) یَشْهَدُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب یَشْهَدُ، مصدر فَشَّحَا ذَه، موجود ہونا، حاضر ہونا، وہ حاضر رہتا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع، کُتِبَ، ہے (وہ اس کے پاس حاضر رہتا ہے) اَلْمَقْرُبُونَ - ثَرِیْب، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر (قریب کیے گئے، قرب پالینے والے، عزت والے، سب مقرب) واحد، اَلْمَقْرُبُ

آیت ۲۸۶۲۲

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (۱) عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ (۲) تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ (۳) يُسْقُونَ مِنْ رَاحِيَةٍ عَنُودٍ (۴) حَتَّىٰ مُمِئَةٍ مَّسْكَ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (۵) وَمِمَّا أَجْتَهُ مِنْ تَسْلِيمٍ (۶) عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ (۷)

ترجمہ:

یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہونگے۔ (۲۲) تختوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے۔ (۲۳) تو ان کے چہروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان لے گا۔ (۲۴) انھیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی۔ (۲۵) جس پر مشک کی مہر ہوگی، سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے (۲۶) اور اس کی آمیزش تسنیم ہوگی (۲۷) جو ایک چشمہ ہے، جس سے مقرب لوگ پینیں گے۔ (۲۸)

تفسیر:

فرمایا: یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہونگے۔ (۲۲) اِلٰہِ جنت میں ابرار کی نعمتیں، رحیم مَحْمُوم اور تسنیم کے معانی:

ابرار یعنی نیکوکار جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہوں گے، اور وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان کرامات کو دیکھ رہے ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی ہیں، مقاتل نے کہا: وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے اہل دوزخ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال ذات کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

ان نعمتوں کے ملنے سے ان کی جو خوشی ہوگی اور ان کے چہروں پر جو رونق اور تروتازگی ہوگی، اس کو دیکھ کر آپ انھیں پہچان لیں گے، ان کو شراب طہور پلائی جائے گی جس میں کوئی تلخی ہوگی نہ کوئی نشہ ہوگا، اس آیت میں ”رحیق“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: صاف اور شفاف شراب، اس شراب پر مشک کی مہر لگی ہوئی ہوگی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: شراب پینے کے بعد ان کو مشک کا ذائقہ آئے گا۔

حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس مسلمان نے کسی بے لباس

مسلمان کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اور جس مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھگوں سے کھلائے گا، اور جس مسلمان نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا، اللہ اس کو ”رحیق مختوم“ (مشک کے ذائقہ والی شراب) پلائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۶۷۲)

”قلیتا ناس“ کا معنی:

اس کا مصدر ”تنافس“ ہے، اس کا معنی ہے: رغبت کرنا، یعنی ان نعمتوں میں رغبت کرنا چاہیے اور ان نعمتوں کے حصول کے لیے اعمال صالحہ کرنے چاہئیں۔

تسنیم کی آمیزش کا مطلب:

تسنیم وہ مشروب ہے جس کو اوپر سے انڈیلا جائے گا، اور یہ جنت کی سب سے افضل شراب ہے۔ لغت میں تسنیم کا معنی ہے: بلندی، اونٹ کے کوہان کو سنام کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی اونٹ کی پیٹھ پر بلند ہوتا ہے، اسی طرح ”تسنیم القبر“ اس قبر کو کہتے ہیں جو اونٹ کے کوہان کی شکل پر بنائی جائے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: تسنیم جنت میں ایک چشمہ ہے جس سے صرف مقررین کو پلایا جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ تسنیم ہوا میں ایک چشمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بہہ رہا ہے اور اس سے اہل جنت کے برتنوں میں صاف شراب انڈیلی جائے گی۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

إِنّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَنَّا بَرَاءُ (نیک لوگ) واحد، بَرَّ وَبَارَّ، لَقِيَ نُعْنِمَ (لن۔ لنی۔ نُعْنِم) ل، لام تاکید، ضرور، یقیناً، فی، حرف جار، میں، نُعْنِم، مجرور، نعمت (یقیناً نعمت میں) عَلَيَّ اَنَا اَرَاكَ (علی۔ علی۔ اَنَا اَرَاكَ) عَلی، حرف جار، پر، اَنَا اَرَاكَ، مجرور، تَحْتُوں، واحد، لَرِيحُوں تَحْتُوں پر، مُنْظَرُون، فعل مضارع جمع مذکر غائب مُنْظَرُوْهُ، مصدر مُنْظَرَا، دیکھنا، نظارہ کرنا (وہ نظارے کر رہے ہوں گے) تُعْرِفُ، فعل مضارع واحد مذکر حاضر عَرَفَ، يَعْرِفُ، مصدر عَرَفَانِ وَ مَعْرِفَةٍ جاننا، پہچاننا (آپ پہچانیں گے) لَنِي وَ لَنُحْوِمْ (لن۔ وَ لَنُحْوِمْ۔ ہم) فی، حرف جار، بمعنی، من، سے، وَ لَنُحْوِمْ، مجرور، مضاف، چہرہ، واحد، وَ لَنُحْوِمْ، ہم، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے چہروں سے) نَفْرَةٌ نُعْنِمَ (نَفْرَةٌ۔ اَلنُّعْنِم) نَفْرَةٌ، مضاف، تروتازگی، رونق، تازگی، اَلنُّعْنِم، مضاف الیہ، نعمت راحت، عیش (راحت کی رونق، نعمت کی تازگی)۔ نُسْتَوْن، فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب سَلَّی۔ سَلَّی، مصدر سَلَّیْتُ، پلانا (وہ پلائے جائیں گے) مِنْ رَحِيْقٍ نُعْنِمَ۔ مِنْ، حرف جار، سے، رَحِيْقٍ، مجرور، موصوف، اسم جامد، وہ شراب جس میں ذرا آمیزش نہ ہو، خالص شراب، نُعْنِم، صفت، خُتْم، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، مہر لگی ہوئی، سر بہسر (سر بہسر خالص شراب میں سے) خُتْمٌ (خُتْم۔ خُتْم) خُتْم، مضاف، اس کے دو معنی ہیں، مہر کرنے کی چیز، یعنی وہ مسالہ جس سے مہر کیا جائے، دوسرا ہر شے کا آخر اور خاتمہ، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی مہر، اس کا خاتمہ) مَرَكَمَ، اسم (مَرَكَم، مکتوری) وَ فَنِي ذَلِكْ فَنِيْتَا فَنِيْتَا فَنِيْتَا فَنِيْتَا اور پس رغبت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس میں رغبت کریں۔ وَ، حرف عطف (اور) فَنِي ذَلِكْ۔ فَنِي، حرف جار، میں، ذَلِكْ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس میں) فَنِيْتَا فَنِيْتَا (ف۔ لن۔ فَنِيْتَا فَنِيْتَا) ف، حرف عطف، پس، ل، لام امر جازم، چاہیے کہ، فَنِيْتَا فَنِيْتَا، فعل مضارع واحد مذکر غائب مجزوء فَنِيْتَا فَنِيْتَا، مصدر فَنِيْتَا فَنِيْتَا، رغبت کرنا، مرغوب چیز کا دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا، سبقت کرنا، وہ رغبت کرے (پس چاہیے کہ وہ رغبت کرے) اَلنُّعْنِمَ فَنِيْتَا فَنِيْتَا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (سبقت کرنے والے، رغبت کرنے

والے) و، حرف عطف (اور) مزاج (مزاج) (مزاج) مضاف، مصدر، مزاج، آمیزش، باہم ملانا، باہم ملا کر، ملاوٹ، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی آمیزش) من تنسّم۔ من، حرف جار، سے، تنسّم، مجرور، تنسّم، جنت میں ایک چشمہ کا نام، وہ چیز جو خوشبو یا ذائقہ کیلئے شربت یا پانی میں ملائے ہیں (تنسّم سے) عیناً (ایک چشمہ) یشرّب، فعل مضارع واحد مذکر غائب شرب، مصدر شرب، پینا (وہ پے گا) ہا (ب) ہا (ب) حرف جار، من، سے، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، عیناً، ہے (اس سے) التقرّب۔ تقرّب، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر (قریب کیے گئے، قرب پالینے والے، مقرب لوگ) واحد، التقرّب

آیت ۲۹ تا ۳۶

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ (۲۹) وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ (۳۰) وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ (۳۱) وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ (۳۲) وَمَا أَرْسَلُوا عَلَيْهِمْ مَحْفُظِينَ (۳۳)

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جنہوں نے جرم کیے، ان لوگوں پر جو ایمان لائے، ہنسا کرتے تھے۔ (۲۹) اور جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے۔ (۳۰) اور جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس آتے تو خوش گپیں کرتے ہوئے واپس آتے تھے۔ (۳۱) اور جب انہیں دیکھتے تو کہا کرتے تھے بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔ (۳۲) حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ (۳۳) سو آج وہ لوگ جو ایمان لائے، کافروں پر ہنس رہے ہیں۔ (۳۴) تختوں پر (بیٹھے) نظارہ کر رہے ہیں۔ (۳۵) کیا کافروں کو اس کا بدلہ دیا گیا جو وہ کیا کرتے تھے؟ (۳۶)

تفسیر:

فرمایا! بے شک وہ لوگ جنہوں نے جرم کیے، ان لوگوں پر جو ایمان لائے، ہنسا کرتے تھے۔

(مجرمین کون ہیں):

اللہ تعالیٰ نے مجرمین کا حال اور ان کا انجام مختلف سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ جہاں متقین اور صالحین کا حال بیان کیا ہے۔ وہاں مجرمین کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ اور جرائم میں شرک سے بڑھ کر کونسا جرم ہو سکتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”ان الشّرک انظلم عظیم“ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ”الکفر ونہم انظلمون“ دنیا میں سب سے بڑا ظالم کافر ہے جو خدا کے دین اور اس کی شریعت کا منکر ہے۔ یہ لوگ اس دین کا انکار کرتے ہیں جو دین اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہتری کے لیے نازل فرمایا۔ مجرمین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ جو قانون کو مانتے ہوئے اس کے خلاف چلتے ہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جن مجرمین کا ذکر کیا ہے۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ضائع کرتے ہیں۔ کلام کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو دین داروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ مکہ کے یہ روسا غریب مسلمانوں پر ہنستے تھے۔

(ضعفاً مدحاً؛)

فرمایا؛ واذ امرنا بهم جب یہ آسودہ حال لوگ غریب دینداروں کے قریب سے گذرتے تھے۔ یہ تنغا مزدوں تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں دیکھو یا یہ پھٹے پرانے لباس والے جنت کے والی جا رہے ہیں۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان ہے۔ نہ ان کے پاس سواریاں ہیں۔ مالی حالت نہایت کمزور ہے۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم کامیاب ہیں نحن اکثر اموالا واولادا "ہم ان سے مال و اولاد میں زیادہ ہیں۔ ہم کو سزا دینے والا کون ہے۔ اور معترضین آسودہ حال لوگ ہی تھے۔ دوسری جگہ فرمایا "وہل لکل حمزة لمزة" یہ پشت پیچھے عیب جوئی کرنے والے اور سامنے طعنہ دینے والے ان کو کس چیز کا گھمنڈ ہے۔ "الذی جمع مالا وعدہ" یہ مال و دولت کی وجہ سے شئی بگھارتے ہیں اور اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ کمزور اور غریب اہل ایمان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ ان کی شکلوں پر اعتراض ان کے لباس پر اعتراض ان کی وضع قطع پر اعتراض ان کی نمازوں پر اعتراض اس طرح یہ امیر لوگ غریب ایمان والوں کا مذاق اڑاتے تھے ان کی تذلیل کرتے تھے۔

(کسی کو حقیر نہیں جانتا پائیے؛)

کے کے سرداران ابو جہل عتبہ شیبہ وغیرہ حضرت بلال صہیب جیسے نادان اور کمزور مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتے تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ قرآن پاک میں صاف موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر (علیہ السلام) کو فرمایا "ولا تعد عینک عنکم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا آپ اپنی نگاہ شفقت ان غرباء سے بالکل نہ ہٹائیں۔ کیا آپ دنیا کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو دنیا کا مال و دولت اس لیے دیا ہے لنقتنم فیہ " تاکہ ان کی آزمائش کریں مگر یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ مال و دولت انھیں عیش و آرام کے لیے دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے ہاں مقبول لوگ ہیں۔ فرمایا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آزمائش ہے۔ اصل چیز تو ایمان اور نیکی ہے۔ اللہ کے ہاں مقبولیت کے لیے ان چیزوں کو دیکھا جائے گا۔ نہ مال و دولت کو۔

فرمایا؛ یہ مجرم اور گناہ گار لوگ ایمان والوں پر ہنستے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گذرتے تھے تو اشارے کرتے تھے۔ دیکھو! یہ حوروں کے خاوند جا رہے ہیں یہ جنت کے والی جا رہے ہیں۔ ان کی حالت دیکھو۔ اور ان کی صورتیں دیکھو۔ اس طرح کی باتیں کرتے تھے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان (ب ۲ ترمذی ص ۲۹۳) ہے دیکھو اپنے بھائی سے مزاح بھی نہ کرو۔ جس سے اس کی حقیر ہوتی ہو۔ اگرچہ مزاح مباح ہے مگر حقیر مقصود ہو تو جائز نہیں۔ آنکھ سے اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے۔

(مجرمین بمقابلہ مومنین؛)

مجرمین کی دوسری صفت یہ بیان کی۔ کہ واذ انقلبوا الی اہلہم جب یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ انقلبوا فکھین تو باتیں بناتے ہوئے پلٹتے ہیں۔ فکھتہ کے معنی خوش طبعی کرنا یا گپیں مارنا۔ یہ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہوئے اور خوش طبعی کرتے ہوئے گھروں کو جاتے ہیں کہ ان کے پاس تو سب کچھ موجود ہے۔ مگر مومنین کے پاس کچھ نہیں۔ ان کا مذاق اڑاتے ہیں

واذا راوهم جب یہ لوگ ایمان والوں کو دیکھتے ہیں قالوا ان ہوں لاء لصالون تو کہتے ہیں یہ تو گمراہ لوگ ہیں۔ جو جنت کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہماری طرح مال و دولت نہیں سمیٹتے۔ حالانکہ کمال یہی ہے کہ مال و دولت جمع کرو۔ اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرو۔ مگر یہ تو پہلے ہوئے لوگ ہیں جو دنیوی آسائشوں سے بے نیاز ہوئے بیٹھے ہیں۔ حلال و حرام کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے محاسبے کا غم کھائے بیٹھے ہیں۔ اور یہ کہ خدا کے ہاں عدل و انصاف ہوگا۔

اس کے برخلاف ایک مومن حلال و حرام میں تمیز کرتا ہے۔ جو دولت کماتا ہے۔ اس کو جائز طریقے پر خرچ بھی کرتا ہے۔ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ مگر یہ سرمایہ دار لوگ نیکوکاروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ان کو آخرت کی بات اچھی نہیں لگتی۔ مومنین کو دیکھتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ یہ پہلے ہوئے لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ عبادت و ریاضت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو کھپا رہے ہیں۔ اپنا آبائی دین اور دنیا کی عیش و عشرت کو چھوڑ رکھا ہے۔ ان کی یہ طرز ٹھیک نہیں ہے۔ یہ گمراہ لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جواب فرمایا وما ارسلوا علیہم حفظین وہ نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ کیا یہ بڑے بڑے سرمایہ دار ان عرب ایمانداروں کے محافظ ہیں۔ ان پر انسپٹر لگے ہوئے ہیں۔ جو ان کے مرز عمل کو غلط بتا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے ہوئے ہیں۔ خدا نے ان کو ایسا ہرگز مقرر نہیں فرمایا۔ ان کو اپنی فکر کرنی چاہیے۔ کہ ان کا اپنا انجام کیا ہونے والا ہے۔ مگر یہ لوگ غرباء پر طعن کرتے ہیں۔ اور ان کو بیوقوف کہتے ہیں۔

(قیامت کے روز ایماندار کافروں پر نہیں گے؛

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو فالیوم ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جس دن الذین امنو جو لوگ آج اللہ کی وحدانیت اور قیامت پر ایمان لائے ہیں من الکفار یسکون وہ کافروں پر نہیں گے۔ کیونکہ یہ ایک اصول ہے جو کسی پر ہوتا ہے اس پر ہسا جاتا ہے۔ جس طرح کافر دنیا میں مسلمانوں پر ہتے تھے اس آنے والے قیامت کے دن مومن کافر پر نہیں گے۔ یہ مومنین علی الاراکت۔ منظر وں تختوں یا بنچوں پر بیٹھ کر دائیں بائیں نظارہ کرتے ہوں گے۔ لطف اندوز ہوں گے۔ اس دن مومن لوگ کافروں کو کھیں گے۔ کہ تم نے دنیا کی فانی چیزوں میں پھنس کر اپنے ایمان کو برباد کیا اور اب آخرت کو بھی برباد کیا۔ لہذا آج ان فانی نعمتوں کا لطف اٹھاؤ۔ تم نے دائمی نعمتوں کے بدلے دنیا کی فانی نعمتوں کو پسند کیا ایمان سے محروم رہے۔ کفر و شرک کی رسموں کو پورا کرتے رہے۔ تم لوگ اپنی فکر کرنے کی بجائے کمزور مسلمانوں پر ہتے تھے۔ ان کو بیوقوف اور گمراہ کہتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اهل ثوب الکفار ما کانوا یفعلون کیا کافروں کو بدلہ دیا جائے گا اس کا جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے اس وقت انہیں کہا جائے گا کیا تمہیں بدلہ ملا، یا نہیں۔ تم نے اپنی کرتوتوں کا انجام دیکھ لیا یا نہیں۔ تم دنیا میں شرکیہ اور کفریہ کام کرتے تھے۔ استہزاء اور حقیر کرتے تھے آج اس کا بدلہ اور مزہ چکھ لیا تم نے۔ یقیناً ان کا انجام ان کے سامنے ہوگا۔ اور اپنے کیے کا بدلہ ان کو مل کر رہے گا۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) اَجْرُهُمْ، فعل ماضی جمع مذکر غائبہ اَجْرُمْ مُجْرِمٌ، مصدر اجرام، جرم کرنا (انہوں نے جرم کیے) کَانُوا، فعل ناقص ماضی جمع مذکر غائب کَان یُکُونُ، مصدر کونما، ہونا، مِنَ الَّذِیْنَ (مِنْ - اَلَّذِیْنَ) مِّنْ، حرف جار، بمعنی، علی، پر، اَلَّذِیْنَ، مجرور، اسم موصول جمع مذکر، وہ لوگ جو (ان لوگوں پر جو) اَمْسُوهُ، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَمْسَی یُؤْمِرُنْ، مصدر لکھنا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) یُفْکُحُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب فُکِحَ یُفْکُحُ، مصدر ضَمَّکَ وَضَمَّکَ، ہنسا (وہ ہستے) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) عُرِدُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عُرِدَ یُعْرِدُ، مصدر عَرَدَ عَرَدَ، گزرتا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ گزرتے) یَزِمُ (بِ - یَزِمُ) بِ، حرف جار، سے، یَزِمُ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان، (ان کے پاس) سے یَتَخَاوَرُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب تَخَاوَرَ یَتَخَاوَرُ، مصدر تَخَاوَرَ، آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرنا (وہ آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اِنْقَلَبُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اِنْقَلَبَ یَنْقَلِبُ، مصدر اِنْقَلَبَ، پلٹتا، لوٹتا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ لوٹتے) اِلٰی اِیْلَہِمْ (اِلٰی - اِلٰی) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، اِلٰی، مجرور، مضاف، گھر والے، اِلٰی، یَزِمُ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنے (اپنے گھروالوں کی طرف) اِنْقَلَبُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اِنْقَلَبَ یَنْقَلِبُ، مصدر اِنْقَلَبَ، پلٹتا، لوٹتا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ لوٹتے) کَلِمَیْنِ - قَوْلَہُ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (خوش گپیاں کرتے ہوئے، مذاق اڑاتے ہوئے، دل لگی کرتے ہوئے) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) رَاَوْهُمْ (رَاَوْہُمْ) رَاَوْہُ، فعل ماضی جمع مذکر غائب رَاٰ یَرٰ، مصدر رَاٰ یَرٰ، دیکھتا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ دیکھتے) یَمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کو (وہ ان کو دیکھتے) کَانُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب کَانَ یُکُونُ، مصدر کونما، کہتا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کہتے) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) ہُوَکَا، اسم اشارہ جمع قریب (یہ لوگ) لَعَنَکُمْ (لَ - لَعَنَکُمْ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، لَعَنَکُمْ - مَلَاکَ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، گمراہ واحد، مَلَاکَ (یقیناً گمراہ) وَ، حالہ (حالانکہ) نا، تانیہ (نہیں) اُرْسِلُوہُ، فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب اُرْسِلَ یُرْسَلُ، مصدر اُرْسِلَ، بھیجا (وہ بھیجے گئے تھے) عَلَیْہِمْ (عَلٰی - عَلٰی) عَلٰی، حرف جار، پر، یَمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب ان (ان پر) لَظْفِیْنِ - جَعَلْہُ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (حفاظت کرنے والے، نگرانی کرنے والے، نگران) وَاحِدَ عَاقِلَہُ، فَاَلِیَوْمَ (ف - اَلِیَوْمَ) ف، حرف عطف، ہنس، اَلِیَوْمَ، آج (ہنس آج) قِیَامَتِکَ (دُن) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اَمْسُوہُ، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَمْسَی یُؤْمِرُنْ، مصدر لکھنا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) مِنَ الْکَافِرِ (مِنْ - الْکَافِرِ) مِّنْ، حرف جار، بمعنی، علی، پر، الْکَافِرِ، مجرور، جمع معرفہ، منکرین اسلام، کافروں، وَاحِدَ الْکَافِرِ (کافروں پر) یُفْکُحُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب فُکِحَ یُفْکُحُ، مصدر ضَمَّکَ وَضَمَّکَ، ہنسا (وہ ہنس رہے ہیں) عَلٰی اَنَّا رَاٰکَ (عَلٰی - اَنَّا رَاٰکَ) عَلٰی، حرف جار، پر، اَنَّا رَاٰکَ، مجرور، تَحْتُوں، وَاحِدَ اَرَبَکَ (تحتوں پر) یَنْظُرُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب یَنْظُرُ یَنْظُرُ، مصدر نَظَرَ، دیکھتا، نظارہ کرنا (وہ نظارہ کر رہے ہیں) اَبَلْ، استفہامیہ (کیا) فُتِبَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب فُتِبَ یُفْتَبُ، مصدر فُتِبَ، بدلہ دینا، انعام دینا (بدلہ دیا گیا) الْکَافِرِ، جمع کسر (منکرین اسلام، کافروں) وَاحِدَ الْکَافِرِ، اسم موصول (اس کا جو) کَانُوا، فعل ناقص ماضی جمع مذکر غائب کَانَ یُکُونُ، مصدر کونما، ہونا (وہ تھے) یُفْکُحُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب فُکِحَ یُفْکُحُ، مصدر ضَمَّکَ وَضَمَّکَ، ہنسا (وہ ہنسا کرتے تھے)۔

(الحمد للہ سورہ مطفقین مکمل ہو گئی)

[سورۃ الانشقاق]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آیت ۵۵

إِذَا الشَّمْسُ انشَقَّتْ (۱) وَأَذْنُكَ لَيْزِيهَا وَخُفَّتْ (۲) وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ (۳) وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (۴) وَأَذْنُكَ لَيْزِيهَا (۵) وَخُفَّتْ (۶)

ترجمہ:

جب آسمان پھٹ جائے گا (۱) اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گا اور اس پر لازم ہے کہ یہی کرے (۲) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ (۳) اور اس میں جو کچھ ہے اسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ (۴) اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گی اور اس پر لازم ہے کہ یہی کرے (۵)

کوائف:-

اس سورۃ کا نام سورۃ الانشقاق ہے جو اس سورۃ کی پہلی آیت میں موجود ”انشقت“ کا لفظ ہے یہ نام بھی اسی سے مأخوذ ہے یہ سورۃ ترتیب تلاوت میں ۸۴ نمبر پر ہے اور ترتیب نزول میں ۸۳ نمبر پر ہے اس سورۃ میں ایک رکوع ۲۵ آیات ہیں۔ یہ سورۃ کی ہے

ما قبل سے ربط:

سورۃ التطفیف میں مذکور ہوا کہ تم کسی حیلے بہانے سے اپنے مقامات سے نکل نہیں سکو گے۔ یہاں علی سبیل الترقی فرمایا ”لترکبن طباقاً عن طبق“ کہ تم دوزخ سے نہیں نکل سکو گے اور تم پر دہاں کئی حالات آئیں گے اور تمہیں مختلف قسم کی ہول ناک سزاؤں سے دو چار ہونا پڑے گا۔ ”للا اقسام بالشفق الخ“ میں اس پر شواہد ذکر کیے گئے۔ نیز سورۃ التطفیف میں برے کام کرنے والوں کی ایک مثال ذکر کی گئی۔ ”ویل للمطففین“ اور یہاں نیک کاموں کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ ”یا ایہا الانسان انک کادح (الایہ)“

تفسیر:-

فرمایا: جب آسمان پھٹ جائے گا اور بادلوں سمیت اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔

”اذنت“ کا معنی:

الانشقاق ۲: میں ”اذنت“ کا لفظ ہے، علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اس کا معنی ہے: کسی بات کو سن کر اس کا علم حاصل کیا جائے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے فرمایا ہے کہ درج ذیل حدیث میں بھی ”اذن“ کا معنی سنا ہے، حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں:

مَا اخذ الله لشيء كاذنه لشيء يتغنى بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنا نہیں سنا جتنا اس نے اپنی نبی سے خوش آذاری کے ساتھ قرآن مجید کو سنا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۰۲۴، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۹۰):

حضرت ابن عباس (رض) اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ”واذن لربھا“ کا معنی ہے: زمین نے اپنے رب کا حکم سنا۔
قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: زمین نے اپنے رب کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔
(جامع البیان جز ۳۰ ص ۱۴۲-۱۴۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔
زمین کو پھیلانے کے متعلق احادیث:

زمین کو کھینچ کر پھیلانے کا ذکر ان احادیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ شب معراج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے قیامت کا تذکرہ کیا، پہلے انھوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے سوال کیا تو حضرت ابراہیم کو اس کا علم نہیں تھا، پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا، ان کو بھی علم نہ تھا، پھر سب نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا، حضرت عیسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت سے پہلے مجھ کو زمین پر نازل فرمائے گا بہر حال قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، پھر انھوں نے خروج دجال کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نازل ہو کر اس کو قتل کروں گا، لوگ اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے اور یاجوج ماجوج ہر بلندی سے ان کے سامنے آئیں گے، وہ جس پانی کے پاس سے گزریں گے اس کو پی جائیں گے اور جس چیز کے پاس سے گزریں گے اس کو خراب کر دیں گے، پھر لوگ اللہ سے فریاد کریں گے، پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے، پھر روئے زمین میں ان کی لاشوں سے بدبو پھیل جائے گی، پھر لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا، وہ بارش ان کی لاشوں کو سمندر میں ڈال دے گی، پھر پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور مجھے بتایا گیا کہ جب یہ ہوگا کہ تو قیامت اس طرح اچانک آجائے گی جس طرح گھروالوں کو پتہ نہیں چلتا کہ حاملہ عورت کے کب بچہ ہو جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۸۱، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن حسین بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ زمین کو پھیلا دے گا حتیٰ کہ لوگوں کے لیے صرف اپنے قدموں کی جگہ ہوگی، پس سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا اور جبرائیل رحمٰن کی دائیں طرف ہوں گے، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! بیشک انھوں نے مجھے خبر دی تھی کہ تو نے ان کو میری طرف بھیجا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ سچ ہے، پھر میں شفاعت کروں گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! تیرے بندوں نے اطراف زمین میں تیری عبادت کی ہے، علی بن حسین نے کہا: یہی مقام محمود ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۸۴۵۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مجاہد نے کہا: زمین اپنے مردوں کو باہر نکال دے گا۔ قتادہ نے کہا: زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال کر پھینک دے گی۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۴۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی فرماتے ہیں: زمین کی وسعت میں قیامت کے دن اضافہ کیا جائے گا کیونکہ اس دن اس میں تمام مخلوق حساب کے لیے کھڑی ہوگی، اور زمین میں اس دن اضافہ کرنا ضروری ہے خواہ زمین کو پھیلا کر اس میں اضافہ کیا جائے یا زمین کے طول و عرض میں زیادتی کر کے اس میں اضافہ کیا جائے۔

اور اس دن زمین اپنے پیٹ سے تمام مردوں اور خزانوں کو نکال کر باہر پھینک دے گی اور زمین خالی ہو جائے گی، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے باطن میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

اس سے پہلے آسمان کے لیے فرمایا تھا کہ وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور اب زمین کے لیے فرمایا: وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

إِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) اِسْمَاءُ (آسمان) جمع، اِسْمُولَاتٍ، اِسْمُولَاتٌ، فعل ماضی واحد مَوْثٌ غَائِبٌ اِسْمٌ يَنْشَقُّ، مصدر اِسْمُولَاتٌ، پھٹ جانا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پھٹ جائے گا) و، حرف عطف (اور) اِزْنَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثٌ غَائِبٌ اِزْنَتْ يَأْذُنُ، مصدر اِزْنَتْ، اجازت دینا، کَانَ لَکَانَ، سننا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کان لگائے گا) اِزْنَتْ، اِزْنَتْ، حرف جار بمعنی، اِزْنَتْ، اِزْنَتْ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مَوْثٌ غَائِبٌ، اپنے، ضمیر کا مرجع، اِسْمَاءُ، ہے (اپنے رب کے حکم پر) و، حرف عطف (اور) اِنْقَضَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْثٌ غَائِبٌ اِنْقَضَتْ، مصدر اِنْقَضَتْ، موزوں ہونا، جاز ہونا، حق ہونا، لازم ہونا، لائق ہونا (اس کا حق ہے) و، حرف عطف (اور) إِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) اِنْقَضَتْ، (زمین) اِنْقَضَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مَوْثٌ غَائِبٌ اِنْقَضَتْ، مصدر اِنْقَضَتْ، پھیلا نا (وہ پھیلا دی جائے گی) و، حرف عطف (اور) اِنْقَضَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثٌ غَائِبٌ اِنْقَضَتْ، مصدر اِنْقَضَتْ، ڈالنا، باہر پھینکنا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ باہر پھینک دے گی) نا، اسم موصول (جو) لیتا (ہے) اِنْقَضَتْ، حرف جار، میں، ہا، مجرور، ضمیر واحد مَوْثٌ غَائِبٌ، اس، ضمیر کا مرجع، اِنْقَضَتْ، ہے، (اس میں) و، حرف عطف (اور) اِنْقَضَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثٌ غَائِبٌ اِنْقَضَتْ، مصدر اِنْقَضَتْ، خالی ہونا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ خالی ہو جائے گی) و، حرف عطف (اور) اِزْنَتْ، فعل ماضی واحد مَوْثٌ غَائِبٌ اِزْنَتْ يَأْذُنُ، مصدر اِزْنَتْ، اجازت دینا، کَانَ لَکَانَ، سننا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کان لگائے گی) اِزْنَتْ، اِزْنَتْ، حرف جار بمعنی، اِزْنَتْ، اِزْنَتْ، مجرور، مضاف، رب،

پروردگار، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنے، ضمیر کا مرجع، اللزوم، ہے (اپنے رب کے حکم پر) د، حرف عطف (اور) محذوف، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب حقیقی، مصدر محذوف، جائز ہونا، حق ہونا، لازم ہونا، لائق ہونا (اس کا حق ہے)

آیت ۶: ۱۵۳

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا مَّا تَلَا قِيَوْمًا (۱) فَأَمَّا مَنْ أُوِّيَ كِتَابَهُ بِرَبِّهِ يَدِي (۲) فَسَوْفَ يَحْصِبُ حِسَابًا يَسِيرًا (۳) وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا (۴) وَأَمَّا مَنْ أُوِّيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ (۵) فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا (۶) وَيَصْلىٰ سَعِيدًا (۷) إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا (۸) إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّنْ يُجُوزَ (۹) بَلْ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِوَصْفِهِ آدِيمًا (۱۰)

ترجمہ:-

اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ تو اس سے جا ملے گا (۶) پس وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ (۷) سو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا، نہایت آسان حساب۔ (۸) اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش واپس آئے گا۔ (۹) اور وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا گیا۔ (۱۰) تو عنقریب وہ بڑی ہلاکت کو پکارے گا۔ (۱۱) اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا۔ (۱۲) بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔ (۱۳) یقیناً اس نے سمجھا تھا کہ وہ کبھی (اپنے رب کی طرف) واپس نہیں لوٹے گا۔ (۱۴) کیوں نہیں! یقیناً اس کا رب اسے خوب دیکھنے والا تھا۔ (۱۵)

تفسیر:-

فرمایا: اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ تو اس سے جا ملے گا (رب کے سامنے حاضری ہوگی)!

آسمان وزمین کے پھٹ جانے اور زمین کے خالی ہونے کے ذکر کے بعد خطاب کا رخ انسان کی طرف ہو جاتا ہے یا ایہا الانسان یعنی اے انسان اِنَّكَ كَادِحٌ بِشَكِّكَ تَمَّ تَكْلِيفِ اِطْهَانِے والے ہو الی ربك كد حاسبے رب کی طرف تکلیف اٹھانا فملقیہ پس اس سے ملنے والے ہو۔ یہ بھی ترقی کی بات ہوگی۔ انسان کو ہر صورت میں مشقت برداشت کرنا ہے "لقد خلقنا الانسان فی سبء" بیشک انسان کو ہم نے مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کوئی انسان مشقت سے خالی نہیں۔ اور پھر یہی مشقت برداشت کرتے کرتے اپنے رب کے حضور پیش ہو جاتا ہے۔ اگر انسان نے اپنی اس ترقی کو خراب نہ کیا، تو آگے خوشحالی نصیب ہوگی۔ اور اگر اسے خراب کر دیا تو آگے برا حال ہوگا۔ بہر حال ٹھو کریں کھا کر، مشقت برداشت کر کے ایک دن اپنے رب کے سامنے پہنچ جانا ہے۔ وہاں کی حاضری لازمی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے (ب ۱ تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۸ ج ۴) بحوالہ ابوداؤد طیالسی ہے کہ جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور نبی (علیہ السلام) سے کہا یا محمد عشت ماشئت فانك میت یعنی اے نبی کریم! آپ جب تک چاہیں زندہ رہیں مگر ایک دن موت ضرور آتی ہے۔ نیز یہ بھی کہا واجب ماشئت دنیا میں آپ جس سے

چاہیں محبت کریں فانک مفارقت ایک دن جدائی ضرور ہوگی۔ واعمل ماشئت فانک ملاقیہ آپ جو چاہیں عمل کریں۔ اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ مطلب یہ کہ انسان تکلیف اٹھا کر مشقت برداشت کر کے ایک دن ضرور اللہ کے ہاں پیش ہوگا۔ اس لیے انسان کو لازم ہے کہ دنیوی زندگی میں اپنے ترقی کے راستے کو خراب نہ کرے۔ اپنی فطرت کو نہ بگاڑے بلکہ اپنی اصل فطرت پر گامزن رہے۔ اور یہ وہی فطرت ہے جو انبیاء علیہم السلام کا راستہ ہے لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ توحید اور نیکی کے راستہ پر چلتا رہے اور اپنی فطرت کو نہ بگاڑے۔

(آسان حساب؛

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے قاما من اوتی کتبہ بیمینہ جسے اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں مل گیا اور ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ اسے ملے گا جس نے توحید، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کیا اور سیدھی فطرت پر ترقی کرتا چلا گیا۔ سورۃ حاقہ میں بھی بیان آچکا ہے کہ جس کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا تو وہ خوشی سے دوسروں کو دکھائے گا کہ یہ دیکھو میرا اعمال نامہ پڑھ لو۔ یہاں فرمایا کہ جس کا اعمال نامہ اسے دائیں ہاتھ مل گیا فسوف یحاسب حسابا یسیرا عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا من نوقش فی الحساب هلک جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ ام المؤمنین نے عرض کیا کہ حضور! حسابا یسیرا کیا ہے۔ تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ حساب کتاب کا اللہ کے حضور پیش ہو جانا ہی عرض ہے اور یہی حساب یسیر ہے۔ جس شخص سے پوچھ لیا گیا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا وہ مناقشہ میں آ گیا۔ ایسا شخص بچ نہیں سکے گا۔ آسان حساب یہ ہے کہ بس حساب پیش ہو گیا کچھ تعرض نہ فرمایا، جان بچ گئی۔

بعض اوقات حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز میں یہ دعا فرماتے (ب ۲ مسلم ص ۳۸۷ ج ۲، ترمذی ص ۴۸۱، بخاری ص ۹۶۷) تھے اللهم حاسبني حسابا یسیرا آگے سورۃ غاشیہ میں آ رہا ہے۔ آخر سورۃ میں جب آتا ہے ”ثم ان علينا حسابهم“ یعنی ان کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی دعا فرماتے تھے۔ کہ اے اللہ آسان حساب لینا۔

جب اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں مل گیا تو پھر ویسے قلب الی اہلہ مسرورادہ اپنے گھر کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔ اس کا گھر تو وہاں جنت ہوگا۔ وہاں سے پلٹ کر وہ جنت میں چلا جائے گا کیونکہ اس نے صحیح فطری ترقی اختیار کی۔ اسے محاسبے میں بھی آسانی پیدا ہو گئی۔ جنت کا ویزا مل گیا۔ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنے کا یہی مطلب تھا۔

(پس پشت اعمال نامے ملنے والا گروہ؛

اس کے بعد دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا واما من اوتی کتبہ ورلہ ظہرہ جسے اس کا اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے دیا گیا سامنے سے نہیں دیا گیا بلکہ ذلت و رسوائی کے لیے پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا فسوف یدعو اشرارہا پس وہ پکارے گا ہلاکت کو وہ کہے گا۔ کاش موت ہی آجائے جو بالکل فنا کر دے اور اس محاسبے سے بچ جائے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ایک ہلاکت کو نہ پکارو

تمہارے لیے بہت سی ہلاکتیں ہیں۔ ویسلی سحیر ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا۔ سحیر کا معنی بھڑکتی ہوئی آگ۔ اور یہ اس وجہ سے کہ انہ کان فی اہلہ مسرور اوہ دنیا کی زندگی میں اپنے گھر میں خوش تھا۔ خواہشات لذات اور برائیوں میں لگن تھا۔ اسے آخرت کی کوئی فکر نہ تھی۔ اس نے اس منزل کے لیے کوئی سامان پیدا نہ کیا۔ فطری ترقی کے لیے کوئی مشقت برداشت نہ کی۔ فطرت کو بگاڑ کر فطری ترقی سے محروم رہا اور آج یہ حال ہوا کہ نامہ اعمال پشت کے پیچھے سے ملا۔

دنیا میں وہ یہی خیال کرتا تھا۔ انہ ظن ان لن یحور کہ وہ رب کے سامنے پلٹ کر نہیں جائے گا۔ وہ فاسد العقیدہ تھا۔ اس کی سوچ درست نہیں تھی اسے اپنے رب کے ہاں حاضری کا یقین نہیں تھا۔ نہ وہ قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلی کیوں نہیں۔ اسے اللہ کے سامنے ضرور پیش ہونا ہے۔ قیامت برحق ہے۔ محاسبہ کا عمل یقینی ہے۔ یہ سب کچھ ہوگا۔ ان ربہ کان بہ بصیر دنیا میں اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے۔ انسان کے ہر عمل پر اس کی نگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر نگران ہے ایک دن ضرور اس کی پکڑ میں آئے گا۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ (یا۔ اَیُّہَا۔ اِنْسَان) یا، حرف مداء اے، اُنْکھا، جب منادی مذکر ہے، اَلْ، داخل ہو تو، یا، کے ساتھ اَیُّہَا لگا دیتے ہیں، اَلْاِنْسَانُ، منادی، انسان (اے انسان) اُنْکُ (اِنَّ۔ ک) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، تو (بے شک تو) کُدِرْ، کَدْکھا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (کوشش کرنے والا، مشقت کرنے والا، محنت کرنے والا) اِلّی زَیْکَ (اِلّی۔ زَیْ۔ ک) اِلّی، حرف جار، کی طرف، زَیْ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی طرف) کَدْکھا، مصدر اسم (خوب محنت، سخت کوشش) فَمَلَّکَیْہِ (ف۔ مَلَّکَیْ، ہ) ف، حرف عطف، پھر، مَلَّکَیْ، مضاف، مَلَّکَاۃ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، ملاقات کرنے والا، ملنے والا، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس سے (پھر اس سے ملنے والا) فَمَلَّکَا (ف۔ مَلَّکَا) ف، حرف عطف، پھر، فَا، حرف شرط و تفصیل، لیکن، رہا وہ (پھر رہا وہ) مَن، شرطیہ (جسے) اُبَیْ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب فِیْ یَوْمَیْ، مصدر ابتداء، دینا (وہ دیا جائے گا) کُتِبَہُ (کُتِب۔ ہ) کُتِبَ، مضاف، کتاب، اعمال نامہ، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا اعمال نامہ) یَتِمِّیْہِ (ی۔ یَتِمِّیْ۔ ہ) ی، حرف جار، بمعنی یعنی، میں، یَتِمِّیْ، مجرور، مضاف، دائیں ہاتھ، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے دائیں ہاتھ میں) فُتُوْفَ (ف۔ فُتُوْفَ) ف، حرف عطف، جواب شرط، تو، فُتُوْفَ، حرف استقبال، جلد ہی (تو جلد ہی) اِنْحَاسَبَ، فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب حَاسِبٌ حَاسِبٌ، مصدر اِنْحَاسَبَ، محاسبہ کرنا، حساب لینا (اس کا حساب لیا جائے گا) حَاسِبٌ اِنْحَاسَبَ، اسم مصدر، حساب بہ نسبت، صفت بہ نسبت، مصدر سے صفت مشبہ، نہایت آسان (نہایت آسان حساب) ہ، حرف عطف (اور) یَنْقَلِبَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اِنْقَلَبَ یَنْقَلِبَ، مصدر اِنْقَلَبَ، پلٹنا، لوٹنا، (وہ لوٹے گا) اِلّیْ یَلِیْہِ (اِلّی۔ یَلِیْ۔ ہ) اِلّی، حرف جار، کی طرف، یَلِیْ، مجرور، مضاف، گھر والے، امل، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے گھر والوں کی طرف) مَسْرُوْرًا۔ مَسْرُوْرًا، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر (خوش کیا ہوا، خوش خوش) ہ، حرف عطف (اور) فَا، حرف شرط و تفصیل (لیکن، رہا وہ) مَن، شرطیہ (جسے) اُبَیْ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب فِیْ یَوْمَیْ، مصدر ابتداء، دینا (وہ دیا جائے گا) کُتِبَہُ (کُتِب۔ ہ) کُتِبَ، مضاف، کتاب، اعمال نامہ، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا اعمال نامہ) وَرَّآہُ، مصدر ہے، آگے اور پیچھے دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں معنی (پیچھے) ہے۔ فَمَلَّکَہُ (ف۔ مَلَّکَہُ) ف، مضاف، پشت، پیٹھ، حج، فُطُوْرٌ، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی، (اس کی پیٹھ) برے آدمی کا اعمال نامہ لیتے وقت بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ پر ہوگا۔ فُتُوْفَ (ف۔ فُتُوْفَ) ف، حرف عطف،

تو، سوف، حرف استقبال، مضارع کو مستقبل کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب (تو عنقریب) یذعوب، فعل مضارع واحد مذکر غائب وفاقاً یذعوب، مصدر دَعَا وَذَعَوْهُ، پکارنا (وہ پکارے گا) یذعوب۔ خبر بجز، کا مصدر (ہلاک ہونا، مرجانا، موت، ہلاکت) ذ، حرف عطف (اور)۔ یصلی، فعل مضارع واحد مذکر غائب یصلی، مصدر یصلی، داخل ہونا (وہ داخل ہوگا) یصلی۔ مصدر سے اسم مفعول (بھڑکتی ہوئی آگ) اذ (اِنَّ - ه) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) کَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب کَانَ یُکُونُ، مصدر کُونَ، ہونا (وہ تھا) اِنَّ اِنَّ، حرف جار، میں، اِنَّ، مجرور مضاف، گھر والے، ال، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے گھر والوں میں) مَسْرُورٌ سُرُورًا، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر (خوش کیا ہوا، خوش خوش، ہلکی خوشی) اِنَّ (اِنَّ - ه) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، وہ (بے شک اس) ظَنُّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب ظَنُّ یُظَنُّ، مصدر ظَنًّا، گمان کرنا، سمجھنا (اس نے سمجھ رکھا تھا) اِنَّ، مصدر یہ (کہ) اِنَّ یُظَنُّ، فعل مضارع منصوب متنی موكد بن ناصبہ واحد مذکر غائب عَاذَ یُخَوِّزُ، مصدر یُخَوِّزُ، واپس ہونا، چلنا، لوٹنا (وہ ہرگز نہیں لوٹے گا) نَلِی، حرف جواب (کیون نہیں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقیناً) رَبُّ (ه - رَبُّ)، مضاف، رب، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا رب) کَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب کَانَ یُکُونُ، مصدر کُونَ، ہونا (وہ ہے) ہ (ب - ہ) ہ، حرف جار، کہ، ہ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کو) یَصِیْرُ، اللہ کا صفاتی نام، یُضَارَفُ، مصدر سے صفت مشبہ (خوب دیکھنے والا)

آیت ۱۶ تا ۲۵

فَلَا أَقْسِمُ بِاللَّهِ (۱۶) وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (۱۷) وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ (۱۸) لَتَرْكُنَّ ظِلْمًا عَنِّي (۱۹) فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۲۰) وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ (۲۱) بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكْذِبُونَ (۲۲) وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ (۲۳) فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۲۴) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۲۵)

ترجمہ:-

پس میں شفق (شام کی سرخی) کی قسم کھاتا ہوں (۱۶) اور رات کی، اور ان چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لیتی ہے (۱۷) اور چاند کی، جب وہ پورا ہوتا ہے! (۱۸) یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت میں پہنچو گے (۱۹) انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔ (۲۰) اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے (۲۱) بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جھٹلاتے ہیں۔ (۲۲) اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ (دلوں میں) جمع کر رہے ہیں۔ (۲۳) پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے (۲۴) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ (۲۵)

تفسیر:-

فرمایا: پس میں شفق (شام کی سرخی) کی قسم کھاتا ہوں

”شفق“ کا معنی:

الاشتقاق ۱۶: میں ”شفق“ کا لفظ ہے۔ ”شفق“ کے معنی میں اختلاف ہے، فقہاء شافعیہ کے نزدیک غروب

آفتاب کے بعد جو سرخی آسمان کے کناروں میں دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد جو سفیدی دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے۔

محمد بن محمود باترتی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

شفق کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا: شفق آسمان کے کناروں میں وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے، حضرت ابوبکر، حضرت معاذ، حضرت انس اور حضرت ابن الزبیر (رض) کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ شفق سرخی ہے، اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، یہ حضرت ابن عمر، حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن الصامت (رض) کا قول ہے اور امام شافعی (رض) نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شفق سرخی ہے۔ (موطا امام مالک ج ۱ ص ۳۹، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۶۹) اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مغرب کا آخری وقت وہ ہے جب آسمان کے کناروں میں سیاہی پھیل جائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۵۷، اسلام آباد)

اور آسمان کے کناروں میں سیاہی اسی وقت پھیلتی ہے جب سفیدی زائل ہو جائے اور امام شافعی نے جو حدیث روایت کی ہے کہ شفق سرخی ہے، وہ دراصل حدیث موقوف ہے۔ (عناہ مع فتح القدیر ص ۱ ص ۲۲۴-۲۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

فرمایا: اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے۔

”ون“ اور ”الن“ کا معنی:

اس آیت میں ”ون“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جمع کرنا، اسی اعتبار سے فقہاء غلہ کے اس بیانی کو وقت کہتے ہیں جس میں ساڑھ صاع طعام (غلہ یا نانج) جمع کیا جاسکے (ایک صاع چار کلو گرام کا ہوتا ہے) اور ”و“ وقت ہے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کو رات جمع کر لیتی ہے، جیسے چاند اور ستارے، اور انسانوں، حیوانوں اور حشرات الارض کی حرکات، کام کاج اور انتشار سے سکون کی طرف رجوع کرنا۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے: رات میں انسان جو کام کرتے ہیں، قفال نے کہا: ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد بندوں کا تہجد پڑھنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان بندوں کی تحسین فرمائی ہے جو سحری کے وقت اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔

فرمایا: اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔

اس آیت میں ”انسق“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا تام اور مکمل ہونا، اس کے اجزاء کا مجتمع ہونا، حضرت ابن عباس (رض) نے کہا: اس کا معنی ہے: جب چاند مستوی ہو جائے، قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: جب چاند گول ہو جائے۔

فرمایا: تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے۔

ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں سوار ہونے کے متعلق احادیث اور اقوال مفسرین؛

حضرت ابوسعید (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقہ کی اتباع کرو گے، بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ، حتیٰ کہ اگر پہلے لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی داخل ہو گئے، ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ کے طریقہ پر؟ آپ نے فرمایا: اور کس کے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۴۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۱۲۹):

حضرت عبد اللہ عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میری امت پر وہ احوال اور افعال ضرور طاری ہوں گے جو بنی اسرائیل پر طاری ہوئے تھے، برابر سرابر، حتیٰ کہ ان میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ برسر عام بدکاری کی تو میری امت میں بھی کچھ لوگ ایسا کریں گے۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث ۶۴۱، المستدرک ج ۱ ص ۱۲۹)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے "تَرْكُ كُنُفٍ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" (الانشقاق: ۱۹) کی تفسیر میں کھول سے روایت کیا ہے کہ ہر بیس سال بعد تم میں وہ کیفیات ہوں گی جو تم میں پہلے نہیں تھیں۔

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کے احوال بدلتے رہیں گے، وہ پہلے تنگ دست ہوں گے پھر خوش حال ہو جائیں گے اور پہلے خوش حال ہوں گے پھر تنگ دست ہو جائیں گے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں گھٹیا اور پست سمجھے جاتے تھے، وہ آخرت میں معزز ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں معزز تھے وہ آخرت میں حقیر ہوں گے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۲۲، و اراحیا التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فرمایا: تو ان کو کیا ہو وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟۔

یہ کفار قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے اور کفار کے شبہات زائل کیے جا چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر بتایا ہے کہ افلاک اور عناصر میں تغیرات واقع ہو رہے ہیں، شفق کے ظہور سے پہلے دن کی روشنی ہوتی ہے اور اس کے بعد رات کا اندھیرا چھ جاتا ہے اور رات کی ظلمت سے پہلے دن کا نور ہوتا ہے اور چاند کی جسامت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ افلاک اور عناصر میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ تمام مخلوق میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ قیامت قائم کر کے سب کو فنا کر دے اور پھر دوبارہ سب کو زندہ کر دے، پھر مشرکین اس پر کیوں ایمان نہیں لاتے!

فرمایا: اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

اگر انسان بغور قرآن مجید کو سنے تو اس کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ یہ کلام فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور جب قرآن مجید معجز کلام ہے تو سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا صدق واجب ہے، لہذا آپ کے احکام کی اطاعت کرنا واجب ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بعید قرار دیا کہ کفار قرآن مجید کو سن کر سجدہ نہیں کرتے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔" (العلقہ: ۸) سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو، پھر آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مؤمنین نے سجدہ کیا، اور کفار اپنے سروں کے اوپر تالیاں بجاتے رہے، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو یہ سجدہ نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ (رح) نے اس آیت سے سجدہ تلاوت کے وجوب پر دو وجہ سے استدلال کیا ہے، اول اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فعل کی اتباع کو واجب قرار دیا، فرمایا:

فَأَمَّا مَن ذَا النُّفُورِ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبَعُوا (الاعراف: ۱۸۸)

پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو قرآن مجید سن کر سجدہ تلاوت ادا نہیں کرتے، اور جب کسی فعل کے ترک پر مذمت کی جائے تو اس فعل کا کرنا واجب ہوتا ہے۔

(تفسیر گبیر ج ۱۱ ص ۱۰۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر ایمان لانے کے دلائل بالکل واضح ہیں لیکن کفار اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی وجہ سے اور ضد اور عناد کی وجہ سے ان دلائل کو جھٹلا رہے ہیں۔

فرمایا: اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں "یؤمنون" کا لفظ ہے، اس کا مصدر "الوعا" ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جمع کر کے تھیلی میں رکھنا، قرآن مجید میں ہے:

وجع فاعسى۔ (المعارج: ۸) اس نے جمع کیا اور سنبھال کر رکھا۔

انہوں نے اپنے دلوں میں جو شرک اور تکذیب کو جمع کر کے رکھا ہوا ہے، اللہ کو اس کا خوب علم ہے اور وہ ان کو اس کی دنیا میں آخرت میں سزا دینے والا ہے۔

فرمایا: سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

یعنی یہ کفار اپنے شرک اور تکذیب کی وجہ سے اس بشارت کے مستحق ہیں۔

فرمایا: سو ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان کفار میں سے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کو عظیم ثواب ہوگا۔

اس آیت میں 'غیر ممنون' کا لفظ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو جو ثواب ملے گا اس پر نہ کوئی احسان رکھا جائے گا اور نہ طعنہ دے کر ان کو اذیت پہنچائی جائے گی، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ثواب نہ کبھی ختم ہوگا نہ کبھی کم ہوگا اور یہ عبادات ترغیب میں بہت عظیم بشارت ہے، جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں میں کفر اور معصیت سے بہت زیادہ زجر و تنبیہ کی گئی ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:-

لَقَدْ اَنفَسْنَا (ف۔ ما۔ اَنفَسْنَا) ف، حرف عطف، پس، نا، تاکید قسم، کیسے، نہیں، اَنفَسْنَا، فعل مضارع واحد متکلم اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، قسم کھانا، میں قسم کھاتا ہوں (پس نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں) اَنفَسْنَا (ب۔ اَنفَسْنَا) ب، حرف جار، کی، اَنفَسْنَا، مجرور، سورج غروب ہونے کے بعد مغرب میں جو سرفی دکھائی دیتی ہے اسے، اَنفَسْنَا، کہتے ہیں، اَنفَسْنَا (شقق کی) اَنفَسْنَا (و۔ اَنفَسْنَا) و، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، قسم کیلئے، اور، اَنفَسْنَا، مجرور، قسم بہ، رات (اور رات کی) (قسم) و، حرف عطف (اور) نا، اسم موصول (جو) وَنفَسْنَا، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَنفَسْنَا، مصدر وَنفَسْنَا، جمع کرنا، اکٹھا کرنا، سمیٹنا، ترجمہ بمعنی مضارع میں (وہ سمیٹ لیتی ہے) وَنفَسْنَا (و۔ اَنفَسْنَا) و، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، قسم کیلئے، اور، اَنفَسْنَا، چاند (اور چاند کی) (قسم) و، حرف جار، زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) اَنفَسْنَا، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، پورا ہونا، مکمل ہونا، اذاعہ کی وجہ سے ترجمہ (وہ پورا ہوتا ہے) وَنفَسْنَا (و۔ اَنفَسْنَا) و، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، قسم کیلئے، اور، اَنفَسْنَا، ل، لام تاکید، بلاشبہ، تَزَكُّيْنَا، فعل مضارع موكد بانون تاکید تہلیل جمع مذکر حاضر زکب، مصدر زکب، سوار ہونا، چڑھنا (بلاشبہ تم یقیناً چڑھتے جاؤ گے) تَزَكُّيْنَا (طبقہ، درجہ، ایک حالت) عَن تَزَكُّيْنَا، حرف جار، بمعنی، بناء، کو، تَزَكُّيْنَا، مجرور (دوسری) حالت (دوسری) حالت کو (ف۔ نا) ف، حرف عطف، تو، بنا، استفہامیہ، کیا (تو کیا) اَنفَسْنَا (ل۔ اَنفَسْنَا) ل، حرف جار، کو، ہم، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کو) لَکَ اَنفَسْنَا، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، ایمان لانا (وہ ایمان نہیں لاتے) اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے (تو) وہ سجدہ نہیں کرتے۔ و، حرف عطف (اور) اذاعہ، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَنفَسْنَا، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب اَنفَسْنَا (نَفَرُوا)، مصدر اَنفَسْنَا، تلاوت کرنا، پڑھنا (وہ پڑھا جاتا ہے) اَنفَسْنَا (علی۔ ہم) علی، حرف جار، ہم، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) اَنفَسْنَا (قرآن) لَکَ اَنفَسْنَا، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، سجدہ، سجدہ کرنا (وہ سجدہ نہیں کرتے) بل، حرف اضرب (بلکہ) اَنفَسْنَا، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) اَنفَسْنَا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، کفر کرنا (انہوں نے کفر کیا) اَنفَسْنَا، فعل مضارع جمع مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، جھٹلانا (وہ جھٹلاتے ہیں) و، حرف عطف (اور) اللہ، خالق کائنات کا ذاتی نام (اللہ) اَنفَسْنَا، مصدر سے اهل التقضیل کا صیغہ (زیادہ جاننے والا) بنا (ب۔ نا) ب، حرف جار، کو، نا، مجرور، اسم موصول، جو (اس کو جو) اَنفَسْنَا، فعل مضارع جمع مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، جمع کرنا (نامہ اعمال میں) جمع کرنا، پوشیدہ رکھنا (دلوں میں) (وہ نامہ اعمال میں) جمع کرتے ہیں (بَشِّرْهُمْ ف۔ بَشِّرْهُمْ) ف، حرف عطف، پس، بَشِّرْ، فعل امر واحد مذکر حاضر بَشِّرْ، مصدر بَشِّرْ، خوشخبری سنانا، آپ خوشخبری سنا دیں، ہم، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (پس آپ انہیں خوشخبری سنا دیں) بَشِّرْ اَنفَسْنَا (ب۔ عذاب، اَنفَسْنَا) ب، حرف جار، کی، عذاب، مجرور، موصوف، عذاب، اَنفَسْنَا، مفت، اَنفَسْنَا، مصدر سے بمعنی فاعل مفت مشبہ، دکھ دینے والا، دردناک (دردناک عذاب کی) اَنفَسْنَا، حرف استثنا (مگر، سوائے) اَنفَسْنَا، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اَنفَسْنَا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) و، حرف عطف (اور) اَنفَسْنَا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَنفَسْنَا، مصدر اَنفَسْنَا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَنفَسْنَا، صلاخ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (تیک کام، اچھے کام، نیکیاں) واحد،

الضَّالِّیْنَ، ثُمَّ (الْ- ثُمَّ) ل، حرف جار، کیلئے، ثُمَّ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے) اَبْرَ (صلہ، جزاء بدلہ، اجر) غَیْرُ مَشْهُوْرٍ۔ اَبْرَ، کی صفت ہے، غَیْرُ، نہ، غیر، مَشْهُوْرٍ۔ مَرَقٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، کم کیا ہوا، قطع کیا ہوا، منقطع، ختم ہونے والا (نہ ختم ہونے والا)

(الحمد للہ سورہ اشتقاق مکمل ہو گئی)

[سورۃ البروج]

آیت ۱ تا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ (۱) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ (۲) وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ (۳)

ترجمہ:-

قسم ہے برجوں والے آسمان کی! (۱) اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے (۲) اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوا جائے! (۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ البروج ہے۔ اس کی پہلی آیت کریمہ میں بروج کا لفظ موجود ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ نازل ہوئی۔ چھبیس سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ستائیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور بائیس آیات ہیں۔

ما قبل سے ربط:

اس سورت میں بھی دیگر کی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ اسلام کی روح ہے، اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی، برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذہان اس بات کی طرف متوجہ کئے گئے کہ وہ نظام عالم اور اس کے مراد و معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے

ہاتھوں میں یہ سارا نظام فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے، لہذا ہر

صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہیے اور توحید خداوندی پر ایمان لانا چاہیے۔

تفسیر:-

فرمایا: برجوں والے آسمان کی قسم۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور حاضر کی اور جس کو حاضر کیا جائے گا۔
”بروج“ کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

”بروج“ ”برج“ کی جمع ہے۔ اس کے معنی بلند عمارت اور محل ہیں۔ گنبد اور ستارے کے مقام کو کہتے ہیں۔ آسمان کا بارہواں حصہ جو رصد گاہوں سے دکھائی دیتا ہے، اس کو بروج کہتے ہیں۔ علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں۔ سات آسمانوں میں سے ہر آسمانوں میں ایک سیارہ ہے۔ سات سیارگان یہ ہیں، قمر، زحل، عطارد، شمس، مشتری، مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں وہ ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں، وہ سادہ ہے، اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں، وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہیں یہ شکل شیر کی سی بنی جاتی ہے، اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے، اس کو برج میزان کہتے ہیں اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے، اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔ یہ کل بارہ برج ہیں، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔ گرمی، سردی، بہار اور خزاں یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔ (روح المعانی جز ۱۴ ص ۳۳-۳۲ مختصاً و موضحاً)

ڈاکٹر وہب زحلی لکھتے ہیں:

اہل عرب ستاروں اور بروج کے علم کو بہت عظیم علوم میں سے شمار کرتے تھے اور ان سے راستوں، اوقات اور ان سے خشک سالی اور فصل کی سرسبزی اور زرخیزی پر استدلال کرتے تھے۔ مریخ کا برج الحمل اور المقرب ہے اور زہرہ کا برج الثور اور المیزان ہے اور عطارد کا برج الجوزاء اور السنبلہ ہے اور القمر کا برج السرطان ہے اور الشمس کا برج الاسد ہے اور مشتری کا برج القوس اور الحوت ہے اور زحل کا برج الجدی اور الدلو ہے۔ (تفسیر منیر ج ۱۴ ص ۲۰، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)
”بروج“ کے معادلات میں اقوال مفسرین:

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

کسی عمارت کو مضبوط بنانے کے لیے اس کی ایک طرف پر جو گنبد بنایا جاتا ہے اس کو برج کہتے ہیں، اور بعض نے کہا: برج کا معنی محل ہے اور بعض نے کہا: برج کا معنی ستارے ہیں اور بعض نے کہا: یہ سورج، چاند اور ستاروں کی گزرگاہ ہیں اور ان کی منازل بروج ہیں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۴۲۴، مؤسسة الرسالہ، ناشرین، ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی حنفی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بروج کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) یہ مشہور بارہ برج ہیں، ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں بہت عجیب حکمت ہے کیونکہ ان بروج میں معارج حرکت اور دورہ کرتا ہے اور اس جہان کے فوائد سورج کے دورہ پر موقوف ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان بروج کا خالق زبردست حکیم ہے۔

(۲) بروج چاند کی منازل ہیں اور ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان بروج میں چاند دورہ کرتا ہے اور چاند کی حرکت سے آثار عجیبہ وجود میں آتے ہیں۔

(۳) بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں اور ان کو ان کے ظہور کی وجہ سے بروج فرمایا ہے کیونکہ بروج کا لغوی معنی ہے: ظہور۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۰۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں: بروج کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) الحسن، قتادہ، مجاہد اور ضحاک نے کہا: بروج سے مراد ستارے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس (رض)، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: بروج سے مراد محلات یا قلعے ہیں، عکرمہ نے کہا: یہ محل آسمان میں ہیں، مجاہد نے کہا: بروج محافظ ہیں۔

(۳) المنہال بن عمرو نے کہا: وہ کوئی خوب صورت مخلوق ہے۔

(۴) ابو عبیدہ اور یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ منازل ہیں، اور یہ بارہ برج ہیں جو ستاروں، سورج اور چاند کی منازل ہیں۔ قرہر

برج میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا رہتا ہے اور یہ اٹھائیس دن ہیں اور دوراتیں چھپا رہتا ہے اور سورج ہر برج میں ایک ماہ چلتا رہتا ہے، اور ان بارہ برجوں کے یہ اسماء ہیں: (۱) الحمل (۲) الثور (۳) (۴) السرطان (۵) الاسد (۶) السنبہ

(۷) المیزان (۸) المقرب (۹) القوس (۱۰) الجدی (۱۱) الدلو (۱۲) الحوت

کلام عرب میں ”البروج“ کا معنی ہے: ”القصور“ یعنی محلات یا قلعے

(الجامع الاحکام القرآن ج ۱۹ ص ۲۴۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، آسمان والوں اور زمین والوں سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ قیامت کے دن ان سب کو جمع کیا جائے گا۔

فرمایا: اور حاضری (قسم) اور جس کو حاضر کیا جائے گا۔

شاہد اور مشہور کے مصداق؛

اس آیت میں ”شاہد“ کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے: حاضر اور ”مشہور“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جس کو حاضر کیا گیا ہو۔

”شاہد“ اور ”مشہود“ کے مصداق میں اختلاف ہے، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ (رض) نے کہا: ”شاہد“ سے مراد جمعہ کا دن ہے اور ”مشہود“ سے مراد عرفہ کا دن ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس دن کا وعدہ کیا ہوا ہے وہ قیامت کا دن ہے اور ”یوم مشہود“ یوم عرفہ ہے اور ”شاہد“ یوم جمعہ ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۳۹، المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دن اور ہر رات شاہد ہے۔

حضرت مقل بن یسار (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو دن بھی بندے پر گزرتا ہے وہ اس سے ندا کر کے یہ کہتا ہے: اے ابن آدم! میں نوپیدا شدہ ہوں اور آج تم مجھ میں جو بھی عمل کرو گے میں اسی پر شہید (گواہ) ہوں، تو تم مجھ میں نیک کام کر دو کل میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا، سو اگر میں گزر گیا تو پھر تم مجھے کبھی نہیں دیکھو گے اور رات بھی آنے کے بعد اسی طرح ندا کرتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۰۳، ۱۴۰۷ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۱۶۱)

حضرت ابن عباس (رض)، حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ”شاہد“ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

و کفی باللہ شہیداً۔ (النساء: ۴۱) اور اللہ کافی شاہد (گواہ) ہے۔

قُلْ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَبَشِّرِ الْمُتَّقِينَ (النعام: ۱۰)

آپ کہیے کہ سب سے بڑی شہادت کس کی ہے؟ آپ کہیے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ شہید (گواہ) ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) کا ایک اور قول یہ ہے کہ ”شاہد“ سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (النساء: ۴۱)

(اے رسول مکرم!) اس وقت آپ کی کیا شان ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر شہید (گواہ) بنائیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔ (الاحزاب: ۴۶)

اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا۔

وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرہ: ۱۴۳) اور رسول تم پر گواہ ہوں گے۔

سے اسم فاعل واحد مذکر (حاضر ہونے والے) وَ مُشْهُوْرُوْا (مُشْهُوْرُوْا) حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور (قسم)، مُشْهُوْرُوْا، مجرور، مقسم بہ، شَہَادَةُ شَہُوْرُوْا، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر۔

آیت ۴ تا ۱۱

قُلْ أَصْحَابُ الْأَعْدُوْدِ (۴) النَّارِ ذَابِ الْوَقُوْدِ (۵) إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدُ (۶) وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُُوْدُ (۷) وَمَا نَقَبُوا بِهِ مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُدْعُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (۸) الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِِيْدٌ (۹) إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لَمْ يَكُونُوا أَقْلَهُمْ وَعَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ (۱۰) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ (۱۱)

ترجمہ:

خندقوں والے ہلاک کئے گئے (۴) جن میں آگ تھی بہت ایندھن والی (۵) جبکہ وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے (۶) اور ایمان والوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ (۷) اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔ (۸) وہ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ (۹) یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے تو بہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔ (۱۰) بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۱۱)

تفسیر:-

فرمایا: خندقوں والے ہلاک کئے گئے الخ؛

اصحاب الاعدو د کا قصہ:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں! یہ کفار کی ایک قوم تھی جنھوں نے ایمان داروں کو مغلوب کر کے انھیں دین سے ہٹانا چاہا اور ان کے انکار پر زمین میں گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ بھڑکائی پھر ان سے کہا کہ اب بھی دین سے ہٹ جاؤ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور ان ناخدا ترس کفار نے ان مسلمانوں کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا، اسی کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہوئے یہ ایندھن بھری بھڑکتی ہوئی آگ کی خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ان مومنوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اور اس عداوت و عذاب کا سبب ان مومنوں کا کوئی قصور نہ تھا، انھیں تو صرف ان کی ایمان داری پر غضب و غصہ تھا دراصل غلبہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کی پناہ میں آ جانے والا کبھی برباد نہیں ہوتا وہ اپنے تمام اقوال افعال شریعت اور تقدیر میں قابل تعریف ہے وہ اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچا دے اور اس کار از کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل وہ مصلحت و حکمت کی بنا پر ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ

اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں، آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے، اور وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، حضرت علی (رض) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اہل فارس کا ہے ان کے بادشاہ نے یہ قانون جاری کرنا چاہا کہ محرمات ابد یہ یعنی ماں بہن بیٹی وغیرہ سب حلال ہیں اس وقت کے علماء کرام نے اس کا انکار کیا اور روکا، اس پر اس نے خنڈیں کھدوا کر اس میں آگ جلا کر ان حضرات کو اس میں ڈال دیا، چنانچہ یہ اہل فارس آج تک ان عورتوں کو حلال ہی جانتے ہیں یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ یعنی تھے، مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہوئی مسلمان غالب آگئے پھر دوسری لڑائی میں کافر غالب آگئے تو انھوں نے گڑھے کھدوا کر ایمان والوں کو جلا دیا، یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ اہل حبش کا ہے یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے انھوں نے دانیال اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور اقوال بھی ہیں مسند احمد میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک جادوگر تھا، جب جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آ رہا ہے مجھے کوئی بچہ سوئپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستے میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سننا آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا، جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا، ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے پوچھیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا، یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو جادو دیکھتا تھا اور دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ دیکھتا تھا ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست بیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے، اس نے لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آسکتے، اور سب لوگ ادھر ادھر حیران و پریشان کھڑے ہیں اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقع ہے کہ میں امتحان کر لوں کہ راہب کا دین اللہ کو پسند ہے یا جادوگر کا؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ اللہ اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے اب اللہ کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہوا تو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا، اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کو تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے، بادشاہ کے ایک نائبینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی وہ بڑے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفاء دے دے تو یہ سب تجھے دے دوں گا اس نے کہا شفا میرے ہاتھ نہیں میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا شفا دینے والا اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے اگر تو اس پر ایمان لائے گا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں اس نے اقرار کیا بچے نے اس کے لیے دعا کی اللہ نے اسے شفاء دے

دی اور بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا، اور آنکھیں بالکل روشن تھیں بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے، وزیر نے کہا نہیں نہیں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے، بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے۔ اب اس نے اسے مار پیٹ شروع کر دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا اور اس نے اسے بلوایا اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو دیکھتا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے اس نے کہا غلط ہے نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو، شفا تو اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے، کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں اس نے کہا ہرگز نہیں، کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے؟ تو وہ کہنے لگا ہاں! میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا راہب کو بلا کر اس نے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا، اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آہستہ سے اس کے چہرے کو چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دیں سے پھر جا مگر اس نے بھی انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے لڑھکا دیں چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی (اللھم کفنیسم بما شئت) اللہ جس طرح چاہے مجھے ان سے نجات دے، اس دعا کے ساتھ پہاڑ ہلکا ہوا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے صرف وہ بچہ بچا رہا، وہاں سے وہ اتر اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا، بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا میرے اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے بھی یہی کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ، اور بچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بار الہی جس طرح چاہے مجھے ان سے بچا، موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا، اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا اے بادشاہ تو چاہے تمام تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائے گی۔ اس نے کہا کیا کروں فرمایا تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تنکا نکال میری کمان پر چڑھا اور بسم اللہ رب ہذا الغلام یعنی اسی اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک دے مجھے لگے اور اس سے میں مردوں کا چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا تیر بچے کی کپٹی میں لگا اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے یہ حال دیکھ کر بادشاہ

کے مصاحب گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم سمجھے ہی نہیں دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے ہم نے تو اسی لیے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ جائے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ ان میں لکڑیاں بھرو اور اس میں آگ لگا دو جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے آگ میں ڈال دو ان مسلمانوں نے صبر و ضبط کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود گرنے لگے، البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا بچہ تھا وہ ذرا ہچکچاتی تو اس بچہ کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے اور نسائی میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ ہے، یہ نوجوان شہید فن کردیے گئے تھے اور حضرت عمر بن خطاب (رض) کی خلافت کے زمانہ میں ان کی قبر سے انھیں نکالا گیا تھا ان کی انگلی اسی طرح ان کی کپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس صرح بوقت شہادت تھی، امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیان فرمایا تو ممکن ہے کہ حضرت صہیب رومی (رض) نے ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہو ان کے پاس نصرانیوں کی ایسی حکایتیں بہت ساری تھیں واللہ اعلم، (ابن کثیر)

قائدہ؛

لڑکے کا نام عبد اللہ بن تامر اور ظالم بادشاہ کا نام یوسف ذونواس تھا۔

فرمایا؛ وہ ایک آگ تھی ایندھن والی

النَّارِ، لَا تُخَدُّوْهُ سِوَايَ ذَاتِ الْوَقُوْدِ، اللہ کی صفت ہے۔ یعنی یہ خندقیں کیا تھیں؟ ایندھن والی آگ تھیں، جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لئے دھکائی گئی تھی۔

فرمایا؛ جب وہ اس کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔

کافر بادشاہ یا اس کے کارندے، آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جسنے کا تماشا دیکھ رہے تھے، جیسا کہ اگلی آیت میں؛ فرمایا؛ اور وہ اس پر جو وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے، گواہ تھے۔

فرمایا؛ اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔

یعنی ان لوگوں کا جرم جنہیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا یہ تھا کہ وہ اللہ پر جو غالب اور قابل ستائش ہے، ایمان لے آئے تھے فرمایا؛ وہ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے، یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے تو یہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت؛

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے۔ آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک ہے جن کی بنا کر وہی مستحق ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو جلادیا ہے۔ اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے کیے پر نادم نہ ہوئے تو ان کے لیے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔ تاکہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں خدا نے بزرگ و برتر کے رحم و کرم، اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھ کہ جن بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے انہیں مارا، انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی مغفرت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔ خدا یا ہمیں بھی اپنی وسیع رحمتوں سے بھر پور حصہ عطا فرما۔ آمین!

فرمایا؛ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے

یہاں ایمان و عمل صالح والے لوگوں کے لیے جنت کی بشارت کے ذکر کی دو مناسبتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اگر مسلمانوں کو ستانے والے لوگ بھی ایمان لا کر صالح عمل والے بن جائیں تو ان کے لیے بھی وہ باغات ہیں جن کے تلے نہریں بہتی ہیں۔ دوسری یہ کہ ایمان اور عمل صالح کے حامل جن مسلمانوں کو آزمائش کی بھٹیوں میں جھونکا جا رہا ہے وہ غم نہ کریں، یہ وقت گزر جانے والا ہے، آخرت میں ان کے لیے وہ عظیم الشان باغات تیار ہیں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان والوں کو آزمائشوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رکھنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انھیں جنت دے گا۔ کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو روحانیت کا لبادہ اوڑھ کر جنت کا مذاق اڑاتے اور اسے بے وقعت قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛

فَعَلَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب یَفْعَلُ، مصدر فَعْلًا، قتل کرنا، مارنا، ہلاک کرنا (ہلاک کیے گئے) اَضْلَبَ اَضْلَبُوْهُ (اَضْلَبَ۔ اَضْلَبُوْهُ) اَضْلَبَ، مضارع، والے، صاحبان، واحد، صاحب، اَضْلَبُوْهُ، مضارع الیہ، خندق، کھائی، جمع، اَضْلَبُوْهُ (خندق والے) اَنْتَابُ (اَنْتَابُ) اَضْلَبُوْهُ (اَضْلَبُوْهُ) اَضْلَبَ، مضارع، والے، صاحبان، واحد، صاحب، اَضْلَبُوْهُ، مضارع الیہ، اَیْدِیْہُمْ (ایندہن والی) اِذْہُمْ۔ اِذْ، ظرف زمان، ماضی کے واقعہ سے پہلے آتا ہے، جب، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (جب وہ) عَلَیْہَا (علیٰ۔ ہا) عَلَیْ، حرف جار، پر، ہا، مجرور، اسم موصول، جو (اس پر جو) فَعْلُوْهُ (فَعْلُوْهُ) فَعْلُوْهُ، مضارع، والے، بیٹھے ہوئے) پہلے معنی میں مصدر ہے، دوسرے میں، فَعْلُوْهُ، کی جمع ہے۔ وَ، حرف عطف (اور) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) عَلَیْہَا۔ عَلَیْ، حرف جار، پر، ہا، مجرور، اسم موصول، جو (اس پر جو) فَعْلُوْهُ، فعل مضارع جمع مذکر غائب فَعْلُوْهُ، مصدر فَعْلًا، کرنا، کام کرنا (وہ کر رہے تھے) اِذْہُمْ (اِذْہُمْ) اِذْہُمْ، حرف جار، کے ساتھ، اِذْہُمْ، مجرور، لہذا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، ایمان والے، مومنوں، واحد، اِذْہُمْ (ایمان والوں کے ساتھ) فَعْلُوْهُ، اسم فاعل جمع کسر واحد، شاہد، مشاہدہ کرنے والے، دیکھنے والے، گواہ، وَ، حرف عطف (اور) ہا، نافیہ (نہیں) فَعْلُوْهُ، فعل ماضی جمع مذکر غائب فَعْلُوْهُ، مصدر فَعْلًا، انتقام لینا، سزا دینا (انہوں نے انتقام لیا) فَعْلُوْهُ (مِن۔ ہُمْ) فَعْلُوْهُ، حرف جار،

سے، ہُم، مجرد، ضمیر جمع مذکر غائب، ان، ضمیر کا مرجع، اَلْمُؤْمِنِينَ، ہے (ان سے) اِنَّ، حرف استئنائی (مگر، سوائے) اَنْ، مصدر یہ (کہ) اَلْمُؤْمِنُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب اَنْ یُؤْمِنُوا، مصدر لکنا، ایمان لانا (وہ ایمان رکھتے) بِاللّٰہِ، بِالْ (ب۔ اللہ) ب، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، اللہ، مجرد، اللہ (اللہ پر) اَلْکَافِرُونَ، اللہ کا صفاتی نام، کُفْرًا، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بڑا زبردست) اَلْکَافِرِ، اللہ کا صفاتی نام، کُفْرًا، مصدر سے صفت مشبہ بمعنی مفعول (تعریف کیا ہوا، تعریف والا، نہایت قابل تعریف) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس) اَلْ (ال۔ ل) ل، حرف جار، کیلئے، ہ، مجرد، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) تِلْكَ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ، تِلْکَ، مضاف، بادشاہی، اَلْمَلٰٓئِکَۃُ، مضاف الیہ، آسمانوں کی، واحد، اَلْمَلٰٓئِکَۃُ، (آسمانوں کی بادشاہی) و حرف عطف (اور) اَلَّذِیْ (زمین) و اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیدٌ اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ و اللّٰہُ (و۔ اللہ) و، حرف عطف، اور، اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ۔ عَلٰی، حرف جار، پر، کُلِّ، مجرد، مضاف، ہر شَیْءٍ، مضاف الیہ، چیز (ہر چیز پر) شَہِیدٌ۔ شَہَادَةٌ و شَہُوٌّ، مصدر سے بروزن، فَعِیلٌ، اسم فاعل واحد مذکر (گواہ، حاضر، موجود) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بلاشبہ) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر، قَتَلُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ یَقْتُلُوْنَ، مصدر قَتَلَ و قَتْلًا، تکلیف دینا آزمائش میں ڈالنا (انہوں نے تکلیف دیں) اَلْمُؤْمِنِیْنَ۔ لکنا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (ایمان والے، مومن مردوں) واحد، اَلْمُؤْمِنِیْنَ، و، حرف عطف (اور) اَلْمُؤْمِنٰتِ۔ لکنا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (ایمان والیاں، مومن عورتیں) واحد، اَلْمُؤْمِنٰتِ، ثُمَّ، حرف عطف (پھر) لَمْ یَسْتَوُوا، فعل مضارع متنی جہد ہم جمع مذکر غائب اَنْ یُسَوُّوْا، مصدر تَوَبَّہُ، تَوَبَّہُ، کی وجہ سے ترجمہ (انہوں نے توبہ نہیں کی) قَلَّمَ (ل۔ ل۔ ہُم) ف، حرف عطف، تَوَلَّ، حرف جار، کیلئے، ہُم، مجرد، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے) عَذَابٌ جَنَّتُمْ۔ عَذَابٌ، مضاف، عَذَابٌ، جَنَّتُمْ، مضاف الیہ، جہنم کا (جہنم کا عذاب) و، حرف عطف (اور) قَلَّمَ (ل۔ ل۔ ہُم) ل، حرف جار، کیلئے، ہُم، مجرد، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے) عَذَابٌ اَلْحَرِیْقِ (عَذَابٌ۔ اَلْحَرِیْقِ) عَذَابٌ، مضاف، عَذَابٌ، اَلْحَرِیْقِ، مضاف الیہ، عَزَقٌ، مصدر سے فاعل کے وزن پر صفت مشبہ اسم فاعل اور مفعول دونوں کے متنی دیتا ہے، جلنے کا (جلنے کا عذاب) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اَلْمُؤْمِنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَنْ یُؤْمِنُوْا، مصدر لکنا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) و، حرف عطف (اور) عَمِلُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلُوْا، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَلْعَمَلٰتِ۔ مَلَاکَہ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (نیک، اچھے کام) واحد، اَلْعَمَلٰتِ، قَلَّمَ (ل۔ ل۔ ہُم) ل، حرف جار، کیلئے، ہُم، مجرد، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے) جَنَّتُمْ (جنتیں، باغات) واحد، جَنَّتُمْ، فَعِیلٌ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب بجزی تجزئی، مصدر بجزی و تجزیاء، بہتا (وہ بہتی ہے) مِّنْ تَحْتِہَا (مِن۔ تَحْتِہَا) مِّنْ، حرف جار، سے، تَحْتِہَا، مجرد، مضاف، نیچے، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع، جَنَّتُمْ، ہے (ان کے نیچے سے) اَلْاَشْجُرُ (نہریں) واحد، اَلْاَشْجُرُ، اَلَّذِیْ اَقْوَدَ الْاَیْمٰنُ، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اَلَّذِیْ، اسم اشارہ واحد مذکر، ترجمہ "وہ" ضرور بتا ترجمہ (یہی) کیا جاتا ہے۔ اَقْوَدَ الْاَیْمٰنُ (اَقْوَد۔ الْاَیْمٰنُ) اَقْوَدَ، موصوف، مصدر، کامیاب ہونا، کامیابی، اَلْاَیْمٰنُ، صفت، کبریا، مصدر سے صفت مشبہ، بہت بڑی۔

آیت ۱۲ تا ۲۲

اِنْ یَطْلُقْ رَبُّكَ لَشَدِیدٌ (۲) اِنَّہٗ ہُوَ یَسِیْرٌ وَّ یُعِیْدُ (۳) وَہُوَ الْعَفُوْرُ الْوَدُوْدُ (۴) ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ (۵) فَتَعَالٰ لِتَاٰیْرِیْدُ (۶) هَلْ اَتَاكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ (۷) فِرْعَوْنُ وَفُتُوْدُ (۸) بَلِ الْاٰیْدِیْنَ کَفَرُوْا وَاٰی تَکْلِیْبِ (۹) وَاللّٰہُ مِنْ وَرَایْہُمْ مُّحِیْطٌ (۱۰) بَلْ هُوَ قَوْرٌ اَنْ یَّجِیْدَ (۱۱) فِی لُجٍّ مُّنْخَفُوْطٍ (۱۲)

ترجمہ:

بے شک تیرے رب کی پکڑ یقیناً بہت سخت ہے۔ (۱۲) بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور (وہی) دوبارہ پیدا کرے گا۔ (۱۳) اور وہی ہے جو بے حد بخشے والا، نہایت محبت کرنے والا ہے۔ (۱۴) عرش کا مالک ہے اور بزرگ و برتر ہے (۱۵) کرگزر نے والا ہے جو چاہتا ہے۔ (۱۶) کیا تیرے پاس ان لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟ (۱۷) (یعنی) فرعون اور شمود کی۔ (۱۸) بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ (۱۹) اور اللہ ان کے پیچھے سے (انہیں) گھیرنے والا ہے۔ (۲۰) بلکہ وہ ایک بڑی شان والا قرآن ہے۔ (۲۱) لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (۲۲)

تفسیر:

فرمایا: بے شک تیرے رب کی پکڑ یقیناً بہت سخت ہے۔ الخ؛

اللہ تعالیٰ کی عظیم اور منفرد صفات؛

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے عذاب کی وعید اور مومنوں کے لیے جنت کی بشارت کا ذکر فرمایا تھا اور اب تاکید کے لیے دوبارہ وعدہ اور وعید کا ذکر فرما رہا ہے۔

، اس آیت میں ”بطش“ کا لفظ ہے، ”بطش“ کا معنی ہے: کسی چیز کو شدت کے ساتھ پکڑنا اور جب اس کی صفت شدت ہوگی تو اس کا معنی ہے: کسی کو بہت زیادہ مامت کرنا اور اس کو بہت سختی کے ساتھ پکڑنا۔

فرمایا: بیشک وہی ابتداء پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر ان کو فناء کر دے گا، پھر ان کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں جمع فرمائے گا تاکہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: دوزخ والوں کو آگ کھالے گی حتیٰ کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو نئے سرے سے پیدا فرما دے گا اور اس آیت سے یہی معنی مراد ہے۔

فرمایا: وہی بہت بخشے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے۔

معتزلہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کے لیے غفور ہے، جو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ پر توبہ کرے اور ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مطلقاً غفور ہے، جو اپنے گناہوں پر توبہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے اور جو توبہ نہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے، کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا حَوْلَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ شرک سے کم گناہ کو بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قید نہیں لگائی، اس سے معلوم ہوا کہ شرک سے کم گناہ (گناہ گبیرہ)

کی بخشش عام ہے خواہ توبہ کے ساتھ ہو خواہ بغیر توبہ کے۔

امام رازی نے لکھا ہے : کیونکہ توبہ کرنے والے کی مغفرت واجب ہے اور جو کام واجب ہو اس پر مدح نہیں کی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور ہونے کو یہ طور مدح ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بہت بخشنے والے سے مراد ہے وہ بغیر توبہ کے بخشنے والا ہے۔ (تفسیر گبیرج ۱۱ ص ۱۱۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، توبہ کو قبول کرنا محض اس کا فعل و کرم ہے، اگر وہ کسی کی توبہ قبول نہ کرے تو اس سے کون باز پرس کر سکتا ہے، اس کا بخشش دینا بہر حال اس کا فضل ہے، خواہ وہ توبہ سے بخشے یا بغیر توبہ کے۔

الودود کے معنی میں بھی اقوال ہیں،

اکثر مفسرین نے کہا : ”الودود“ کا معنی ہے : محبت کرنے والا، کلی نے کہا : ”الودود“ کا معنی ہے : جو اپنے دوستوں کی مغفرت کر کے ان سے محبت کرے، ازہری نے کہا : اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور یہ اس کا فضل ہے، قفال نے کہا : ”الودود“ کا معنی حلیم ہے۔

فرمایا : عظمت والے عرش کا مالک ہے۔

اس آیت میں ”عرش“ کا لفظ ہے، بادشاہ کا تخت اس کی سلطنت اور اقتدار سے کنایہ ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عرش مراد ہو اور اللہ عز وجل نے آسمانوں کے اوپر اپنا بہت عظیم تخت بنایا ہو، جس کی عظمت اور جلالت کے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مطلع نہ ہو۔

اس آیت میں ”مجید“ کا لفظ ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ تعالیٰ، مجید اور جلال اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی صفت ہو جس طرح قرآن مجید (البروج ۲۱) میں ”مجید“ قرآن کی صفت ہے۔

فرمایا : جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کام کو مناسب جانتا ہے، اس کو کرنے والا ہے اور اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، اور اس کے کام میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا، وہ اپنے مومن بندوں کو جنت میں داخل کرے گا اور کوئی اس کو اس سے روک نہیں سکتا اور وہ کفار اور مشرکین کو دوزخ میں داخل کرے گا اور کوئی ان کو دوزخ سے بچا نہیں سکتا اور وہ گناہ گار مومنوں میں سے جن کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے کر اس کو معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا اس کے اوپر دنیا میں کوئی مصیبت ڈال کر اس کے گناہوں کا کفارہ دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو کچھ عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں عذاب دے گا اور پھر جنت میں داخل کر دے گا، اور جس کو چاہے گا اس کو اپنے مقربین میں سے کسی کی شفاعت سے معاف فرما دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو محض اپنے فضل سے معاف فرما دے گا، غرض دنیا اور آخرت میں وہ مالک اور مختار ہے، جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو چاہے گا وہ

کرے گا۔

عہد رسالت اور اس سے پہلے کے مکذبین کی کارستانیوں:

فرمایا: کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی؟۔ فرعون اور ثمود کی۔ بلکہ کفار تکذیب کے درجے ہیں۔ اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار نے خندق کھود کر آگ جلائی اور اس میں مؤمنوں کو ڈال دیا، اب یہ بتایا کہ ان سے پہلے جو کفار تھے وہ بھی اسی طرح مؤمنوں پر ظلم کرنے والے تھے، اپنے اپنے زمانے میں فرعون اور ثمود بھی مؤمنوں پر ظلم کرتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں کفار مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ کارروائی کرتے رہے ہیں۔
فرمایا: اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے۔

مجید، کا معنی:

(۱) اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کا اقتدار تمام کفر کو محیط ہے، کوئی کافر اس کے اقتدار سے باہر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سب کو فوراً ہلاک کر دے اور آپ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر فوراً عذاب نازل کر دے، سو آپ ان کی تکذیب کی وجہ سے نہ گھبرائیں، جب اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینا چاہے گا تو اس کو ایک پل بھی دیر نہیں لگے گی۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے احاطہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب آ پہنچی ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے اور ان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔
فرمایا: بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔

قرآن مجید کی فضیلت:

یہ قرآن تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی سعادت اور دوسری قوم کی شقاوت کو بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ فلاں قوم کو فلاں قوم سے ضرر پہنچے گا، یہ قرآن شرف، کرم اور برکت میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اور لوگوں کو اپنے دین اور دنیا کی بھلائی میں جن احکام کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمام احکام اور ہدایات اس میں مذکور ہیں، یہ واحد آسمانی کتاب ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوئی ہے اسی زبان میں اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک اسی زبان میں محفوظ رہے گی، اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکی اور نہ اس کی کسی سورت یا آیت کی اب تک کوئی نظیر لائی جاسکی اور نہ قیامت تک لائی جاسکے گی، قرآن مجید کے سوا اور کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جس کو اتنا زیادہ پڑھا جاتا ہو اور اس کو حفظ کیا جاتا ہو اور ہر سال اس کو نماز (تراویح) میں ذوق و شوق سے سنا اور سنایا جاتا ہو۔

فرمایا: لوح محفوظ میں (مکتوب) ہے۔

لوح محفوظ کی تعریف میں اقبال مفسرین:

قرآن مجید لوح میں مکتوب ہے اور شیاطین کی دسترس سے محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: لوح سرخ یا قوت کی تختی ہے، اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور زیریں حصہ ایک فرشتہ کی گود میں ہے، اس کی کتابت نور ہے، اس کا قلم نور ہے، اللہ عز وجل ہر روز اس میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر فرماتا ہے، اور ہر نظر سے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کر دیتا ہے، یعنی کسی کو فقیر بنا دیتا ہے اور کسی کو غنی بنا دیتا ہے، کسی کو زندہ کرتا ہے اور کسی کو موت عطاء کرتا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا: لوح محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے۔

کہا گیا ہے کہ لوح محفوظ میں مخلوق کی تمام اقسام اور ان کے متعلق تمام امور کا ذکر ہے، اس میں ان کی موت کا، حیات کا، ان کے رزق کا، ان کے اعمال کا اور ان میں نافذ ہونے والے امور کا ذکر ہے، اور ان کے اعمال کے نتائج کا ذکر ہے اور وہی ام الکتاب ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز لوح محفوظ میں لکھی، وہ یہ ہے: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، محمد میرے رسول ہیں، جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم کر لیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا کیا، میں نے اس کو صدیق لکھا ہے اور اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا اور جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا، وہ مجھے چھوڑ کر جس کو چاہے اپنا معبود بنا لے۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۵۷-۲۵۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ لوح سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہاں فرمایا ہے: قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے اور ایک آیت میں فرمایا: ﴿لَقَدْ أَنْزَلْنَاكَ فِي سُلْبِ مَكْنُونٍ﴾۔ (الواقفہ: ۷۸-۷۷) یہ قرآن کریم ہے۔ جو پوشیدہ کتاب میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ اور کتاب مکنون سے مراد ایک ہی چیز ہو اور اس کے محفوظ ہونے کا یہ معنی ہو کہ فرشتوں کے غیر کے چھونے سے محفوظ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾۔ (الواقفہ: ۷۹) اس کو مطہرون کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ملائکہ مقررین کے سوا یہ اوروں سے محفوظ ہے، کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہو سکتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تغیر اور تبدل سے محفوظ ہو۔ (تفسیر گبیر ج ۱ ص ۱۱۶، دار احیاء التراث، العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ترمیم نحوی و تحقیق مرئی:

إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک)، بَطَشَ، اسم مصدر قوت اور سختی کے ساتھ پکڑنے کو، "بَطَشَ" کہتے ہیں (پکڑ، رَبَّكَ، رَبَّ، كُ، رَبَّ،

مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی) تشریذ (ل۔ تشریذ) ل، لام تاکید، یقیناً، تشریذ۔
 شَدَّ، مصدر سے صفت مشبہ، بہت سخت (یقیناً بہت سخت) اِنَّہ (اِنَّ۔ اِنَّ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، بلاشبہ، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ
 (بے شک وہ) ہُوَ، ضمیر واحد مذکر غائب (وہی) یَبْدُوْهُ، فعل مضارع واحد مذکر غائباً بَدَا، یَبْدُوْهُ، مصدر اَبْدَا، پہلی بار پیدا کرنا (وہ پہلی بار پیدا
 کرتا ہے) و، حرف عطف (اور) لَعِبْتُ، فعل مضارع واحد مذکر غائباً لَعِبْتُ، مصدر لَعَبْتُ، اعادہ کرنا، دوبارہ پیدا کرنا، لوٹانا (وہی دوبارہ
 پیدا کرے گا) و، حرف عطف (اور) ہُوَ، ضمیر منفصل واحد مذکر غائب (وہی) اَنْتَقُوْهُ، اللہ کا صفاتی نام، عَفْرَاتِی، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت
 جتنے والا) اَلْوَدُوْءُ، اللہ کا صفاتی نام، وَاَوَمُوْذُوْہُ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت محبت کرنے والا) وَاَوَمَرْتُشِ (وَاَوَمَرْتُشِ) وَاَوَمَرْتُشِ، والا، ا
 لْعَرْشِ، مضاف الیہ، عرش (عرش والا) اَلْمُحِیْطُ، اللہ کا صفاتی نام، جگہ، مصدر سے صفت مشبہ (بزرگ، بڑی عظمت والا، بڑی شان والا) فَعَالَ۔
 لِقَالَ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت کام کرنے والا، کر گزرنے والا، کر ڈالنے والا) لَمَّا (ل۔ نا) ل، حرف جار، کھ نا، مجرور، اسم موصول، جو
 (اس کو جو) یُرِیْدُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَرَادَ یُرِیْدُ، مصدر اَرَادَ، چاہنا، ارادہ کرنا (وہ چاہتا ہے) ہُنَّ، استفہامیہ (کیا) اَلِیْکَ (اَلِی۔ ک)
 لَی، فعل ماضی واحد مذکر غائب لَی یَلِی، مصدر اِثْبَاتِ، آتا، پہنچتا، وہ پہنچتی ہے، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (وہ آپ کے پاس پہنچی ہے)
 حَدِیْثُ اَلْیُسُوْبِ (حَدِیْثُ۔ اَلْیُسُوْبِ) حَدِیْثُ، مضاف، بات، اَلْیُسُوْبِ، مضاف الیہ، لشکروں کی، واحد، جگہ (لشکروں کی بات) فِرْعَوْنُ (فرعون) و،
 حرف عطف (اور) شَمُوْذُ (شود) بَل، حرف اضراب (بلکہ) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) سَفَرُوْا، فعل ماضی جمع
 مذکر غائباً یَسْفَرُوْنَ، مصدر سَفَرَا، سفر کرنا (انہوں نے سفر کیا) فِیْ مَکْنَزِیْہِ، فِی، حرف جار، میں، مَکْنَزِیْہِ، مجرور، مصدر، جھٹلانا (جھٹلانے میں) و
 اَللّٰہُ (و۔ اَللّٰہُ) و، حرف عطف، اور، اَللّٰہُ، اللہ (اور اللہ) مِّنْ وَّرَکْبِہِمْ (مِّن۔ وَّرَکْبِہِمْ) مِّن، حرف جار، سے، وَّرَکْبِہِمْ، مجرور، مضاف، مصدر ہے،
 آگے ہونا، پیچھے ہونا، آگے۔ پیچھے۔ ہر طرف سے ہم، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (انہیں ہر طرف سے) نَحِیْطُ۔ اِنْعَاطُ، مصدر سے
 اسم فاعل واحد مذکر (گھیرنے والا، گھیرے ہوئے) بَل، حرف اضراب (بلکہ) ہُوَ، ضمیر واحد مذکر غائب (وہ) قُرْاٰنُ نَحِیْطُ۔ قُرْاٰنُ، موصوف،
 قرآن، نَحِیْطُ، صفت، جگہ، مصدر سے صفت مشبہ، بڑی شان والا، مجید (بڑی شان والا قرآن، قرآن مجید) فِیْ لَوْحٍ مَّحْضُوْطٍ (فِی۔ لَوْحٍ مَّحْضُوْطٍ) فِی،
 حرف جار، میں، لَوْحٍ، مجرور، موصوف، لوح، تختی، مَحْضُوْطُ، صفت، جگہ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، مَحْضُوْطُ، حفاظت کیا ہوا (محفوظ تختی
 میں، لوح محفوظ میں)۔

(الحمد للہ سورہ بروج مکمل ہو گئی)

[سورة الطارق]

آیت ۱ تا ۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّهَابِ وَالطَّارِقِ (۱) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (۲) النَّجْمُ الثَّاقِبُ (۳) إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّكَ عَلَيْهَا حَافِظٌ (۴)

ترجمہ:

قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی! (۱) اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ (۲) وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ (۳) کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر محافظ نہ ہو (۴)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ الطارق ہے۔ اس کی پہلی آیت میں طارق کا لفظ مذکور ہے جس سے سورۃ کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی سترہ ۱۷ آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

ما قبل سے ربط:

پچھلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی میں پائی جانے والی بد امنی کے پیش نظر قیامت اور جزائے عمل کا مسئلہ سمجھایا تھا۔ اس سورۃ میں انسان کے جسم اور روح کے تعلق کی روشنی میں یہی مسئلہ پیش کیا گیا ہے۔ ان منکرین کا رد ہے جو وقوع قیامت اور بعث بعد الموت کو تسلیم نہیں کرتے۔

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی! الخ؛

طارق کیا ہے اور النجم الثاقب کی مختلف تفسیریں:

وَالسَّهَابِ میں واو قسمیہ ہے۔ معنی ہوگا قسم ہے آسمان کی وَ الطَّارِقِ اور قسم ہے رات کو آنے والے کی۔ طارق کا لفظی معنی ہے رات کو آنے والا۔ لیکن یہاں خود تشریح کردی کہ طارق سے کیا مراد ہے؟ فرمایا وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ اور آپ کو کس نے بتلایا کہ طارق کیا ہے، رات کو آنے والا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں النَّجْمُ الثَّاقِبُ وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ النجم الثاقب سے مراد چاند ہے کہ اس کی روشنی باقی تمام ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے زحل ستارہ مراد ہے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ ثریا یعنی کہکشاں مراد ہے۔ ان ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خاصیات رکھی ہیں۔ ہم سے چونکہ بہت دور ہیں اس لیے ہم ان کی پوری حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ یہ قسم ہے اور آگے جواب قسم ہے إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّكَ عَلَيْهَا حَافِظٌ بعض حضرات ان کو نافیہ قرار دیتے ہیں اور لما لا کے معنی میں ہے۔ معنی ہوگا نہیں ہے کوئی نفس مگر اس پر نگران ہے۔

ماظنی مراد:

وہ نگران کون ہے؟ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے فاللہ خیر حفظاً وهو ارحم الراحمین (یوسف 64)۔ پس اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔ تو سب سے بڑا محافظ رب العالمین ہے اور ہر وقت نگران ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ کراما کاتبین مراد ہیں۔ کہ وہ اعمال کے نگران ہیں۔ سورۃ النفاثہ پارہ 30 میں ہے وان علیکم لحفظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون۔ بیشک تمہارے اوپر البتہ حفاظت کرنے والے مقرر ہیں وہ باعزت لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے اس کو لکھ لیتے ہیں اور جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ یہ دو فرشتے دن کے ہوتے ہیں اور دورات کے۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت ان کی ڈیوٹی بدلتی ہے۔ رات والے فجر کی نماز کے لیے امام اللہ اکبر کہتا ہے تو چلے جاتے ہیں اور دن والے آجاتے ہیں اور عصر کی نماز کے وقت امام محلہ کہتا ہے اللہ اکبر تو دن والے چلے جاتے ہیں اور رات والے آجاتے ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ حافظ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ جن کا ذکر پارہ 13 سورۃ الرعد آیت نمبر 1 میں ہے لہ معقبین من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے ہیں اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ تفسیر ابن جریر طبری میں حضرت عثمان بن عفان (رض) سے روایت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دس فرشتے انسان کے بدن کی دن کو حفاظت کرتے ہیں اور دس رات کو۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگرانی منظور ہوتی ہے اور جب اس کی ہلاکت کا وقت ہوتا ہے تو فرشتے الگ ہو جاتے ہیں اور وہی کچھ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کیا ہوتا ہے۔

زمیخ نحوی و تحقیق مرئی:

وَالسَّمَاءِ (وَالسَّمَاءِ) حرف جار قسیمی، قسم ہے، السَّمَاءِ، مجرد، مقسم بہ، آسمان (قسم ہے آسمان کی) وَالْأَرْضِ (وَالْأَرْضِ) حرف عطف، حرف جار، قسیمی، اور (قسم) ہے، الْأَرْضِ، مقسم بہ، طریق، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، رات کو آنے والا، رات کو نمودار ہونے والا (اور (قسم) ہے رات کو نمودار ہونے والے کی) حرف عطف (اور) یا اَوَّلَیْکَ (یا اَوَّلَیْکَ) ک، نا، استفہامیہ بمعنی، اکی شئی، کس چیز، اَوَّلَیْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَوَّلَیْ یَذَرِیْ، مصدر اَوَّلَیْ، جاننا، سمجھنا، معلوم کروانا، اگاہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (آپ کو کس چیز نے معلوم کروایا) نا، استفہامیہ (کیا) الْأَرْضِ، طریق، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (رات کو نمودار ہونے والا) اَلْأَرْضِ (اَلْأَرْضِ) اَلْأَرْضِ، موصوف، ستارہ، اَلْأَرْضِ، صفت، نُفُوسٌ، مصدر سے جس کے معنی آگ کے روشن ہونے کے ہیں، اسم فاعل واحد مذکر، چمکدار، چمکنے والا، جلا دینے والا (چمکنے والا ستارہ ہے) اِن، نافیہ (نہیں) کُلُّ نَفْسٍ۔ کُلُّ، مضاف، ہر، نَفْسٍ، مضاف الیہ، نفس، جان (ہر نفس) اِن، استثنائیہ بمعنی، اِن (مگر) عَلَیْہَا (علیٰ۔ ہا) علی، حرف جار، پر، ہا، مجرد، ضمیر واحد مونث غائب ضمیر کا مرجع "نَفْسٍ" ہے حافظ۔ حفظ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (ایک حفاظت کرنے والا، نگہبان، نگران)

آیت ۵ تا ۱۰

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (۵) خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَافٍ (۶) يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (۷) إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (۸) يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (۹) فَمَّا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا أَكْثَرُ (۱۰)

ترجمہ:-

پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ (۵) وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (۶) جو پیٹھ اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ (۷) بے شک وہ اسے وٹانے پر یقیناً قادر ہے۔ (۸) جس دن چھپی ہوئی باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ (۹) تو اس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار۔ (۱۰)

تفسیر:-

فرمایا: پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا اُلُ
”ذافی صلب“ اور ”ترائب“ کا معنی:

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہر نفس کے لیے ایک محافظ ہے، جو اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور اس کے اعمال کو گنتا رہتا ہے، اس کو جاننے کے بعد انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ اہم مقاصد کے حصول کی کوشش کرے اور شرع اور عقل اس پر متفق ہیں کہ سب سے اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کو ماننا ہے اور اس کو ماننا ہے کہ اس نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، جہاں اس سے اس کے اعمال کی پرسش ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت آخرت کی معرفت پر مقدم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انسان کو اس کے خالق کی طرف متوجہ کیا۔

فرمایا: سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

الطارق ۶: میں ”ذافی“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: اچھل کر بہنے والا۔

جو لوگ مر کر دوبارہ اٹھنے کا اور رسول کے بھیجنے کا انکار کرتے ہیں، وہ اس پر غور کریں کہ وہ نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نطفہ جسا ہوا خون بن جاتا ہے، پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر اس میں ہڈیاں بن جاتی ہیں، اور پھر اس سے انسان کی صورت بن جاتی ہے، اگر اس نطفہ کو ایک طباق میں رکھ دیا جائے اور تمام جن اور انسان مل کر یہ کوشش کریں کہ وہ اس نطفہ سے انسان کا کوئی ایک عضو بنالیں تو نہیں بنا سکتے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جو قدرتی نظام بنایا ہے، اس نظام سے ہٹ کر انسان کی پیدائش عمل میں نہیں آسکتی۔

فرمایا: جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

اس آیت میں ”صلب“ کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے: مرد کی پیٹھ اور ”ترائب“ کا لفظ ہے، اس سے مراد عورت کے سینہ کی درمیانی جگہ ہے، یعنی اس کے پستانوں کے درمیانی جگہ، جب انسان جماع کرتا ہے تو اس کی پیٹھ سے پانی نکل کر

رحم میں داخل ہوتا ہے اور عورت کے سینہ سے نکل کر پانی وہاں پہنچتا ہے۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ہم مانتے ہیں کہ نطفہ بدن کے تمام اجزاء سے نکلتا ہے، اسی وجہ سے انسان اپنے والدین کے بہت مشابہ ہوتا ہے، اور خروج منی کے بعد تمام جسم کے غسل کی بھی حکمت ہے اور جو آدمی بہت زیادہ جماع کرتا ہے، اسی وجہ سے اس کی کمر میں بہت درد ہوتا ہے اور یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ جو پانی کمر میں جمع ہوتا ہے، وہ بہت زیادہ نکل جاتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: بیشک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے۔

انسان کو لوٹانے کے دو مطلب:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: اس آیت کے دو مطلب ہیں:

(۱) اس آیت کا معنی یہ ہے: جس ذات نے انسان کو ابتداء پیدا کیا ہے، وہ اس کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (يسين: ۴۰)

آپ کہیے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: ۴۰)

وہی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو دوبارہ آ لے میں لوٹا دے، عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو پشت میں لوٹا دے، ضحاک سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ نطفہ بنا دے، مقاتل بن حیان نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر میں چاہوں تو انسان کو بڑھا پے سے جوانی کی طرف لوٹا دو اور جوانی سے بچپن کی طرف لوٹا دوں اور بچپن سے پھر نطفہ کی طرف لوٹا دو، تاہم اس آیت کی تفسیر میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (تفسیر گبیرج ۱۱ ص ۱۲۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس دوسری تفسیر کو رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بالکل باطل ہے اور صحیح تفسیر پہلی ہے اور حضرت علامہ آلوسی نے جو کچھ لکھا ہے، وہی صحیح اور معقول ہے اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے اقوال صحیح نہیں ہیں۔ (روح المعانی)

فرمایا: جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

”سراثر“ اور ”ابتداء“ کا معنی:

الطارق ۹: میں ”السراثر“ کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے: دل میں جو عقائد اور نیچت چھپی ہوئی ہیں اور جو اعمال پوشیدہ طور پر کیے ہیں، اور اس آیت میں ”عجلی“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ابتداء اور آزمائش، اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعمال قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے، نیز اس کے صحیفہ اعمال میں غور کیا جائے گا جس میں فرشتوں نے اس کے اعمال کی تفصیل لکھی ہے، آیا فرشتوں کا لکھا ہوا اس کے پیش کردہ اعمال کے مطابق ہے یا نہیں، ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کا علم ہے لیکن اتمام حجت کے لیے اس کیفیت سے حساب لیا جائے گا۔

اس کی دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ بعض افعال کا ظاہر تو حسین ہوتا ہے اور ان کا باطن قبیح ہوتا ہے اور بعض افعال کا ظاہر قبیح ہوتا ہے اور ان کا باطن حسین ہوتا ہے اور اس دن اعمال کی آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ جن افعال کا ظاہر حسین ہے اور باطن قبیح ہے، ان افعال کے قبیح ہونے کی وجوہ پیش کی جائیں گی اور جن افعال کا ظاہر قبیح ہے اور باطن حسین ہے، ان افعال کی تحسین کی وجوہ پیش کی جائیں گی۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جو افعال اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان راز ہیں، ان کو قیامت کے دن ظاہر کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر راز کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس اظہار کی وجہ سے بعض چہرے خوش ہوں گے اور بعض چہرے مر جھائے ہوئے ہوں گے

فرمایا: سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

اس کی طاقت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی قوت نہیں ہوگی، جس کی وجہ سے وہ از خود اپنی ذات سے عذاب کو دور کر سکے، اور ناصبر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو اس سے عذاب کو دور کر سکے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

لَيْسَ شَيْءٌ (ل۔ ل۔ ش۔ ف، حرف عطف، پس، ل، لام امر، چاہیے کہ، شَيْءٌ، فعل مضارع مجزوء واحد مذکر غائب تَنْظُرُ، مصدر تَنْظَرُ، دیکھا، وہ دیکھے (پس چاہیے کہ وہ دیکھے) الْإِنْسَانُ (انسان) مَبْرُءٌ، اصل میں (مبن۔ نا) ہے، ناء، کالف تخفیف کیلئے حذف کیا گیا، مبن، حرف جار، سے، ناء، استفہامیہ، کس (کس چیز) سے) خُلِقَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب تَخْلُقُ، مصدر خَلَقَ، پیدا کرنا (وہ پیدا کیا گیا) خُلِقَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب تَخْلُقُ، مصدر خَلَقَ، پیدا کرنا، مبن تَامَ دَافِقِ (مبن۔ تَام۔ دَافِقِ) مبن، حرف جار، سے، تَامَ، مجرور، موصوف، پانی، دَافِقِ، صفت، دَافِقِ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، اِجْلَنَ دَالِ (اِجْلَنَ دَالِ پانی سے) تَخْرُجُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَخْرُجُ، مصدر تَخْرُجُ، نکلنا (وہ نکلتا ہے) مبن يَنْبُتِ الْقَلْبِ۔ مبن، حرف جار، سے، يَنْبُتِ، مجرور، مضاف، درمیان، الْقَلْبِ، مضاف الیہ، پیٹھ کے، جمع، انْشَابِ (پیٹھ کے درمیان سے) و، حرف عطف (اور) اَنْتَرِ كَيْبِ (سینہ کی ہڈیاں، پیلیوں کے) واحد، تَرِبَ يَرْبُؤُا (اِنَّ۔ و) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، و، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) عَلِيٌّ رَجِحٌ (عَلِيٌّ۔ رَجِحٌ۔ م) عَلِيٌّ، حرف جار، پر، رَجِحٌ، مجرور، مضاف، لَوْنَانَا، م، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع، الْإِنْسَانُ، ہے (اس کے لونانے پر) تَكَادِرُ (ل۔ قَادِرُ) ل، لام تاکید، ضرور، یَقِينَا، قَادِرُ، اللہ کا

مضائق نام، تھڑو، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر قدرت رکھنے والا، قادر (یقیناً قادر) یوم، ظرف زمان ((جس دن)) ثنی، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب یلیٰ یلیٰ، مصدر یلیٰ یلیٰ، جانچنا، اصل شکل میں ظاہر کرنا (وہ جانچا جائے گا) اشرکیز (بھید، راز، پوشیدہ باتیں) واحد، سریرہ، فنا (ف۔نا) ف، حرف عطف، تو، نا، نافیہ، نہ (تو نہ) ل (ہ۔ل)، حرف جار، کیلئے، ہ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) من قوت، من، حرف جار، زائدہ برائے عموم، قوت، مجرور، قوت (کوئی قوت) و، حرف عطف (اور) نا ناصر۔ نا نافیہ، نہ ناصر، نفعہ مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (مدد کرنے والا)۔

آیت ۱۱ تا ۱۴

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (۱۱) وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (۱۲) إِنَّهُ لَقَوْلُ فَضْلٍ (۱۳) وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (۱۴) إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا (۱۵) وَأَكِيدُ كَيْدًا (۱۶) فَمَهْلُ الْكَافِرِينَ أَهْمُهُمْ رُونًا (۱۷)

ترجمہ:

قسم ہے آسمان کی جو بار بار بارش برسانے والا ہے! (۱۱) اور زمین کی جو پھٹنے والی ہے! (۱۲) کہ بے شک یہ یقیناً ایک دو ٹوک بات ہے۔ (۱۳) اور وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے (۱۴) بے شک وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں، ایک خفیہ تدبیر۔ (۱۵) اور میں بھی خفیہ تدبیر کرتا ہوں، ایک خفیہ تدبیر۔ (۱۶) سو کافروں کو مہلت دے، مہلت دے انھیں تھوڑی سی مہلت۔ (۱۷)

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے آسمان کی جو بار بار بارش برسانے والا ہے الخ؛

آسمان کو ذات الرجع فرماتے کی توضیحات:

اللہ سبحانہ نے توحید اور حشر کے ثبوت پر دلائل دینے کے بعد ایک اور قسم کھائی، اس قسم میں آسمان کو ”ذات الرجع“ فرمایا ہے، ”ذات الرجع“ کا معنی ہے: بار بار لوٹنے والا۔ زجاج وغیرہ نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: بارش کو برسانے والا، کیونکہ بارش بار بار لوٹ کر آتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ زمین کے سمندروں سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر بادلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے، پھر بارش کی صورت میں وہی پانی زمین کی طرف لوٹ جاتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ غریب نیک فال کے طور پر بارش کو ”ذات الرجع“ یعنی لوٹ کر آنے والی کہتے ہیں کہ بارش دوبارہ پھر لوٹ کر آئے، جیسے عید کے دن کو عید اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان کی زندگی میں پھر لوٹ کر آتا ہے، کیونکہ عید کا لفظ عود سے بنا ہے، جس کا معنی ہے: لوٹنا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ بارش ہر سال لوٹ کر آتی ہے بلکہ ایک سال میں متعدد بار آتی ہے، اس لیے بارش کو ”ذات الرجع“ کہتے ہیں، یعنی بار بار لوٹ کر آنے والی اور کیونکہ بارش کا نزول آسمان کی جانب سے ہوتا ہے، اس لیے آسمان کو بھی ”ذات الرجع“ فرمایا۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ”والسما ذات الرجع“ (الطارق ۱۱) کا معنی ہے: بار بار بارش برسانے والا

آسمان، کیونکہ آسمان سے بار بار بارش نازل ہوتی ہے یا جو خیر آسمان کی طرف سے آتی ہے، وہ بار بار لوٹ کر آتی ہے۔
ابن زید نے کہا: آسمان اپنے سورج اور اپنے چاند کو غروب ہونے کے بعد بار بار طلوع کی طرف لوٹاتا ہے۔
فرمایا: اور پھٹنے والی زمین کی قسم۔

زمین کو ذات الصدع فرمانے کی توجہات:

اس آیت میں زمین کو ”ذات الصدع“ فرمایا ہے، ”الصدع“ کا معنی ہے: ”الشق“ یعنی پھٹنا، قرآن مجید میں ہے۔

یوم یصل یصلعون۔ (الروم: ۴۴) اس دن سب پھٹ کر بکھر جائیں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: زمین پھٹتی ہے اور اس سے پودے اور کوئیلیں نکل آتی ہیں۔

مجاہد نے کہا: اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان شق اور شکاف ہے، قرآن مجید میں ہے:

وجعلنا فیہا فجاً جاً سبلاً (الانبیاء: ۳۱) اور ہم نے اس زمیں میں کشادہ راستے بنا دیئے۔

لیث نے کہا: ”الصدع“ سے مراد زمین کی پیداوار ہیں کیونکہ زمین کی پیداوار زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہیں اور اسی اعتبار سے زمین کی پیداوار کو ”الصدع“ فرمایا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: جس طرح اللہ تعالیٰ نے جان داروں کی تخلیق کو اپنی توحید اور حشر کی معرفت کی دلیل بنایا ہے، اسی طرح اس نے اس قسم میں زمین کی پیداوار کی تخلیق کو اس کی معرفت کی دلیل بنایا ہے، پس بارش برسانے والا آسمان بہ منزلہ باپ ہے اور پھٹ کر غلبہ نکالنے والی زمین بہ منزلہ ماں ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں اس پر موقوف ہیں کہ آسمان کی جانب سے بار بار بارشیں نازل ہوتی رہیں اور زمین پھٹ کر بار بار غلہ اور پھل اگاتی رہے۔
آسمان اور زمین کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے جواب قسم کا ذکر کیا۔

فرمایا: بیشک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔

”قول فصل“ کی دو تفسیریں:

حارث اعور، حضرت علی (رض) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس کتاب میں تم سے پہلے لوگوں کی خبر ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں کے لیے حکم ہے اور یہ فیصلہ پر مشتمل کتاب ہے، کوئی مذاق نہیں، جس کسی جبار نے اس کو ترک کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جس نے اس کتاب کے غیر میں ہدایت کو تلاش کیا، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۹۰۶):

”قول فصل“ کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا قول ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے: یہ مفصل قول ہے، اس میں حلال اور حرام کو بیان فرمادیا ہے اور یہ بیان فرمادیا ہے کہ کن کاموں سے بچنا چاہیے اور کن کاموں کو کرنا

چاہیے اور اس میں حق اور باطل اور صحیح اور غلط کو بیان فرمادیا ہے اور اس میں مومنوں کے لیے ثواب کی بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید کو بیان فرمادیا ہے، انبیاء سابقین اور مومنین صالحین کا ذکر ہے اور سابقہ امتوں کے کافروں اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہے اور قیامت تک پیش آنے والے امور کے لیے جامع ہدایت ہے اور مکمل دستور العمل ہے۔

”قول فصل“ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے پہلے جو ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تم کو اس دن زندہ کرے گا، جس دن تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تمہاری خفیہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا، یہ برحق قول ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔

فرمایا: بیشک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں۔ اور میں اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں۔

کافروں کی سازش اور ان کا کر یہ تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے تاکہ وہ اسلام نہ لائیں، مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو جب انسانوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور وہ مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے اور ان کے اجزاء دوسرے مردوں کے اجزاء سے غلط ملط ہو جائیں گے تو ان کو باہم کس طرح تمیز دی جائے گی؟ اور وہ کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے تو یہ کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا؟ اور وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جو جانور اپنی طبعی موت سے مر جائے وہ حرام ہے اور جس جانور کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کریں وہ حلال ہے، سو یہ کیسی غلط بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا جانور حرام ہو اور بند کا مارا ہوا جانور حلال ہو؟ اور وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت میں طعن کرتے تھے اور کہتے تھے: وہ ساحر ہیں یا شاعر ہیں یا مجنون ہیں اور انھوں نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے کی سازش کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور ان کے تمام شہنات کو زائل کر دیا اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصرت اور مدد فرمائی اور آپ کے لئے ہوئے دین کو سر بند اور غالب کر دیا۔

کفار کے ”حمید“ اور اللہ تعالیٰ کے ”حمید“ میں فرق:

اس آیت میں کفار کی سازش کو بھی ”کید“ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو خفیہ تدبیر فرمائی، اس کو بھی ”کید“ فرمایا ہے حالانکہ ان کی سازش باطل تھی اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق ہے، صورتہ مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے ایک لفظ ”کید“ فرمایا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

جزوا سیئۃ سیئۃ مغلھا (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

حالانکہ برائی ظلم ہے اور اس کا بدلہ عدل ہے، جیسے کوئی کسی کو ظلماً قتل کر دے، پھر اس کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے تو پہلا قتل ظلم ہے اور دوسرا قتل عدل ہے۔

نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ أَنْفُسَهُمْ ط (الحشر: ۱۶) کافروں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔
کافروں کو بھلا نا گناہ اور اللہ کا بھلا نا یعنی ان پر رحم نہ فرمانا ان کے گناہ کی سزا ہے، لیکن صورتہ مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے بھلا نے کا لفظ استعمال فرمایا:

اس طرح کی اور بہت آیات ہیں، جیسے فرمایا:

يُخَذِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج (النساء: ۱۴۱)

مناقصین اپنے (زعم میں) اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔

زیر تفسیر آیت میں کافروں کا ”کید“ (سازش) یہ تھا کہ اللہ کے دین سے لوگوں کو متنفر کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کا ”کید“ یہ تھا کہ ان کو ان کے کفر میں ڈھیل دی جائے، پھر اچانک ان پر گرفت کی جائے۔

فرمایا: سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دی۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مہلت دینے کے حکم کی توجیہ:

اس آیت میں ”روید“ کا لفظ ہے، یہ اسماء افعال میں سے ہے، اس کا معنی ہے: ان کو مہلت دیں اور ان کے ساتھ نرمی کریں۔ اس آیت میں پہلے ”فمصل“ فرمایا، اس کے بعد ”امصلھم“ فرمایا، دونوں کا معنی ہے: ان کو مہلت دیں اور ”روید“ کا بھی یہ معنی ہے، غرضیکہ متعدد تاکیدات کے ساتھ فرمایا ہے: ان کو مہلت دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ جس طرح آپ کو تنگ کر رہے تھے اور مسلمانوں کو مشتعل کر رہے تھے، اس کا تقاضا تھا کہ ان کافروں سے فوری انتقام لیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے آپ کو صبر و ضبط کی تلقین فرماتا رہا، دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ کے مسلسل مظالم کا تقاضا یہ تھا اور حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ آپ ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کرتے، اس لیے فرمایا: آپ ان کو تھوڑی مہلت دیں، کیونکہ عنقریب غزوہ بدر میں آخرت میں ان سے انتقام کا موقع آئے گا، اگرچہ آپ نے ان کی ہلاکت کی ایسی کوئی دعا نہیں کی تھی، بلکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے، آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:

(۲۵۹۹)

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے آپ سے پوچھا: آپ پر کونسا ایسا دن آیا ہے جو احد کے دن سے زیادہ آپ پر سخت تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم کی جس بدسلوکی کا سامنا کیا ہے، سو کیا ہے اور ان کی سب سے زیادہ بدسلوکی کا دن یوم عقبہ تھا، میں نے ابن عبد یلیل کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا، اس نے میری امید کے مطابق جواب نہیں دیا، پھر میں نہایت غم گین ہو کر چلا گیا، پھر قرن الثعالب پر پہنچ کر میں سنبھلا، میں نے

سراٹھا کر دیکھا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبرائیل تھے، انھوں نے مجھ کو ندا کر کے کہا: آپ کی قوم نے جواب آپ کو جواب دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں اس کو حکم دیں، پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو ندا کر کے آپ کو سلام کیا، پھر کہا: یا محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں، آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کے درمیان ان کو بیس دوں، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بلکہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا، جو صرف اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۰۶)

سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت اور مزاج کے موافق فرمایا، ان کو تھوڑی مہلت دیں، عنقریب جنگ بدر، میں آپ کو جہاد کی اجازت دی جائے گی، پھر ان سے انتقام لے لیں یا پھر آخرت میں ان سے انتقام لیا جائے گا۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

وَالْتَمَتَا (و۔ اَلْتَمَتَا) قسم ہے، اَلْتَمَتَا، مجرور، مقسم بہ، آسمان کی (قسم ہے آسمان کی) ذَاتِ الرَّمَجِ (ذات۔ الرَّمَجِ) ذات، مضاف، والا، الرَّمَجِ، مضاف الیہ، مصدر ہے، لوٹنا، پھر آنا، پھر لگانا، بارش بھی بار بار ہوتی ہے اس لئے یہاں بطور اسم بمعنی بارش استعمال ہوا ہے (بارش والا) ذَاتُ الرَّمَجِ (و۔ اَلْتَمَتَا) ذ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ، اور قسم، اَلْزَمِ، مجرور، مقسم بہ، زمین کی، (اور زمین کی) (قسم) ذَاتِ الرَّمَجِ (ذات۔ الرَّمَجِ) ذات، مضاف، والی، اَلْزَمِ، مصدر ہے پھٹنا، شق ہونا (پھٹ جانے والی) اِنَّ (اِنَّ۔ اِنَّ)، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ، ضمیر کا مرجع "قُرَآن" ہے، (بے شک وہ) تَقُولُ فُضِّلَ (لَ۔ قَوْلُ۔ فُضِّلَ) لَ، لام تاکید، ضرور، یتھینا، قَوْلُ، موصوف، کلام، بات، فُضِّلَ، صفت، حق و باطل کی تمیز، فیصلہ کرنے والا (فیصلہ کرنے والا کلام) ذ، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہیں) ہُوَ، ضمیر منفصل واحد مذکر غائب (وہ) اَلْزَمِ (ب۔ اَلْزَمِ) ب، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، اَلْزَمِ، مجرور، کھیل، باطل، ہنسی مذاق، (ہرگز ہنسی مذاق) اَنَّمْ (اِنَّ۔ اَنَّمْ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہُمُ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) یکیند وں، فعل مضارع جمع مذکر غائب کاؤ یکیند، مصدر یکیند، چال چلنا، تدبیر کرنا، سازش کرنا (وہ تدبیر کرتے ہیں) یکیند، مصدر، مفعول مطلق (ایک تدبیر) ذ، حرف عطف (اور) اَکیند، فعل مضارع واحد متکلم کاؤ یکیند، مصدر یکیند، تدبیر کرنا (میں تدبیر کرتا ہوں) یکیند، مصدر، مفعول مطلق (ایک تدبیر) فَنَبِلَ (ف۔ فَنَبِلَ) ف، حرف عطف، تو، بَلِ، فعل امر واحد مذکر حاضر مَحَلُّ مَحَلُّ، مصدر تمہیں، مہلت دینا، ڈھیل دینا، آپ مہلت دیجئے (تو آپ مہلت دیجئے) اَلْزَمِ (سُفْہَا۔ اَلْزَمِ) مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (کفر کرنے والے، کافروں) واحد، اَلْزَمِ، اَنَّمْ (اَنَّمْ۔ اَنَّمْ) ہُمُ، فعل امر واحد مذکر حاضر مَحَلُّ مَحَلُّ، مصدر تمہیں، مہلت دینا، آپ مہلت دیجئے، ہُمُ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (آپ انہیں مہلت دیجئے) زَوَیْدَا، اسم فعل ہے، تھوڑی سی مہلت، یہ اصل میں، اِزْوَادِ، کی تصنیی رہے، معنی، مہلت دینے اور ٹھہرنے کے ہیں (تھوڑی سی مہلت)۔

(الحمد للہ سورہ طارق مکمل ہو گئی)

[سورة الاعلى]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آیت اٹا

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (۱) الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى (۲) وَالَّذِي قَلَّدَ فَقَدَّى (۳) وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى (۴) فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى (۵)

ترجمہ:-

اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند ہے۔ (۱) وہ جس نے پیدا کیا، پس درست بنایا۔ (۲) اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی (۳) اور وہ جس نے چارا لگایا۔ (۴) پھر اس نے اس کو (سکھا کر) سیاہ کوڑا کر دیا۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورة الاعلى ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں اعلیٰ کا لفظ موجود ہے اسی سے سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سات سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا آٹھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور انیس آیات ہیں۔

ما قبل سے ربط:

پہلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر انسان کے نفس پر اللہ نے نھی فظ مقرر کر رکھے ہیں اور اس کے اعمال کی حفاظت ہو رہی ہے۔ لہذا ایک دن آئے گا، جب راز کھلیں گے جب ایسا ہوگا۔ معاملہ بڑا خراب ہوگا۔ اس دن انسان ندامت اور شرمندگی سے بچنا چاہیں گے اس کا طریقہ بھی اللہ نے اس سورۃ میں بتا دیا اور وہ یہ ہے جیسا کہ آخری آیات میں آتا ہے۔ حیوۃ الدنیا اور ترغیب فی الاخرت یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کے معاملات کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہئے۔ اگر ایسا ہو گیا تو راز کھلنے کے دن انسان شرمندگی سے بچ جائے گا۔ ورنہ وہاں پر بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور رازوں کو کوئی تبدیلی بھی نہیں کر سکتا۔ جس دنیا میں مثلیں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح آخرت میں یہ ممکن نہ ہوگا ہر انسان کے اعمال محفوظ ہیں۔ وہ پیش ہوں گے۔ اور ان کے مطابق جزائے عمل واقع ہوگی۔

تفسیر:

فرمایا: اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند ہے اعلیٰ:

(تسبیح کا مفہوم:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سُبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کریں۔ جو سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور تسبیح کا معنی تنزیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے پاک سمجھا جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں

مثلاً عیب و نقص کی ہر چیز سے اللہ پاک ہے۔ اسی طرح تحمید کا معنی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف سمجھے۔ مگر نقص و عیب قطعی نہ ہو، نہ خدا کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں۔ نہ اس کی عبادت میں کوئی شریک کیا جاسکتا ہے۔ گویا تسبیح کا معنی تنزیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے پاک سمجھنا جو اس کی ذات کے لائق نہیں ہیں۔ اس کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔

(اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک؛

بعض حضرات اسم کا معنی ذات کرتے ہیں۔ کیونکہ اسم ذات کا عنوان ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام مذکور ہیں۔ صحیح حدیث میں ننانوے اسمائے پاک کا ذکر ہے۔ بن اللہ تعالیٰ تسعة وتسعين اسماً مائة الا واحد من احصاها دخل الجنة۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو ۱۰۰ نام ہیں جس شخص نے ان کو یاد کیا اور ان کا ورد کرتا رہا۔ ان پر ایمان رکھا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی لہ الاسماء الحسنی۔ دوسری جگہ فرمایا۔ ”واللہ الاسماء الحسنی۔“ اللہ تعالیٰ کے سارے نام ہی بھلے ہیں، ان میں سے جس نام کے ساتھ چاہو اسے یاد کرو۔ اللہ رحمان، رحیم، ستار، غفار وغیرہ سب اللہ کے نام ہیں۔

جس صرح خدا کی ذات پاک ہے اسی طرح اس کی صفات بھی پاک ہیں۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں اسم کو ظاہر پر ہی رکھو اور اللہ کے نام کی تسبیح بھی کرو۔ اور وہ اس طرح کہ خدا کا جو بھی اسم ہے اس کا غلط مطلب نہ لو۔ جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ جو لوگ اسمائے پاک میں الحاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اگر کسی معنی غلط بیان کیا تو یہ تنزیہ کے خلاف ہوگا۔ اسم پاک کا وہی مطلب لینا چاہیے جو اللہ کی مراد ہے۔ اگر مطلب غلط لیا تو الحاد ہو جائے گا۔ اور الحاد جس طرح ذات میں برا ہے اسی طرح اسم پاک میں بھی برا ہے۔ مقصد یہ کہ نام اللہ کا ذکر کیا صفت تو اللہ کی مگر مطلب غلط لے لیا تو یہی الحاد ہے اور تنزیہ کے خلاف ہے۔

(انسان کو اللہ کے نام سے بلا ناگناہ ہے؛

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کو غیر اللہ پر بولتے ہیں یہ درست نہیں۔ اس لیے فقہاء کرام اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام لے کر کسی غیر کو بلانا الحاد میں داخل ہے اور گناہ ہے مثلاً عبد الغنی کو صرف غنی کہہ دینا یا عبد الحمید کی بجائے حمید صاحب کہہ دینا درست نہیں ہے۔ غنی اور حمید تو اللہ تعالیٰ کے نام ہیں کسی انسان کو بلانا ہے تو پورا نام یعنی عبد الحمید کہنا چاہیے۔ نام کو مخفف کر کے بلانا انگریز کا طریقہ ہے۔ ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ یہ بات سچ اسم ربک الاعلیٰ کے خلاف ہے اور مکروہ تحریمی کے درجے میں آتی ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ؛

الغرض یہاں یہ حکم ہوا ہے کہ اپنے رب کی تسبیح بیان کریں وہ رب جو کہ اسی ہے۔ اعلیٰ خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ کہتے ہیں کہ

اعلیٰ سے ذات مع جمیع الصفات مراد ہوتی ہے کے ساتھ یاد کرنا کافی ہے۔

ان صفات میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خلق کو بیان فرمایا ہے۔ الذی خلق یعنی وہ خدا تعالیٰ جس کا ایک کماں تخلیق ہے۔ ہر چیز اسی کی پیدا کردہ ہے۔ کیونکہ ہوا خلق العلیم دنیا کی ہر چیز مخلوق ہے۔ اور خالق صرف وہی ہے۔ اللہ خالق کل شیء نیز یہ بھی ارشاد ہے کہ پیدا کرنا صرف اسی کا کام ہے۔ ”الا له الخلق تو حید کا یہ درجہ ایسا ہے جس میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ ہنود یہود مشرک وغیرہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ خالق خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔

اس مقام پر دوسری صفت کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ فسوی اس کے تمام قوی ظاہرہ اور باطنہ کو کمال اعتدال کے ساتھ قائم کیا ہے کہ اس کی کمال درجے کی صنعت اور کاریگری کی دلیل ہے۔ اہم غزالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء اس کمال درجے پر پیدا فرمائی ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہی نہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی کماں صنعت کا شاہکار ہے۔ انسان کی بہترین شکل و صورت درخت کے پتے پھل اور پھول ہر چیز اس کی صنعت تسویہ کا ثبوت ہے۔ فرمایا ہوا الذی یصور کم فی الارحام کیف یشاء ”اللہ کی ذات تو وہ ہے جو تمہارے مادر میں تمہاری بہترین شکل و صورت پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کے تمام اعضاء کو ٹھیک ٹھاک بناتا ہے۔ یہ اس کی صفت تسویہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے والذی قدر اس نے اندازہ ٹھہرایا قبل از پیدائش اس کے لیے تمام چیزیں مقرر کر دیں کیونکہ ہر چیز اس کے علم میں موجود ہے اور پھر پیدا کرنے کے بعد یونہی نہیں چھوڑ دیا۔ کہ انسان کا جدھر دل چاہے چلا جائے۔ بلکہ فہدیٰ اسے ہدایت بھی دی۔ اس کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کی۔ اور بتا دیا کہ اس تک پہنچنے کا یہ صحیح راستہ ہے۔ اس پر چلو گے تو درجہ کمال تک پہنچ جاؤ گے۔ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کر دے گا۔ تو گمراہی کے گڑھے میں جا گرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے نام کی تسبیح بیان کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ اپنی بعض صفات کاملہ کا ذکر کیا۔ کہ اسی ذات نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر برابر کیا۔ تمام قوی ظاہرہ و باطنہ کو کمال اعتدال کے ساتھ رکھا۔ اپنے علم ازلی کے ذریعے اس کی تقدیر مقرر کی۔ اور پھر اس کی ہدایت کے لیے اسے راہ بھی دکھائی۔

(انسان کے حواس ظاہرہ اور باطنہ؛

انسان کے حواس ظاہرہ اور باطنہ وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے انسان علم حاصل کرتا ہے بعض ذرائع ایسے ہیں۔ جو انسان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو انسان کو باہر سے حاصل ہوتے ہیں۔ اندرونی ذرائع حواس خمسہ یعنی سننے دیکھنے سونگھنے چکھنے اور ٹٹولنے جیسے ذرائع ہیں جن کے ساتھ انسان علم حاصل کرتا ہے۔ انسان کے اندر حس مشترک بھی ہے۔ اسی طرح خیال اور عقل وغیرہ ہیں۔ جن کے ذریعے انسان راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ حصول علم کے خارجی ذرائع میں وحی اور الہام ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء (علیہم السلام) کی معرفت اپنی وحی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ جو ان کی راہنمائی کرتی ہے۔

(جانور انسان کی خدمت پر مامور ہیں؛

صفت تخلیق کا پہلا درجہ انسان کا ہے۔ کہ یہ اشرف المخلوقات ہے۔ پھر دوسرا درجہ حیوانات کا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خدمت کے لیے اور نوع انسانی کی مصلحت کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ جیسا فرمایا ”متاعکم ولا تعاکم“ یہ چیزیں تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہیں اور جانور تمہاری خدمت کے لیے پیدا کیے ہیں سورۃ نحل میں موجود ہے۔ کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو پیدا کر کے کس طرح تمہارے ماتحت کر دیا۔ یہ تمہارے بس میں نہ تھا۔ مگر اللہ نے انہیں تمہارے لیے مسخر کر دیا اسی لیے فرمایا کہ گھوڑے یا اونٹ یا خچر وغیرہ کی پیٹھ پر یوں کہو ”سبحن الذی سخر لنا هذا وما کنالہ مقررین“ خدا کی ذات پاک ہے۔ جس نے ان کو ہمارے تابع کر دیا۔ درنہ ایسے جانوروں کو کون مطیع کر سکتا ہے۔ کوئی بھی حیوان گھوڑا یا اونٹ وغیرہ بگڑ جائے تو جان کی فکر پڑ جاتی ہے۔ مگر یہ وہی ذات ہے جس نے اسے اپنے سے کمزور تر ہستی کے تابع کر دیا۔ فرمایا الذی اخرج المرعی خدا کی ذات وہ ہے جس نے زمین سے چار انکالا جہاں پر جانور نظر آئیں سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس خط ارضی میں چراگاہ بھی پیدا کی ہے۔ جو ان جانوروں کی خوراک ہے۔ جانور خود تو اپنے لیے چار اپیدان نہیں کر سکتا، یہ تو وہی مالک الملک ہے جس نے ہر ذی روح کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے۔ جانوروں کی خوراک کے لیے چارابھی زمین سے پیدا فرما دیا ہے۔ اور یہ چار اسی وقت کا رآمد ہے جب تک سرسبز ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ خشک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا ف جعلہ عشاء جب پیدا کیا تو یہ چارہ سرسبز و شاداب تھا۔ پھر کچھ وقت کے بعد اسے خشک بنا دیا۔ احوی پھر وہ سیاحی مائل ہو کر کوڑا کرکٹ بن گیا۔ پہلے تازہ تھا اور کارآمد تھا اب مرجھا گیا اور کوڑے کا ڈھیر بن گیا۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛

سَجَّ، فعل امر واحد مذکر حاضر سَجَّ، مصدر سَجَّ، پاکی بیان کرنا، سَجَّ کرنا (آپ سَجَّ کریں) اِسْم (نام) رَبَّکَ (رَبَّ۔ کُت) رَبَّ، مضاف، رب، پروردگار، کُت، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے، (اپنے رب کے) اَلْاَعْلٰی، جس کے معنی بلند و مرتب ہونے کے ہیں، غُلُوْ، مصدر سے اَفْضَلُ التَّفْضِیْلِ کا صیغہ، (سب سے بلند، سب سے برتر) اَللّٰہِی، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر عَابَ خَلَقَ مَحْلُوْ، مصدر خَلَقَ، پیدا کرنا (اس نے پیدا کیا) فُسُوْی (ف۔ سُوْی) ف، حرف عطف، پھر، سُوْی، فعل ماضی واحد مذکر عَابَ سُوْی، مصدر تَسْوِیْہ، سنوارنا، مکمل کرنا، درست کرنا، اس نے درست کیا (پھر اس نے درست کیا) و، حرف عطف (اور) اَللّٰہِی، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) قَدَّرَ، فعل ماضی واحد مذکر عَابَ قَدَّرَ قَدَّرَ، مصدر قَدَّرَ، اندازہ کرنا، تقدیر بنانا (اس نے اندازہ کیا) فُسْدِی (ف۔ ہُدِی) ف، حرف عطف، پھر، ہُدِی، فعل ماضی واحد مذکر عَابَ هَدِیْ، مصدر هَدِیْ، ہدایت دینا، راہ دکھانا، اس نے ہدایت دی (پھر اس نے ہدایت دی) و، حرف عطف (اور) اَللّٰہِی، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) اَخْرَجَ، فعل ماضی واحد مذکر عَابَ اَخْرَجَ، مصدر اَخْرَجَ، نکالنا (اس نے نکالا) اَنْزَلٰی، رَبِّی، مصدر سے اسم ظرف (چراگاہ) بمعنی ثانی جانوروں اور انسانوں کی خوراک، چارہ، نباتات (ف۔ بَحْل۔ ہ) ف، حرف عطف، پھر، بَحْل، فعل ماضی واحد مذکر عَابَ بَحْلَ بَحْلَ، مصدر بَحْلَ، بنانا، کر دینا، اس نے کر دیا، ہ، ضمیر واحد مذکر عَابَ، اسے (پھر اس نے اسے کر دیا) عِشَاءً اَحْوٰی، عِشَاءً، سیلاب کا کوڑا کرکٹ اور جھاگ، سوکھی گھاس، جمع، اَنْخَاءً، اَحْوٰی، صفت، سیاہ۔

آیت ۶ تا ۱۳

سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْتَسِي (۶) إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى (۷) وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَى (۸) فَذَكَرْنَاكَ لِيَسِّرَ لَكَ الْكُفْرَ (۹) سَيِّدًا كَرِيمًا يَخْفَى (۱۰) وَيُكْذِبُهَا الْأَشْقَى (۱۱) الَّذِي يَصْلُ النَّارَ الْكُفْرَى (۱۲) ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى (۱۳)

ترجمہ:

ہم عنقریب تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا۔ (۶) مگر جو اللہ چاہے۔ یقیناً وہ کھلی بات کو جانتا ہے اور اس بات کو بھی جو چھپی ہوئی ہے۔ (۷) اور ہم تجھے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (۸) سو تو نصیحت کر، اگر نصیحت کرنا فائدہ دے۔ (۹) عنقریب نصیحت حاصل کرے گا جو ذرتا ہے۔ (۱۰) اور اس سے علیحدہ رہے گا جو سب سے بڑا بد نصیب ہے۔ (۱۱) وہ جو سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ (۱۲) پھر وہ نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ (۱۳)

تفسیر:

فرمایا: ہم عنقریب تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا۔

(قرآن پاک کی تعلیم اللہ کے ذمہ ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن پاک نازل فرما کر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی کہ اس کتاب کو پڑھنے میں آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں بلکہ ستر تک ہم خود آپ کو اس طور پر پڑھادیں گے فلا تنسی کہ آپ بھولیں گے نہیں آپ کو قرآن پاک کی ایسی تعلیم دیں گے جو صحتی تقاضوں کو پورا کرے گی۔ اس کے اصول ضوابط شریعت قانون ہر چیز آپ کو ذہن نشین کرا دیں گے۔ ایک دفعہ یاد کرا دینے کے بعد بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ سوائے اس چیز کے کہ اللہ تعالیٰ خود اسے بھلا دینا چاہے۔ اللہ تعالیٰ ایک حکم صادر کرتا ہے تو وہ اس کو واپس بھی لے سکتا ہے لہذا اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ کوئی حکم باقی نہ رہے۔ تو وہ خود بھلا دے گا۔ مگر اس کا قانون ہے مانع من ایذا وفسھانات بخیر منھا۔ جب ہم کسی آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر چیز لے آتے ہیں۔ لہذا اس قانون کے تحت اگر خود اللہ تعالیٰ کسی چیز کی منسوخی چاہیں گے تو اسے بھلا دیں گے ورنہ قرآن پاک کی ہر ہر آیت کا پڑھانا اور یاد رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔

(اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے)

فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے پکارنے کو اور مخفی چیز کو یعنی جو کام انسان کھلے طور پر کرتا ہے۔

اللہ اے بھی جانتا ہے۔ اور جو کام پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ وہ تو انسان کے دل کی نیت کو بھی جانتا ہے۔ ہر شخص کی استعداد اور صلاحیت تک سے واقف ہے۔

(ہدایت کا غالب ہدایت پالینا)

فرمایا: ہم آسان کر دیں گے آپ کے لیے آسانی یعنی آپ کے مشن کو بدرجہ آسان بنادیں گے۔ پیغمبر کا کام تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف بلانا ہے۔ لوگوں کے ہدایت پانے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو وہ پیغمبر (علیہ السلام) کی تبلیغ کا اثر قبول کرتے ہیں یا خود بخود حق کے متلاشی بن کر ہدایت کو پالیتے ہیں۔ جو لوگ اچھی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ نبی کی دعوت کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص کو نبی خود خطاب کرے جو لوگ خود حق کے متلاشی ہوتے ہیں وہ ضرور اسے پالیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے واللہ ینجاہدوا فینا لنھدھنھم سبلنا یعنی جو لوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کے لیے ہدایت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں تک اگر نبی کا خطاب نہ بھی پہنچے تب بھی وہ ہدایت کو تلاش کر لیتے ہیں۔

(تلخ میں سراسر نفع ہے:)

نبی (علیہ السلام) کو ارشاد فرمایا کہ آپ نصیحت کرتے رہیں اور اس بات کی فکر نہ کریں کہ کوئی نصیحت سے فائدہ حاصل کرے یا نہ کرے۔ آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کے مخاطب نے تبلیغ کا فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔ بلکہ آپ سے صرف یہ سوال ہوگا کہ آپ نے نصیحت کی یا نہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہوی فرماتے ہیں کہ مبلغ کو یقین رکھنا چاہیے کہ کوئی مانے یا نہ مانے اسے تبلیغ حق کا اجر ضرور ملے گا۔ پھر ان کو بھی یقیناً فائدہ پہنچے گا۔ جو اس دعوت کو قبول کر لیں گے۔ اگر کوئی نصیحت نہ پکڑے تو اس کی اپنی بدبختی ہے۔ ورنہ مبلغ کو ضرور فائدہ ہوگا۔ اس لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم ہوتا ہے۔ کہ آپ نصیحت کرتے رہیں۔ کوئی اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

(خوف خدا کا سیلابی کا ذریعہ ہے:)

فرمایا سید کر من یخشی نصیحت وہ شخص پکڑے گا جو ڈرتا ہے اور ڈرتا وہ ہے جسے خطرے کا احساس ہوتا ہے۔ اور خطرے کے آنے سے پہلے ہی اس سے بچاؤ کا انتظام کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کو ہی عاقبت اندیش کہتے ہیں قبل از وقت خطرے کا احساس کرتا ہے۔ نصیحت وہی پکڑے گا جسے ڈر ہے کہ ایک دن راز کھلیں گے جزائے عمل واقع ہوگی۔ اور اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔

(شتی کا انجام:)

فرمایا ویتجنبھا الا شتی اور اس نصیحت سے الگ وہ رہے گا جو بدبخت ہے ناعاقبت اندیش ہے۔ اس نے بد وقت خطرے کا احساس ہی نہیں کیا۔ اور اس بچاؤ کی تیاری نہیں کی۔ وہ مذات اور شہوات میں منہمک رہا۔ اور نصیحت کی بات کو مزاق سمجھتا رہا۔ ایسا شخص کمال کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ بلکہ الذی یصلی النار الکبریٰ یہ بڑی آگ میں پہنچے گا۔ جو دوزخ کی آگ ہے اور دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ اور اس بڑی آگ میں پہنچے گا۔ جو دوزخ کی آگ ہے اور دنیا کی آگ سے

سترگنا زیادہ سخت ہے۔ اور اس بڑی آگ میں جا کر اس کی حالت یہ ہوگی۔ کہ تم لایموت فیہا اس آگ میں جل کر اس کی موت بھی واقع نہیں ہوگی۔ تاکہ اس کا خاتمہ ہو جائے امام ابن جریر فرماتے ہیں۔ دوزخی کی جان گلے تک آئے گی مگر نکلے گی نہیں اس طرح نہ اس کی موت واقع ہوگی۔ ولا یحییٰ اور نہ ہی وہ زندہ ہوگا۔ حقیقت میں اسے زندگی کا لطف خوشی اور سرور حاصل نہیں ہوگا۔ اس کو آرام و راحت نہیں ملے گا۔ اس لیے دوزخ کی زندگی اس کے لیے زندگی ہوگی مصائب و آلام کی کٹھن منزل ہوگی۔ ایسی حالت کو لایموت فیہا ولا یحییٰ کہہ سکتے ہیں۔ جس میں نہ موت دیا جاسکے۔ ایسے بد بخت کی یہ حالت ہوگی۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

سُفِّرْتُكَ (س۔ فُفِّرْتُ۔ ك) س، حرف استقبال، مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، معتریب، فُفِّرْتُ، فعل مضارع جمع محکم انفرادی فُفِّرْتُ، مصدر انفرادی، پڑھانا، ہم پڑھائیں گے، ك، ضمیر واحد مذکر حاضر، قَاتَلْتُ (ف۔ تَاتَلْتُ) ف، حرف عطف، تو، تَاتَلْتُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر حاضر فُفِّرْتُ، مصدر زنیان، بھولنا، آپ نہیں بھولیں گے (تو آپ نہیں بھولیں گے) فَا، حرف استثنا (مگر) نا، اسم موصول (جو) شَاءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب شَاءَ، مصدر ماضی، چاہنا (وہ چاہے) اَللّٰهُ (اللہ) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ (اللہ نے قرآن پڑھا دیا) وہ جانتا ہے ظاہر کو اور اس کو (بھی) جو چھپا ہوتا ہے۔ اِنَّ (اِنَّ۔ اِنَّ)، حرف مشبہ بالفعل، بلاشبہ، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بلاشبہ وہ) عَلَّمَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَلَّمَ، مصدر علّم، جانتا (وہ جانتا ہے) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، دیکھنے یا سننے میں کسی چیز کے کلمہ کھلا ظاہر ہونے کا نام، جعفر، ہے (زور سے کہنا، علانیہ ظاہر ہونا، ظاہری بات، ظاہر) و، حرف عطف (اور) نا، اسم موصول (اس کو جو) عَلَّمَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَلَّمَ، مصدر عَلَّمَ، پوشیدہ ہونا، چھپا ہونا (چھپا ہوتا ہے) و، حرف عطف (اور) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، فعل مضارع جمع محکم انفرادی، مصدر تینہ آسان کرنا، سہولت دینا، ہم سہولت دیں گے، ك، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (ہم آپ کو سہولت دیں گے) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، ل، حرف جار، کی، اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر سے اسم تفضیل واحد مؤنث معرف بالام، آسان (آسان (طریقہ) کی) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، ف، حرف عطف، تو، اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، فعل مضارع واحد مذکر حاضر اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر یکدہ دینا، اِنَّ، شرطیہ جازمہ (مگر) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، کی وجہ سے ترجمہ، (وہ فائدہ دے) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر (صحیح کرنا، اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ) س۔ فُفِّرْتُ، حرف استقبال، مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، معتریب، فُفِّرْتُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، صحیح قبول کرے گا (معتریب وہ صحیح قبول کرے گا) مَن، اسم موصول (جو) عَلَّمَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَلَّمَ، مصدر عَلَّمَ، اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، و، حرف عطف (اور) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَلَّمَ، مصدر عَلَّمَ، اجتناب کرنا، دور رہنا، وہ دور رہے گا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس سے، ضمیر کا مرجع، اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، ہے (وہ اس سے دور رہے گا) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر سے الفعل التفضیل کا صیغہ (سب سے بڑا بد بخت، بد قسمت) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جو) عَلَّمَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَلَّمَ، مصدر عَلَّمَ، داخل ہونا (وہ داخل ہوگا) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر سے الفعل التفضیل کا صیغہ واحد مؤنث (سب سے بڑی) فُفِّرْتُ، حرف عطف (پھر) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، مصدر مومنا، مرنا، فوت ہونا (وہ نہ مرے گا) فُفِّرْتُ، (ہا) فُفِّرْتُ، حرف جار، میں، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، ہے (اس میں) و، حرف عطف (اور) اَللّٰهُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب عَلَّمَ، مصدر عَلَّمَ، زندہ رہنا (نہ وہ زندہ رہے گا)

آیت ۱۴ تا ۱۹

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (۱۲) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى (۱۳) بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۱۴) وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَى (۱۵) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى (۱۶) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (۱۷)

ترجمہ:-

بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا۔ (۱۴) اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی (۱۵) بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ (۱۶) حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔ (۱۷) بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے۔ (۱۸) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ (۱۹)

تفسیر:-

فرمایا: بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا الخ؛

توہم نفس کا معنی:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا اور ان کی ہٹ دھرمی اور ان کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا تھا، اور جیسا کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کفار کے بعد مؤمنین کا ذکر فرماتا ہے اور وعید کے بعد اور عذاب کے بعد ثواب کا ذکر فرماتا ہے، اس لیے ان مؤمنوں کا ذکر فرما رہا ہے، جنہوں نے اپنا تزکیہ کر لیا اور اپنا باطن صاف کر لیا۔

اب یہ بحث ہے کہ تزکیہ سے کیا مراد ہے؟ امام رازی کی رائے یہ ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے: کفر و شرک کو ترک کر کے اپنے باطن کو صاف کرنا اور کفر کی تاریکی کو اپنے قلب سے زائل کر کے اس کو ایمان کے نور سے روشن کرنا، کیونکہ اس آیت میں مطلق تزکیہ کا ذکر ہے اور جب کسی چیز کو مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد اس کا کامل فرد ہوتا ہے اور تزکیہ کا کامل فرد کفر اور شرک کو زائل کرنا ہے اور اس کی تلبید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ”تزکی“ کا معنی ہے: ”لا الہ الا اللہ“ پڑھنا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۳۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ”قد افلح من تزکی“ کی تفسیر میں فرمایا: جس نے ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دی اور یہ شہادت دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور ”وذكر اسم ربہ“ فصلی ”کی تفسیر میں فرمایا: یہ پانچ نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث ۲۲۸۴: اس حدیث کی سند میں عباد بن احمد العززی متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۷) دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے: کفر و شرک اور ہر قسم کے گبیہ گناہوں کی آلودگی سے قلب کو صاف کر دینا اور اس کی تلبید ان آیات سے ہوتی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ. الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ. وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعَصِّمُونَ. وَالَّذِينَ هُمْ لِلزُّكُوفِ فَاعِلُونَ.

وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ خِفْظُونَ. إِلَّا عَلَىٰ آرَؤِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ. فَمَنْ أَتَعْلَىٰ وَرَأَاهُكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ. وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ ذُعُونَ. وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَواتِهِمْ يُحِيطُونَ. أُولَٰئِكَ هُمُ
الذُّرُوءُونَ. الَّذِينَ يَرُوءُونَ الْفَرْخَ حَوْسَطَ هُمْ فِيهَا خِلْدُونَ. (المؤمنون: ١١)

بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔ جو اپنی ہمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے
ہیں۔ اور جو اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سو اپنی بیویوں کے
یا باندیوں کے سوبیشک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ
اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی اہنتوں اور عہد کی پاس داری کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو
اپنی ہمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔ وہی لوگ وارث ہیں۔ جو جنت الفردوس کی وارث پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ
رہنے والے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے الا علی ۱۵ :- ۱۴ کی تفسیر میں حسب ذیل آثار ذکر کیے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا : جس نے شرک کو ترک کیا، توحید کا اقرار کیا اور پانچوں
نمازیں پڑھیں۔

امام بیہقی نے ”الاسماء والصفات“ میں عکرمہ سے روایت کیا ہے : جس نے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھا۔

امام ابن ابی حاتم نے عطاء سے روایت کیا ہے، جس نے یہ کثرت استغفار کیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث :
۱۹۲۳۱)

امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ (رض) سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے، جس نے نیک عمل
کیے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۲۳۲ :)

تذکیر کی تفسیر صدقہ فطر قرار دینے کے متعلق احادیث اور آثار:

امام بزار، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے سند ضعیف سے عبداللہ بن عمرو بن عوف سے، انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں
نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عید کی نماز پڑھنے سے پہلے ان آیات کی تلاوت فرماتے
تھے، : ”قَدْ فَلَاحَ مَنْ تَرَكَا۔ وَذَكَرَا سُمْ رَبِّهِمْ فَصَلَّى۔“ (الا علی ۱۴-۱۵) ایک روایت میں ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم) سے صدقہ فطر کے متعلق سواں کیا گیا تو آپ نے فرمایا : ”وَذَكَرَا سُمْ رَبِّهِمْ فَصَلَّى۔“ سے مراد صدقہ فطر ہے۔ (تفسیر امام
ابن حاتم)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید الخدری (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عید الفطر کے
دن نماز عید پڑھنے کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرتے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر (رض) سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقہ نظر ادا کر دیا جائے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ (رض) سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: جس شخص نے اپنے مال کو پاک کیا اور جس شخص نے اپنے اخلاق سے اپنے باطن کو پاکیزہ کیا۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوالاحوص (رض) سے روایت کیا ہے: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے صدقہ کیا، پھر نماز پڑھی، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۲۴۰:)

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۴۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تزکیہ کا معنی ہے: اپنے قلب سے عائد باطلہ اور گناہ ہائے گہیرہ کی طرف میدان کو زائل کرنا اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا معنی یہ ہے: جو شخص اپنے رب کے سامنے منکسر اور متواضع ہوتا ہے، اس کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے منور ہو جاتا ہے، پھر اس نور کی وجہ سے اس کے تمام اعضاء سے خضوع اور خشوع ظاہر ہوتا ہے۔

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ نماز کی ”تکبیرۃ الافتتاح“ میں اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ (رح) نے فرمایا ہے کہ اللہ اکبر کہنا ضروری نہیں ہے، اگر اس نے اللہ اعظم کہہ دیا، پھر بھی نماز کو شروع کرنا صحیح ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے:

(الاعلیٰ ۱۴:) اس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا، پھر نماز پڑھی۔

فرمایا: بلکہ تم دنیا کی زندگی کی ترجیح دیتے ہو۔

دنیا کی لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث اور آثار:

اس آیت کا معنی ہے کہ تم دنیا کے مشاغل اور دنیا کی لذات کو آخرت کے مشاغل اور آخرت کی لذات پر ترجیح دیتے ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک خطبہ دیا، ہم میں سے جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا، اس خطبہ میں آپ نے قیام تک ہونے والے امور کو بیان فرما دیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: یہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو اس میں خلیفہ بنانے والا ہے، سو دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو، سنو! تم دنیا اور عورتوں سے بچو۔ الحدیث۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹ مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۲۷۔ رقم الحدیث:)

حضرت عقبہ بن عامر (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد فرمایا: بیشک اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے روئے زمین کے غزنوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں

اور بیشک مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم سب مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کر دو گے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۳۴۴: سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۲۲۳: مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود (رض) نے سورۃ الاعلیٰ پڑھی، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا - (الاعلیٰ: ۱۸) تو انھوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہم نے آخرت کے اوپر دنیا کو ترجیح دے دی ہے، پھر انھوں نے کہا: ہم نے دنیا کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ ہم نے دنیا کی خوش نما چیزوں کو دنیا کی (حسین) عورتوں کو اور دنیا کی کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو دیکھا اور آخرت کی نعمتیں ہم سے غائب تھیں، اور ہم نے جلد ملنے والی چیزوں کو تاخیر سے ملنے والی نعمتوں پر ترجیح دی۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۸۶۵۸:)

فرمایا: اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

اخروی نعمتوں کے افضل ہونے کی وجوہ:

(۱) آخرت جسمانی اور روحانی سعادتوں پر مشتمل ہے جب کہ دنیا میں صرف دنیاوی لذتیں ہیں۔

(۲) دنیا کی لذتیں مصیبت اٹھانے کے بعد ملتی ہیں اور آخرت کی لذتیں ابتداء ملتی ہیں۔

(۳) دنیا کی لذتوں کے ساتھ یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ یہ لذتیں کسی وقت بھی زائل ہو سکتی ہیں۔

(۴) دنیا کی لذتیں فانی ہیں اور آخرت کی لذتیں باقی ہیں۔

فرمایا: بیشک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے۔

کون سی نصیحت سابقہ صحائف میں مذکور ہے؟

اس میں اختلاف ہے کہ اس نصیحت کا اشارہ کس طرف ہے، بعض علماء نے کہا: اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی توحید، سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت، کفار کو عذاب کی وعید اور مؤمنین کو ثواب کی بشارت کی طرف ہے۔

بعض علماء نے کہا: اس کا اشارہ ”قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى“ - (الاعلیٰ: ۱۸) کی طرف ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر نامناسب کام سے پاک اور صاف کرے، قوت نظریہ کو تمام عقائد باطلہ سے پاک کرے اور قوت عملیہ کو تمام مذموم اخلاق سے پاک کرے۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى - (الاعلیٰ: ۱۵) میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے منور کرے اور ”فصلی“ میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزین کرے۔

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا - (الاعلیٰ: ۱۸) میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زینب وزینت میں غافل ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کو فراموش نہ کرے۔

”وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَثَرٌ“ (الاعلیٰ: ۱۷) میں یہ رہنمائی کی ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی طرف رغبت کرے اور اخروی انعامات کی طرف۔

اور چونکہ اشارہ اس کی طرف کیا جاتا ہے جو زیادہ قریب مذکور ہو، اس لیے متبادر یہ ہے کہ یہ اشارہ الاعلیٰ ۱۷: کی طرف ہے اور اس آیت کی نظریہ آیت ہے:

وَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى (الشعراء: ۱۹۶) بیشک یہ (قرآن) انبیاء سابقین کے صحائف میں بھی مذکور ہے۔
فرمایا: ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں۔

نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تصادق کی تحقیق:

امام ابو نعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے، اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابو ذر (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لکھ چوبیس ہزار، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں، میں نے کہا: بہت اچھے ہیں، میں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی، پھر ان کو اپنے سامنے بنایا، پھر آپ نے فرمایا: اے ابو ذر! چار نبی سر یانی ہیں: آدم، شیث اور ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں: ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، ادریس پر تیس صحیفے نازل کیے گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا: (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابو ذر (رض) سے روایت کیا ہے۔

(موارد انظمان ص ۵۴-۵۲، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ، بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابو ذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔

مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶-۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابو ذر (رض) سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۷-۳۵۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

حافظ اکیثمی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت،

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

قَدْ، حرف تحقیق (یقیناً) لُحَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب لُحَّ، مصدر لُحَّ، فلاح پانا، کامیاب ہونا (وہ کامیاب ہو گیا) سُنَ، اسم موصول (جو) سُرَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب سُرَّ، مصدر سُرَّ، پاک ہونا، پاکیزگی اختیار کرنا (وہ پاک ہو گیا) وَ، حرف عطف (اور) دُکَّرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب دُکَّرَ، مصدر دُکَّرَ، یاد کرنا، یاد کرنا (اس نے یاد کیا) اِسْمُ (نام) رَبِّهِ (رب - ا) رَبِّ، مضاف، رب، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کا) فَصَّلَ (ف - ضل) ف، حرف عطف، پھر، ضلَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب ضلَّ، مصدر تَصَلَّى وَصَلَاةً، نماز صلا، اس نے نماز پڑھی (پھر اس نے نماز پڑھی) بَلَّ، حرف اضراب (بلکہ) تَوَجَّهَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر تَوَجَّهَ، مصدر تَوَجَّهَ، ترجیح دینا (تم ترجیح دیتے ہو) اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (اَلْحَيٰوةُ - الدُّنْيَا) اَلْحَيٰوةُ، موصوف، زندگی، اَلدُّنْيَا، صفت، دنیاوی، دنیا، (دنیاوی زندگی، دنیا کی زندگی) وَ، حالیہ (حالانکہ) اَلْآخِرَةُ (آخِرَت) خَيْرٌ (بہتر، اچھی) وَ، حرف عطف (اور) اَبْلَى - بَقَاءً، مصدر سے افضل التفصیل کا مینہ (زیادہ باقی رہنے والا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بلاشبہ) اِذَا، اسم اشارہ واحد مذکر قریب (یہ، یہی) اِنْفِی الصُّحُفِ الْاَوَّلِ (ل - فنی - اَلصُّحُفِ - اَلْاَوَّلِ) ل، لام تاکید، یقیناً فنی، حرف جار، میں، اَلصُّحُفِ، مجرور، موصوف، صحیفوں، واحد، صَحِيفَةٌ اَلْاَوَّلِ، صفت، پہلے، اَلْاَوَّلِ، کی مؤنث (یقیناً پہلے صحیفوں میں) صُّحُفٍ اِلَّا رُبَّمَا، مضاف، صحیفوں، واحد، صَحِيفَةٌ اِلَّا رُبَّمَا، معطوف علیہ، حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، (حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں) وَ، حرف عطف (اور) مُؤَنِّسٍ، معطوف۔

(الحمد للہ سورہ اعلیٰ مکمل ہو گئی)

[سورۃ الغاشیہ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت اتمام

قُلْ اَتَاكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ (۱) وَجُودُكَ یَوْمَئِذٍ غَاشِیَةٌ (۲) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۳) تَصْلٰ نَارًا حَامِیَةً (۴) تُنْفَخُ مِنْ عَلَیْنِ اٰیَةٌ (۵)
لَیْسَ لَهُمْ ظَعَامٌ اِلَّا مِنْ حَرِّیْجٍ (۱) لَا یُسْقٰوْنَ وَلَا یُغْنٰی مِنْ جُوعٍ (۲)

ترجمہ:-

کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی؟ (۱) اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے۔ (۲) محنت کرنے والے، تھک جانے والے۔ (۳) گرم آگ میں داخل ہوں گے۔ (۴) وہ ایک کھولتے ہوئے چشمے سے پلائے جائیں گے۔ (۵) ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر ضریع سے۔ (۶) جو نہ مونا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔ (۷)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الغاشیہ ہے۔ غاشیہ کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ اسی لفظ سے اس سورت کا نام الغاشیہ رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سڑسٹھ سورتی نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور چھ بیس آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر پر متوجہ کیا گیا تھا کہ وہ اللہ رب العالمین کی پاکی بیان کرے، اور مادی زندگی میں منہمک ہو کر اپنے رب کو فراموش نہ کرے، ایمان و تقویٰ ہی معیار نجات ہے اور فکر آخرت ہی انسانی سعادت ہے، یہی وہ ہدایت و تعلیم ہے جو تخلیق عالم کے بعد سے مسلسل تمام انبیاء (علیہم السلام) اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے، ان ہی علوم و ہدایات پر صحف ابراہیم و موسیٰ (علیہما السلام) بھی مشتمل تھے، اب اس سورت میں ہر اس غافل انسان کو وقوع قیامت سے چوٹکایا جا رہا ہے جو مادی لذتوں میں پڑ کر آخرت اور بعث بعد الموت کو بھلا چکا،

تفسیر:

فرمایا: کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی؟ اٹھ

قیامت کے دن کو الغاشیہ فرمانے کی وجہ:

”الغاشیہ“ (ڈھانپنے والی چیز) قیامت کو کہا گیا ہے اور اس کو ”الغاشیہ“ کہنے کی حسب ذیل وجہ ہیں:

- (۱) قرآن مجید میں ہے: ”یَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ“ (العنکبوت: ۵۵) وہ دن جو ان کو عذاب سے ڈھانپ لے گا۔
- (۲) قیامت کو ”الغاشیہ“ اس لیے فرمایا ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کا تمام اطراف سے احاطہ کر لے، اس کا غاشیہ کہتے ہیں۔

- (۳) قیامت اچانک آ کر لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈھانپ لے گی، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ (يوسف: ۱۰۰)

کیا یہ لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب سے ڈھانپنے والی چیز آجائے۔

- (۴) قیامت تمام اولین اور آخرین لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔

- (۵) قیامت کے ہول ناک مناظر اور اس کے دہشت ناک احوال اور شدائد لوگوں کو ڈھانپ لیں گے۔

- (۶) ”الغاشیہ“ دوزخ کی آگ ہے، جو کفار اور اہل دوزخ کے چہروں کو ڈھانپ لے گی، قرآن مجید میں ہے:

تَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ۔ (ابراہیم: ۵۰) ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ ڈھانپ لے گی۔

فرمایا: اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے۔

”فاشحة“ کا معنی:

اس کا معنی ہے: ذلیل و خوار ہونے والے، دینے والے، عجزی کرنے والے۔

اس آیت کا لفظی معنی ہے: کفار کے چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے اور اس سے مراد ہے: خود کفار اس دن ذلیل و خوار ہوں گے، چہروں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ ان کی ذلت اور خواری کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہوں گے، قرآن مجید کی دیگر آیتوں میں بھی کفار کی ذلت اور خواری کا ذکر فرمایا ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ مَا كَسُوا زُؤُوسَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (السجدة: ۱۷)

کاش کہ آپ دیکھتے جب مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعَتِنِ مِنَ النَّارِ (الشوریٰ: ۲۵)

اور آپ انھیں اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر پیش کیے جائیں گے اور وہ ذلت سے جھک رہے ہوں گے۔

فرمایا: کام کرنے والے، مشقت برداشت کرنے والے۔

کفار پر مشقت و عذاب:

آخرت کے دن کفار کے چہروں پر مشقت ہوگی، کیونکہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کرتے تھے، وہ دوزخ میں مشقت والے عمل کریں گے، وہ زنجیروں اور بھاری اور وزنی طوق گلے میں ڈالے ہوئے گھسیٹ رہے ہوں گے، قرآن مجید میں ہے:

خُلِدُوا فِي الْعُقُورِ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ (الحاقة: ۱۰-۱۲)

اس کو پکڑو، پھر اس کو طوق پہنا دو۔ پھر اس کو دوزخ میں جھونک دو۔ پھر اس کو ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے۔

ان کی مشقت والا عمل یہ ہوگا کہ وہ زنجیروں اور طوق میں جکڑے ہوئے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ سے کبھی اوپر اٹھیں گے اور کبھی نیچے جائیں گے، نیز دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے وہ میدانِ مشر میں ایک ہزار سال کے دن میں ننگے، بھوکے پیاسے کھڑے ہوں گے اور یہ ان کا بہت مشقت والا عمل ہوگا۔

حسن بصری نے کہا: ان کو یہ ذلت اور مشقت دنیا میں حاصل ہوگی اور یہ لوگ یہود، نصاریٰ، بت پرست اور مجوس ہیں، انھوں نے اپنے ذہنوں اور دماغوں میں اللہ تعالیٰ کا جو تصور بنا رکھا تھا، یہ اس کے مطابق دنیا میں عبادت کی مشقت برداشت کرتے رہے، روزے رکھتے اور مشقت والی ریاضتیں کرتے، لیکن ان کی یہ ریاضتیں آخرت میں کسی کام نہ آئیں، اس لیے یہ ذلیل و خوار ہوں گے

فرمایا: وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔
”تصلیٰ اور حامیہ کا معنی:

تصلیٰ کا معنی ہے: کسی جگہ داخل ہونا اور کسی جگہ پہنچنا۔
 ”حامیہ“ اس کا معنی ہے: دہکتی ہوئی جلتی ہوئی آگ، یہ لفظ ”حمی“ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے، دہکنا اور گرم ہونا۔
 (مختار الصحاح ص ۱۰۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت) اور ”تصلیٰ“ کا لفظ ”صلیٰ“ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے، داخل ہونا، اس سے مراد ہے: وہ دوزخ میں جھونکے گئے اور جل رہے ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۱۳۴، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

فرمایا: انھیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا۔

اس آیت میں ”ہیتہ“ کا لفظ ہے، یہ لفظ ”انی“ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: سخت کھولنا اور پکنا۔
 مفسرین نے کہا ہے کہ یہ پانی اس قدر گرم ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو تمام پہاڑ پگھل جائیں گے۔

فرمایا: ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا۔

اس آیت میں ”ضریح“ کا لفظ ہے، ”ضریح“ کا معنی ہے: خاردار جھاڑی، حدیث میں ہے:
 ”الضریح“ ایک گھاس ہے، جس کو شہر قہس کہا جاتا ہے، اہل حجاز ”الضریح“ سوکھی ہوئی گھاس کو کہتے ہیں اور یہ زہریلی گھاس ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۃ الغاشیہ، باب ۸۸ :)
 علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

عذاب کی متعدد اقسام ہیں، اسی طرح معذبین کے بھی کئی طبقات ہیں، بعض معذبین قہس کے درخت کو کھائیں گے، اور بعض ”غسلین“ کو کھائیں گے اور بعض ”الضریح“ کو کھائیں گے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: ”الضریح“ آگ کا درخت ہے اور خلیل نے کہا: وہ سبز رنگ کی بدبودار گھاس ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۹ ص ۴۱۶، ۴۱۷ھ)
 فرمایا: جو نہ فریبہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا۔

کفار قریش نے کہا: ہمارے اونٹ ضریح (خشک گھاس) کھاتے ہیں اور خوب فریبہ ہو جاتے ہیں تو اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

ہاں، استفہامیہ (کیا) ایک (ک) تھی، فعل ماضی واحد مذکر غائب ثانی، مصدر اشیاء، آنا، پہنچنا، وہ پہنچی ہے، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (وہ آپ کے پاس پہنچی ہے) حدیث الغاشیہ (حدیث) - الغاشیہ (حدیث)، مضاف، کہانی، بات، خبر، ہر وہ کلام جو انسان تک پہنچ سکے، خواہ

بذریعہ سماعت، بذریعہ وحی، عالم خواب یا بحالت بیداری اس کو، حدیث کہتے ہیں، جمع اُخاریثاً لغاشیہ، مضاف الیہ، غشکو، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، ہر طرف سے گھیر لینے والی، چھا جانے والی، ڈھانپ لینے والی (قیامت) (چھا جانے والی (قیامت) کی خبر دُجُوہ (کئی چہرے) واحد، دُجُوہ تَوَمَّیذ (یوم۔ از) یوم، مضاف، دن، از، مضاف الیہ، اس (اس دن) غَاشِیَہ تَشْوِیج، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، عاجزی کرنے والی، غم اور حقارت کی وجہ سے ترجمہ، (ذلیل ہونے والی، ذلیل و خوار) غَالِبِہ غَمَلًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (عمل کرنے والا، محنت کرنے والا، سخت مشقت اٹھانے والا) نَاصِبِہ نَضَب، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (تھک جانے والا) غَالِبِہ نَاصِبِہ دونوں، دُجُوہ کی خبر اور صفات ہیں۔ تَضَلٰی، فعل مضارع واحد مؤنث غَاصِبِی تَضَلٰی، مصدر ضعیف، داخل ہونا، دُجُوہ کی وجہ سے ترجمہ (وہ داخل ہوں گے) نَازِغَامِیَہ نَازِغ، موصوف، آگ، غَامِیَہ، صفت، غَمٰی، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، دکھتی ہوئی (دکھتی ہوئی آگ) تَضَلٰی نَازِغَامِیَہ کا جملہ، دُجُوہ کی خبر ہے۔ تَضَلٰی، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غَاصِبِی تَضَلٰی، مصدر سنی و سقاییہ پلانا، دُجُوہ کی وجہ سے ترجمہ (وہ پلائے جائیں گے) مَن غَیْنِ لَیْثِہ۔ مَن، حرف جار، سے، غَیْنِ، مجرور، موصوف، چشمہ، لَیْثِہ، صفت، مَن، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، سخت کھولنا ہوا، یہ جملہ بھی، دُجُوہ کی خبر ہے (کھولتے ہوئے چشمے سے) لَیْثِہ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غَاصِبِی، اس کا فعل مضارع اور فعل امر نہیں آتا، ترجمہ بحوالہ قیامت، (نہیں ہوگا) تَمَّ (ل۔ تَمَّ) ل، حرف جار، کیلئے، تَمَّ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غَاصِبِی، ان (ان کیلئے) طَعَام (کوئی کھانا) لَیْثِہ، حرف استثنیٰ (مگر، سوائے) مَن فَرِیخ۔ مَن، حرف جار، سے، فَرِیخ، مجرور، خاددار سوکھی گھاس، خاددار جھاڑیوں (خاددار جھاڑیوں سے) لَیْثِہ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غَاصِبِی لَیْثِہ، مصدر استمنا، مونا کرنا (وہ نہ مونا کرے گا) و، حرف عطف (اور) لَیْثِہ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غَاصِبِی لَیْثِہ، مصدر اعتناء، فائدہ دینا، بے نیاز کرنا، کام آنا (وہ فائدہ نہ دے گا) مَن بَجْوِی۔ مَن، حرف جار بمعنی رفتی، میں، بَجْوِی، مجرور۔

آیت ۸ تا ۱۶

وَجُوکَیْہِ مَعِیْذَ کَافِیَہ (۸) لِسَعِیْہِ رَاطِیَہ (۹) فِی جَنَّةِ عَالِیَہ (۱۰) لَا تَسْبَعُ فِیْہَا لَاغِیَہ (۱۱) فِیْہَا عَلٰی جَارِیَہ (۱۲) فِیْہَا سُرُورٌ مَرْفُوعٌ (۱۳) وَأَنْکُوبٌ مَوْضُوعٌ (۱۴) وَتَحَارِیُّ مَضْفُوقٌ (۱۵) وَزَرَانِیُّ مَبْثُوثٌ (۱۶)

ترجمہ:-

کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔ (۸) اپنی کوشش پر خوش۔ (۹) بلند جنت میں ہوں گے۔ (۱۰) وہ اس میں بے ہودگی والی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ (۱۱) اس میں ایک پہننے والا چشمہ ہے۔ (۱۲) اس میں اونچے اونچے اونچے تخت ہیں۔ (۱۳) اور رکھے ہوئے آنخورے (پیالے) ہیں۔ (۱۴) اور قطروں میں لگے ہوئے گاؤں کیے ہیں۔ (۱۵) اور پچھائے ہوئے مخملی قالین ہیں۔ (۱۶)

تفسیر:

فرمایا: کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے الخ

مومنین کا انعام:

مجرموں اور نافرمانوں کا حال بیان کرنے کے بعد ان آیتوں میں نیک لوگوں کے احوال اور ان کے انعام کا بیان ہے کہ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ اور مسرور ہوں گے، انھوں نے دنیا میں اعمال صالحہ اور احکام شرعیہ کی اطاعت و پابندی کیلئے جو

آیت ۷۶ تا ۸۱

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (۱۷) وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ (۱۸) وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ (۱۹) وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (۲۰) فَذِكْرُكُمْ أَنتُمْ مَذْمُومٌ (۲۱) لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِمُصَيِّطٍ (۲۲) إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ (۲۳) فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ (۲۴) إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ (۲۵) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا جِسَابَهُمْ (۲۶)

ترجمہ:-

تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔ (۱۷) اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کیا گیا۔ (۱۸) اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے نصب کیے گئے۔ (۱۹) اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھائی گئی۔ (۲۰) پس تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ (۲۱) تو ہرگز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں ہے۔ (۲۲) مگر جس نے منہ موڑا اور انکار کیا۔ (۲۳) تو اسے اللہ عذاب دے گا، سب سے بڑا عذاب۔ (۲۴) یقیناً ہماری ہی طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے۔ (۲۵) پھر بے شک ہمارے ہی ذمے ان کا حساب ہے۔ (۲۶)

تفسیر:

فرمایا: تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔ الخ

اونٹ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی نشانیاں:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے کی خبر دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ اہل قیامت کی دو قسمیں ہیں: ایک مومنین ہیں جو نجات یافتہ ہیں اور دوسرے کافرین ہیں جو عذاب یافتہ ہیں، اور قیامت کے دن پر اور عذاب اور ثواب پر ایمان لانا اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا واحد خالق اور مدبر اور حکیم مانا جائے، اس لیے اب درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

الغاشیہ ۱۷: میں اونٹ کی تخلیق کا ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے تمام حیوانات اس کی تخلیق اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ تمام حیوانات کی پیدائش اور ان کی نشوونما کا طریقہ واحد ہے اور ان کی تخلیق کی طرز اور نظم واحد ہے اور تخلیق کی طرز کا واحد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی واحد ہے، پھر ان تمام حیوانات اور چوپایوں میں سے اونٹ کی تخصیص کی وجہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے حیوانات میں جو منافع اور فوائد رکھے ہیں، وہ یہ ہیں: انسان بعض جانوروں کا گوشت کھاتا ہے اور بعض جانوروں کا دودھ پیتا ہے، بعض جانوروں پر اپنا سامان لادتا ہے اور بعض جانوروں پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے، اور بعض جانوروں کو صرف ان کی خوب صورتی اور ان کا حسن و جمال دیکھنے کے لیے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں ان فوائد کا ذکر فرمایا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا غُلَامًا فَلَهُمْ لَهَا مَبِغُوتٌ. وَلَقَدْ لَبِثْنَا لَهُمْ فَتْرًا تَرْجِعُونَ. وَلَقَدْ لَبِثْنَا لَهُمْ فَتْرًا تَرْجِعُونَ. وَلَقَدْ لَبِثْنَا لَهُمْ فَتْرًا تَرْجِعُونَ. (النحل: ١٠٠)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے جو مخلوق بنائی ہے، ان میں سے ہم نے ان کے فائدہ کے لیے چوپائے بھی بنائے ہیں، جن کے یہ مالک ہیں۔ اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع کر دیا ہے، سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں۔

وَالْأَنْعَامَ خَلَقْنَا جَلَدًا لَّكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا كَأْكُلُونَ. وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَعُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ. وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّكُمْ تَكُونُوا بِالْبَيْتِ الْأَيْمَنِ الْأَئْيُتُ إِلَّا بِشِقِّ الْأُتَيْسِطِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَّءُوفٌ رَّحِيمٌ. وَالْحَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْجِبَرُ لَعَزَّ كَبُوهَا وَزَيْنَةُ طَوَّافٌ وَمَا لَا تَعْلَمُونَ. (النحل: ١٠١)

اور اللہ نے تمہارے نفع کے لیے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت منافع ہیں اور بعض چوپائے تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔ اور ان چوپایوں میں تمہارے لیے حسن و جمال ہے جب تم شام کو چرا کر لاؤ اور جب صبح چرانے لے جاؤ۔ اور وہ تمہارا سامان ان شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت برداشت کیے خود نہیں جاسکتے تھے، بیشک تمہارا رب بہت شفیق اور نہایت مہربان ہے۔ اور اس نے گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو، اور وہ باعث زینت ہوں، اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن کو تم نہیں جانتے۔

ان آیات میں مویشی کو پیدا کرنے کے یہ فوائد بیان فرمائے ہیں کہ تم ان پر سواری کرتے ہو، ان کا گوشت کھاتے ہو، ان کی اون اور بالوں سے لباس اور ٹوپیاں بناتے ہو، ان کا حسن و جمال دیکھ کر تمہیں خوشی ہوتی ہے اور وہ تمہارے بار برداری کے کام آتے ہیں اور ان میں سے بعض کا تم دودھ پیتے ہو، اور یہ تمام فوائد اونٹ کے اندر باقی تمام جانوروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں کیونکہ اگر حلال جانوروں کے گوشت کھانے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹ کا گوشت سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر دودھ پینے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر جانوروں پر سوار ہو کر قطع مسافت کو دیکھا جائے تو ریگستانی علاقوں میں اونٹ سب سے زیادہ مسافت قطع کرتا ہے بلکہ ان علاقوں میں صرف اونٹ ہی کے ذریعے سفر کیا جاتا ہے، اور بار برداری کے لحاظ سے اونٹ تمام جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے، اور عربوں کے دلوں میں تمام جانوروں سے زیادہ اونٹ کی وقعت اور اہمیت ہوتی ہے، اسی وجہ سے انھوں نے کسی انسان کو خطا قتل کرنے کی دیت سوا اونٹ مقرر کی ہے، نیز اونٹ دوسرے جانوں کی بہ نسبت کئی کئی دن کی خوراک کو اپنے اندر ذخیرہ کر لیتا ہے اور بغیر کھائے پیئے لیے عرصہ تک سفر کرتا رہتا ہے، اسی لیے اس کو صحرائی جہاز کہا جاتا ہے، نیز یہ بہت آسانی سے سدھایا جاتا ہے اور بہت اطاعت گزار ہے، اس کی نکیل کی رسی کو پکڑ کر اس بچہ بھی اسے جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے، اونٹ میں اس قدر حیران کن صفات ہیں جو عقل والے کو اس پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ اس کی تخلیق پر غور کرے اور اس کی حکمتوں سے یہ قیاس کرے کہ اس کا خالق کس قدر زبردست قدرت اور حکمت والا ہے اور بے ساختہ یہ کہے کہ اللہ سبحان ہے اس نے کوئی چیز بے فائدہ نہیں بنائی۔

فرمایا: اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔

آسمان، پہاڑ اور زمین میں نشانیاں:

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اتنی عظیم چھت بنا دی ہے جو پوری روئے زمین کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس میں بیشمار ستاروں کی قندیلیں روشن کر دی ہیں، جو صحراؤں، بیابانوں اور سمندروں میں اندھیری رات کے مسافروں کی رہنمائی کرتی ہیں، برہمابرس سے یہ نظام یونہی طرز واحد پر قائم ہے، کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایک روشن دلیل نہیں ہے۔

فرمایا: اور پہاڑوں کو کہ وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔

زمین میں ان پہاڑوں کو نصب کیا گیا، یہ نہ اوجھڑا دھرتے ہیں نہ جھکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے اندر معدنی دولت کے ذخائر رکھے ہیں، ان میں سونا اور چاندی ہے، لوہا اور تانبا ہے، کونکہ ہے اور انسانی ضروریات کا سامان ہے۔

فرمایا: اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے۔

ان مذکور نشانوں میں باہمی مناسبت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور اپنی توحید پر دلائل کا ذکر کرتے ہوئے اونٹ، آسمان، پہاڑوں اور زمین کا ذکر فرمایا ہے اور چاروں کے ذکر میں کوئی مناسبت ضروری ہے۔

اس مناسبت کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور عرب عموماً صحراؤں میں سفر کرتے تھے اور صحرائیں بالکل تنہا ہوتے تھے اور جب انسان تنہا ہوتا ہے تو وہ ارد گرد کی چیزوں پر غور و فکر کرتا ہے، سب سے پہلے وہ اپنی سواری اونٹ کی طرف دیکھتے تو ان کو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب اور اسرار دکھائی دیتے، وہ اس سے حاصل ہونے والے فوائد اور منافع پر غور کرتے اور جب وہ اوپر نظر اٹھاتے تو ان کو آسمان کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور وہ اس بے ستون وسیع و عریض بلند نیکی چھت کو دیکھ کر حیران ہوتے، اور جب وہ اپنے دائیں اور بائیں دیکھتے تو ان کو پہاڑ نظر آتے اور جب وہ اپنے نیچے دیکھتے تو ان کو پھیلی ہوئی زمین نظر آتی اور یہی وہ موقع تھا کہ جب وہ ان چیزوں کے اسرار اور منافع پر غور و فکر کرتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ اس غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایمان لے آتے، سو اللہ تعالیٰ نے انسان کے غور و فکر کرنے کے لیے ان چاروں چیزوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا۔

فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے، آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق، توحید اور قیامت پر دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا، سو آپ نصیحت کرتے رہیے، آپ ایمان لانے کی ترغیب پر ثواب کی بشارت دیں گے اور جو کفر پر اصرار کرے گا، اس کو عذاب سے ڈرائیں گے اور اگر کفار آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ایذا پہنچاتے ہیں تو آپ اس پر صبر کریں، اب آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں کیونکہ اب آپ کے بعد کوئی اور نبی تو مبعوث نہیں کیا جائے گا، نبوت اور رسالت آپ پر ختم ہو چکی ہے۔

فرمایا: آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں۔

جبریہ کے نظریہ کا رد:

اس مضمون کی دیگر آیات یہ ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱: ق) اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُم جُنُودًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا آمُومِينَ (یونس: ۳۰)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے حتیٰ کہ وہ سب مومن ہو جائیں گے۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ چاہتے تھے کہ تمام مشرکین مومن اور موحّد ہو جائیں اور آپ کی ان تھک تبلیغ کرنے کے باوجود ان کے ایمان نہ لانے سے آپ بہت رنجیدہ اور غم گین ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کے ازالہ اور آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایک ساتھ ایمان لے آتے، لیکن اللہ سبحانہ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ سب لوگوں کو جبراً مومن بنا دینا، اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق اور باطل میں تمیز کرنے کے لیے عقل دی ہے اور اس کو اختیار عطا فرمایا ہے، وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی عقل سے کھوٹے کھرے کو پرکھ کر اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اس کی تخلیق، اس کی توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر ایمان لائے۔ اس آیت میں فرقہ جبریہ کا رد ہے، جو یہ کہتا ہے کہ انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے، انسان کا مومن ہونا یا انسان کا کافر ہونا، یا انسان کا نیک اور صالح ہونا، یا اس کا فاسق اور فاجر ہونا، سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور انسان اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے۔ ان کا یہ نظریہ ہدایتہ بطل ہے، اگر ایسا ہو تو دنیا میں رسولوں کو ہدایت کے لیے بھیجنا اور جنت اور دوزخ کو پیدا کرنا اور جزاء اور سزا کا نظام بنانا یہ سب عبث اور فائدہ ہو جائے گا۔

فرمایا: مگر جو حق سے پشت پھیرے اور کفر کرے۔ تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔

بہت بڑے عذاب کا مطلب:

اگر آپ کی پرزور تبلیغ کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ سے ان کے ایمان نہ لانے پر سوال نہیں کیا جائے گا لیکن جو ان میں سے پشت پھیرے گا تو اللہ سبحانہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے، دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب اس وجہ سے فرمایا ہے کہ کفر کا عذاب جرم و فسق کے عذاب سے بہت بڑا ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَلَنُعَذِّبَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ الَّذِي فِيهِ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ (السجدة: ۲۱)

ہم ان کو (دنیا میں) بڑے عذاب کے علاوہ ضرور کم درجہ کا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ (کفر سے) پلٹ آئیں۔

بڑے عذاب سے مراد دوزخ کا عذاب ہے اور اس سے کم درجہ کے عذاب سے مراد ہے: دنیا کا عذاب، جیسے دنیا میں جنگ

کے اندر شکست سے دوچار ہونا، سمندر طوفان اور دریاؤں میں سیلاب آنا، زلزلے، قحط اور موذی بیماریوں میں مبتلا ہونا۔
دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: دوزخ کی آگ کا سب سے نچل طبقہ۔
فرمایا: بیشک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے۔ پھر بیشک ہم پر ہی ان کا حساب ہے۔

کفار اور مشرکین کو عذاب دینا کیوں ضروری ہے؟

ان آیتوں میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر چند کہ مشرکین مکہ آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، آپ پر آوازیں کتے ہیں اور آپ پر طعن اور تشنیع کرتے ہیں اور آپ کو طرح طرح کی ایذا پہنچاتے ہیں لیکن بالآخر یہ ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے، پھر ہم ان کا حساب لیں گے اور ان کو قرار واقعی سزا دیں گے۔

نیز کفار سے حساب لینا اور ان کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء (علیہم السلام) کی عزت اور وجاہت کو ظاہر فرمائے گا کہ جن کافروں اور مشرکوں نے دنیا میں انبیاء (علیہم السلام) کے پیغام کو مسترد کر دیا تھا اور ان کی نبوت اور رسالت کی تکذیب کی تھی، وہ آج کس قدر ذلت اور خواری کے عذاب میں مبتلا ہیں، سو قیامت کے دن اللہ سبحانہ کفار کو عذاب میں مبتلا کر کے انبیاء (علیہم السلام) کے مقام کو بلند فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کافروں اور مشرکوں سے انتقام لے گا، جو دنیا میں اپنے خود ساختہ خداؤں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے استحقاق عبادت میں شریک کرتے رہے تھے۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی :-

اَللّٰہَ یَنْظُرُوْنَ (ا۔ ف۔ لَکَ یَنْظُرُوْنَ) ا، ہمزہ استفہامیہ، کیا، ف، حرف عطف، تو لَکَ یَنْظُرُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر عائب تکررین نظر، مصدر نظر، دیکھنا، وہ نہیں دیکھتے (تو کیا وہ نہیں دیکھتے) اِلٰی اِلٰی اِلٰی (اِلی۔ اِیالِ) اِلی، حرف جار، کی طرف، اِیالِ، مجرور، واحد اور جمع دونوں کیلئے بولا جاتا ہے، اونٹ (اونٹ کی طرف) نَیَیْت، استفہامیہ (کیسے) غَلَقَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث عائب غَلَقَ یُغَلِقُ، مصدر غَلَقًا، پیدا کرنا (وہ پیدا کیا گیا ہے) و، حرف عطف (اور) اِلٰی اَلسَّمَآءِ (اِلی۔ اَلسَّمَآءِ) اِلی، حرف جار، کی طرف، اَلسَّمَآءِ، مجرور، آسمان، جمع، اَلسَّمَآءِ (آسمان کی طرف) نَیَیْت، استفہامیہ (کیسے) زَفَعَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث عائب زَفَعٌ یُزَفِعُ، مصدر زَفَعًا، اٹھانا، بلند کرنا (وہ بلند کیا گیا ہے) و، حرف عطف (اور) اِلٰی اَلْجِبَالِ (اِلی۔ اَلْجِبَالِ) اِلی، حرف جار، کی طرف، اَلْجِبَالِ، مجرور، پہاڑوں، واحد، اَلْجِبَالِ (پہاڑوں کی طرف) نَیَیْت، استفہامیہ (کیسے) نَصَبَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث عائب نَصَبٌ یُنْصَبُ، مصدر نَصَبًا، گاڑ دینا، کھڑا کرنا (وہ گاڑ دیا گیا ہے) و، حرف عطف (اور) اِلٰی اَنَارَضِ (اِلی۔ اَنَارَضِ) اِلی، حرف جار، کی طرف، اَنَارَضِ، مجرور، زمین، زمین کی طرف) نَیَیْت، استفہامیہ (کیسے) سَطَحَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث عائب سَطَحٌ یُسَطَّحُ، مصدر سَطَحًا، بچھا دینا، ہموار کرنا (وہ بچھا دی گئی ہے) فَدَرَزَتْ (ف۔ دَرَزَ) ف، حرف عطف، پس، دَرَزَ، فعل امر واحد مذکر حاضر دَرَزَ یَدْرِزُ، مصدر یَدْرِزُ، یاد دلانا، نصیحت کرنا، آپ نصیحت کریں (پس آپ نصیحت کریں) اِنَّمَا (اِن۔ اِنَّا) اِن، حرف مشبہ بالفعل اور، نا، کافہ حصر کیلئے (بے شک، صرف) اَنْتَ، ضمیر منفصل واحد مذکر حاضر یَدْرِزُ، مصدر یَدْرِزُ، نصیحت کرنا، آپ نصیحت کریں (پس آپ نصیحت کریں) اِنَّمَا (اِن۔ اِنَّا) اِن، حرف مشبہ بالفعل اور، نا، کافہ حصر کیلئے (بے شک، صرف) اَنْتَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر حاضر (آپ نہیں ہیں) فعل مضارع اور فعل امر کے صیغے نہیں آتے۔ عَلَیْہِمْ (علی۔ ہِم)

علی، حرف جار، پر، ہم، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) مُصْنِطِر (پ)۔ مُصْنِطِر (پ) حرف جار، زائدہ رائے تاکید نفی، مُصْنِطِر، مجرور، یہ اصل میں، مُصْنِطِر، تھا، سین کو صا سے بدل دیا گیا ہے، سِنِطْرُہ مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، ذمہ دار، مگر ان، داروغہ، جبر کرنے والا، مسلط (ہرگز مسلط) اِنَّ، حرف استثنا (مگر) مَنْ، شرطیہ اسم موصول (جو) تَوَلَّى، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَوَلَّى تَوَلَّى، مصدر تَوَلَّى، منہ موڑنا، روگردانی کرنا (وہ روگردانی کرے) وَ، حرف عطف (اور) تَقَرَّر، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَقَرَّر، مصدر تَقَرَّر، کفر کرنا، انکار کرنا (وہ انکار کرے) فَيُخَذِرُ اللّٰهَ (ف)۔ يَتَقَرَّبُ۔ اللّٰهُ (ف) حرف عطف، جواب شرط، تَوَلَّى تَقَرَّبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب يَتَقَرَّبُ يَتَقَرَّبُ، مصدر تَقَرَّبُ، عذاب دینا، وہ عذاب دے گا، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، اللّٰهُ، فاعل، اللّٰهُ (تو اللّٰہ اسے عذاب دے گا) الْعَذَابِ الْاَكْبَرُ (الْعَذَابِ۔ الْاَكْبَرُ) اَ الْعَذَابِ، موصوف، عذاب، اَكْبَرُ، صفت، کبیر، مصدر سے افضل التفضیل کا صیغہ، زیادہ بڑا، سب سے بڑا (سب سے بڑا عذاب) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقیناً) اِلَيْنَا (اِلَى۔ نَا) اِلَى، حرف جار، کی طرف، نَا، مجرور، ضمیر جمع حکم ہماری (ہماری طرف) اِلَيْنَا بَنِمُ (اِلَيْنَا۔ بَنِمُ) اِلَيْنَا، مضاف، اَبِ يَتَوَلَّى، کا مصدر ہے، لوٹ کر آنا، بَنِمُ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا (ان کا لوٹ کر آنا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقیناً) عَلَيْنَا (عَلَى۔ نَا) عَلَى، حرف جار، پر، ذمے، نَا، مجرور، ضمیر جمع حکم، ہمارے (ہمارے ذمے) حِسَابُنَا (حِسَابِ۔ بَنِمُ) حِسَابِ، مضاف، مصدر، حساب لینا، حساب، بَنِمُ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا (ان کا حساب لینا)۔

(الحمد للہ سورہ غاشیہ مکمل ہو گئی)

[سورۃ الفجر]

آیت ۱ تا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْفَجْرِ (۱) وَلَیَالٍ عَشْرٍ (۲) وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۳) وَاللَّیْلِ اِذَا یَسْرِ (۴) هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حُجْرٍ (۵)

ترجمہ:-

قسم ہے فجر کی! (۱) اور دس راتوں کی! (۲) اور جفت اور طاق کی! (۳) اور رات کی جب وہ چلتی ہے! (۴) یقیناً اس میں عقل والے کے لیے بڑی قسم ہے۔ (۵)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ الفجر ہے۔ اس کی پہلی آیت میں فجر کا لفظ مذکور ہے۔ اسی لفظ سے اس سورۃ کا نام فجر ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ کی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی تیس ۳۰ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے رہا؛

گزشتہ سورت میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے تھے اور یہ کہ ان ہولناک واقعات کا انسانی قدرت اور مادی اسباب کے دائرہ میں کوئی مقابلہ اور دفاع نہیں ہو سکتا۔ مقابلہ اور مدافعت تو درکنار اس پر بدحواسی اور اضطراب کا یہ عالم ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو بے بس دیکھ رہا ہوگا، اور مجرمین پر خداوند عالم کا ایسا عذاب مسلط ہوگا کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے تو اب اس سورت میں بالخصوص ایسے عبرت ناک تاریخی واقعات بیان فرمائے گئے جن کو پڑھ کر ہر انسان عبرت حاصل کرے اور سمجھ لے کہ خدا کی نافرمان قومیں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والی بڑی سے بڑی طاقتور قوم جب اس طرح ہلاک کر دی گئی تو پھر کس کی مجال ہے کہ اللہ کے پیغمبر کا انکار کر کے اس کے عذاب سے بچ سکے۔

تفسیر:-

فرمایا: قسم ہے فجر کی اٹل

والفجر کی تفسیر میں:

والفجر میں دو قسمیہ ہے۔ معنی ہوگا قسم ہے فجر کی۔ فجر سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد چھوٹی عید کی فجر ہے۔ چونکہ رمضان شریف کے روزے ختم ہوئے ہیں اور رمضان شریف میں بڑی عبادت کی ہوتی ہے اس کے بعد آنے والی عید کا بڑا مقام ہے۔ عید کی نماز بھی پڑھنی ہوتی ہے۔ لہذا فجر سے مراد چھوٹی عید کی فجر ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ فجر سے مراد دو سوویں ذوالحجہ کی فجر ہے۔ بڑی عید کی فجر مراد ہے۔ دسویں ذوالحجہ کو حاجی قربانی کرتے ہیں اور دوسرے علاقوں میں بھی لوگ قربانی کرتے ہیں۔ یہ دن بھی بڑی برکت والا ہے لہذا اس کی فجر مراد ہے۔ تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی فجر مراد ہے کہ نویں تاریخ کو لوگ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ حج کے فرائض اور ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ لہذا عرفہ کی فجر مراد ہے۔ اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ ہر فجر مراد ہے کہ یہ نورانی وقت ہوتا ہے لہذا اس وقت کی قسم ہے۔

فرمایا: اور قسم ہے دس راتوں کی۔

اس سے کون سی راتیں مراد ہیں؟

ایک تفسیر یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلة القدر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے التمسوها فی عشر الاواخر من رمضان۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں لیلة القدر کو تلاش کرو۔ تو ان دس راتوں کی بڑی فضیلت ہے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یکم ذوالحجہ سے لے کر دس ذوالحجہ کی دس راتیں مراد ہیں۔ ان راتوں میں حج کے احکام ہوتے ہیں،

احرام باندھتے ہیں، منی، عرفات، مزدلفہ پہنچتے ہیں۔ گویا کہ یہ بڑی برکت والی راتیں ہیں۔

تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ محرم کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں۔ کیونکہ سال کا آغاز ہوتا ہے۔ دس محرم کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات دی تھی۔

فرمایا: اور قسم ہے جفت کی اور قسم ہے طاق کی۔

جفت اور طاق کی تفسیر:

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جفت، طاق سے نمازیں مراد ہیں کہ فجر، ظہر، عصر، عشاء کی نمازیں جفت ہیں مغرب اور وتر طاق ہیں۔ اور یہ معنی بھی کرتے ہیں کہ جفت سے مراد مخلوق ہے اور طاق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کیونکہ مخلوق میں نر بھی ہیں، مادہ بھی ہیں، کالے بھی ہیں، گورے بھی ہیں، بڑے قد کے بھی ہیں، چھوٹے قد کے بھی ہیں۔ آسمان بلندی پر ہے اور زمیں پستی ہے، رات ہے، دن ہے۔ یہ سب جفت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک لہ ہے اس کے مقابلے میں کوئی نہیں ہے۔

فرمایا: اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگتی ہے۔

رات کی قسم کھانے کی وجہ:

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس رات سے مراد کوئی مخصوص رات نہیں ہے کیونکہ رات اور دن کے متواتر آنے جانے میں اور ان کی مقدار کے مختلف ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر بہت عظیم نعمت ہے، اس لیے رات کی قسم کھانا ممکن ہے اور اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ رات اور دن کا متواتر ایک دوسرے کے بعد آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم تدبیر پر مبنی ہے۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد عید الاضحیٰ کی رات ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۸۱)

اور امام رازی نے مقاتل بن حیان سے نقل کیا کہ اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے، کیونکہ اس رات کے اول میں عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی ہوتی ہے اور اس کے آخر میں بھی گزرنا ہوتا ہے۔

فرمایا: بیشک اس میں صاحب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے۔

”ذی حجر“ کا معنی:

اس آیت میں ”ذی حجر“ کا لفظ ہے، ”حجر“ عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو غلط اور نامناسب کام کرنے سے روکتی ہے، اور ”حجر“ کا معنی ہے: کسی کام سے منع کرنا اور روکنا، الفراء نے کہا ہے: جو شخص اپنے نفس پر قابض ہو اور اپنے نفس پر ضبط کرنے والا ہو، اس کو عرب ”ذو حجر“ کہتے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص صاحب عقل ہو، وہ جان لے گا، یہ مذکورہ چیزیں بہت عجیب و غریب ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت پر بہت دلائل ہیں اور یہ چیزیں خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے یہ چیزیں اس

لائق ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

وَالْقَجْرِ (و۔ الْقَجْرِ) د، حرف جار، قسمیہ، قسم ہے، الْقَجْرِ، مجرور، مقسم بہ، فجر، صبح (قسم ہے فجر کی) وَاِیَّالِ عَشْرِہ، د، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) اِیَّالِ، مجرور، موصوف، مقسم بہ، راتوں، واحد، لیل، عَشْرِہ، صفت، دس، (اور دس راتوں کی) وَالْقَفْعِ (و۔ الْقَفْعِ) د، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) الْقَفْعِ، مجرور، مقسم بہ، جفت کی (اور جفت کی) (قسم) وَالْوُثْرِ (و۔ الْوُثْرِ) د، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) الْوُثْرِ، مجرور، مقسم بہ، طاق کی (اور طاق کی) (قسم) وَالْأَيْلِ (و۔ الْأَيْلِ) د، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) الْأَيْلِ، مجرور، مقسم بہ، رات کی (اور رات کی) (قسم) إِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) یَسْرِ، فعل مضارع واحد مذکر غائب سرائی سسری، مصدر سسری و سسریہ رات کو سفر کرنا، کزرتا (وہ کرنے لگے) اِلَ، حرف استفہامیہ (کیا) نِیْ ذَٰلِکَ، فی، حرف جار، میں، ذَٰلِکَ، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس میں) قَسَمَ، اسم مصدر (کوئی قسم) لَیْذِیْ جَبْرِ (ل۔ ذی۔ جبر) ل، حرف جار، کیلئے، ذی، مجرور، مضاف، والے، جبر، مضاف الیہ، پتھروں سے احاطہ پائی ہوئی دیوار جو حفاظت اور روکنے کیلئے ہوتی ہے، محل کو بھی، جبر، کہتے ہیں۔ یہ بھی انسان کو بے اعتمادیوں سے روکتی ہے (محل والے کیلئے)۔

آیت ۶ تا ۱۳

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (۱) إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۲) الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (۳) وَثَمُودَ الَّذِينَ جَاءُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۴) وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَارِ (۵) الَّذِينَ ظَفَعُوا فِي الْبِلَادِ (۶) فَأَكْبَرُوا فِيهَا الْفُسَادَ (۷) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸) إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْأَيْدِي ضَاحٍ (۹)

ترجمہ:

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا (۶) (وہ عاد) جو ارم (قبیلہ کے لوگ) تھے، ستونوں والے۔ (۷) وہ کہ ان حبیب کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔ (۸) اور ثمود کے ساتھ (کیا، کیا) جنھوں نے وادی میں چٹانوں کو تراشا۔ (۹) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کیا، کیا)۔ (۱۰) وہ لوگ تھے جنھوں نے شہروں میں بڑی سرکشی کی (۱۱) پس انھوں نے ان میں بہت زیادہ فساد پھیلا دیا۔ (۱۲) تو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ (۱۳) بے شک تیرا رب یقیناً گھات میں ہے۔ (۱۴)

تفسیر:

فرمایا؛ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا، اِلَ ان آیتوں میں بظاہر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب ہے، لیکن یہ خطاب ہر شخص کو عام ہے، اور اس سے مقصود کفار مکہ کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اگر وہ اسی طرح کفر اور شرک پر اڑے رہے تو یہ خطرہ ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب آجائے جو عاد اور ثمود اور قوم فرعون پر آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں کفار کی تین قوموں کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا

برسایا لیکن ان کے عذاب کی کیفیت بیان نہیں فرمائی، البتہ سورۃ الحاقہ میں ان قوموں کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔
قوم ثمود کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

فَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ ذَاكُمَا فَاسْتَخَفَا وَفَلَّحْنَا بَعْضَهُم مِّنَ الشَّيْءِ فَنَلَّيْنَاهُمُ الْآخَرَ ۖ فَتَلَاوَا فِيهَا فُجُورًا ۚ فَنَادَيْنَاهُم بِالنَّارِ الطَّائِفَةِ ۖ (الحاقہ: ۵) رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا۔

اور قوم عاد کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

وَأَمَّا عَادُ فَهَبَّحْنَاهُمْ فِي جَنَّتِهِمْ ۚ فَنَادَيْنَاهُمْ بِالنَّارِ الطَّائِفَةِ ۖ (الحاقہ: ۶)

اور رہے عاد تو ان کو گر جتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔

اور فرعون کے عذاب کے متعلق فرمایا:

وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَةُ ۖ بِالْأُخْرَىٰ ۖ (الحاقہ: ۷)

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور وہ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں انھوں نے گناہ کیے۔

فرعون اور اس کی قوم کے عذاب کی تفصیل ان آیتوں میں ہے:

وَجُودًا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَهُ الْعُرْقُ قَالَ أَمَنْتُ بِاللَّهِ ۚ

إِنَّ إِلَٰهَ الدِّينِ أَمَنْتُ بِهِ ۚ بَنُو إِسْرَءِيلَ وَآكَامُ الْمُسْلِمِينَ ۚ أَلَمْ تَكُنْ مِنَّا قَبْلُ ۖ وَكُنْتَ مِنَ الْفَاسِقِينَ ۚ فَالْيَوْمَ

نَجْنِيكَ بِبَدَنِكَ لَتَسْكُوتُنَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً ۖ وَإِنَّ كَيْدَ الْفَاسِقِينَ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۚ (یونس: ۹۰-۹۱)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار گزار دیا، پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے ان کا تعاقب کیا، حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔ (جواب آیا: اب ایمان لایا ہے اور اس سے پہلے تو سرکشی کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج ہم صرف تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے نشان عبرت ہو جائے، اور بیشک بہت سے لوگ ہر ری نشانیوں سے غافل ہیں۔

قوم عاد کا تعارف:

عام کا نام ہے: عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح، پھر لفظ عاد اس کے قبیلہ کا نام بن گیا، پھر اس قبیلہ کے متقدمین کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: "وَإِنَّ أَهْلَكَ عَادَ الْأُولَىٰ" (العجم: ۵) بیشک اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا، اور متاخرین کو عاد الاخریہ کہا جاتا ہے، اور رب ارم تو وہ عاد کے دادا کا نام ہے اور اس آیت میں ارم سے کون مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد قبیلہ عاد کے متقدمین ہیں، جن کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کو ان کے دادا کے نام پر ارم کہتے

ہیں۔

(۲) جس شہر میں یہ لوگ رہتے تھے، اس کا نام ارم تھا اور یہ اسکندر یہ تھا اور ایک قول ہے کہ یہ شہر دمشق تھا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد ریگستان کے بلند ٹیلوں میں رہتی تھی اور اسکندر یہ اور دمشق میں ریگستان کے بلند ٹیلے نہیں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ كُنَّا نَعْبُدُ إِدْرَاكَ أَلَذَّةِ قَوْمِهِ بِالْأَعْقَابِ (الاحقاف: ۱۱)

اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو ریگستان میں ڈرایا۔

(۳) ارم اس قوم کا نام ہے جو میناروں کی شکل میں یا قبروں کی شکل میں پہاڑوں کے اندر اپنے گھر بناتی تھی۔

فرمایا: وہ ارم کے لوگ تھے، ستونوں جیسے لمبے قد والے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان میں سے لمبے قد کا آدمی پانچ سو ذراع کا ہوتا تھا (ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہے) اور ان میں سے چھوٹے قد کا آدمی تین سو ذراع کا ہوتا تھا، حضرت ابن عباس (رض) سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کا قد ستر (۷۰) ذراع کا ہوتا تھا، علامہ ابن العربی نے کہا: یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا اور ان کا طول ہوا میں ساٹھ ذراع تھا، پھر اب تک مخلوق کا قد تدریجاً کم ہوتا رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۲۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۱):

قتادہ نے کہا: ان میں سے ایک آدمی کا طول بارہ ذراع کا ہوتا تھا۔

یہ لوگ ستون کھڑے کر کے ان کے اوپر مکان بناتے تھے، اس لیے ان کو ستون والے فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے لمبے قد کی وجہ سے ان کو ستون والے فرمایا۔ ضحاک نے کہا کہ ستون والے سے مراد ہے: وہ بہت زیادہ قوت والے تھے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَقَالُوا مِنْ أَشَدِّ مَعَاوَةِ (حم السجدة: ۱۵) انھوں نے کہا: ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے؟

فرمایا: ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا۔

قوم عاد جتنے لمبے قد، عظیم جسامت اور شدید قوت والی تھی، اس زمانہ میں ایسی قوم کہیں بھی پیدا نہیں کی گئی تھی۔

فرمایا: اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں۔

ثمود کا پہاڑوں کو تراش کر مکان بنانا:

ثمود حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم تھیں، مفسرین نے کہا ہے: انھوں نے سب سے پہلے پہاڑوں اور چٹانوں کو تراش کر مکان بنائے، انھوں نے مدائن میں ہزاروں کی تعداد میں پہاڑوں کو تراش کر مکان بنائے، قرآن مجید میں ہے:

وَكَاثُوا يَنْجُتُونَ مِنَ الْجِبَالِ الْيُؤْتَا أَمِينِينَ - (الحجر: ۸۷) یہ لوگ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔

۹ ہجری میں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی بستی سے گزرے تو آپ نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور سواری کو تیز کر لیا اور فرمایا: اس جگہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے گزرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۲۸۵):

یہ وادی پہاڑوں کے درمیان تھی وہ ان پہاڑوں کو تراش کر ان میں حویلیاں اور گھر بناتے تھے، جن میں حوض بھی ہوتے تھے۔

فرمایا: اور میخوں والا فرعون تھا۔

میخوں والے کا معنی:

میخوں والے سے مراد فرعون کا لشکر ہے، جو فرعون کے ملک اور اس کی سلطنت کو مضبوط کرتا تھا، یہ حضرت ابن عباس (رض) کا قول ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگوں کو میخوں سے عذاب دیا کرتا تھا، ان کو باندھ کر ان میں میخیں گاڑ دیا کرتا تھا، حتیٰ کہ وہ مرجاتے تھے، اس نے اپنی بیوی آسیہ اور بیٹی ماشطہ کے ساتھ بھی یہی کیا تھا،

فرمایا: ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی۔ پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی۔ پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

عذاب کے کوڑے کا معنی:

ان لوگوں سے مراد عاد، ثمود اور فرعون ہیں، انھوں نے ظلم ڈھانے اور سرکشی کرنے میں حد سے تجاوز کیا، پھر انھوں نے بہت دہشت گردی کی اور حد سے زیادہ لوگوں کو اذیت پہنچائی، تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، عذاب کے کوڑے سے مراد ہے: ان پر بہت شدید عذاب نازل کیا، کیونکہ ان کے نزدیک کوڑے مارنا بہت سخت سزا ہوتی تھی۔

فرمایا: بیشک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے۔

”مرصاد“ کا معنی:

”مرصاد“ کا معنی ہے: گھات لگانے کی جگہ یعنی کسی کا انتظار کرنے کا مقام، جو شخص گھات لگا کر کسی پوشیدہ مقام میں بیٹھا ہو، اس کے پاس سے گزرنے والا دشمن اس سے بچ کر گزر نہیں سکتا اور اس کا دشمن اس سے چھپا نہیں رہ سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی درپردہ بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے، اس سے بچ کر یا اس سے چھپ کر کوئی بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا، گھات لگانے کے چار اجزاء ہیں: (۱) گھات لگانے کا مقام دشمن سے مخفی ہو (۲) دشمن کی گزرگاہ ہو (۳) جہاں گھات لگا کر بیٹھنے والے کو دشمن کے احوال کی خبر ہو جائے (۴) دشمن گھات لگانے والے کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ جو

گھٹ لگاتا ہے اس میں یہ چاروں امور متحقق ہیں، بندوں کو نہیں معلوم کہ اللہ کے علم کا کیا ذریعہ ہے اور وہ کس طرح ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور کہاں سے دیکھ رہا ہے، زندگی کا راستہ سب کو طے کرنا ہے، سب اس راستہ سے گزر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام اقوال اور اعمال اور احوال کا، کامل علم ہے اور اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

حسن اور عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تاکہ اس کے مطابق اس کو جزا دے۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: آپ کا رب ان کی گھات میں ہے یعنی ان کی باتیں سن رہا ہے اور ان کے اعمال دیکھ رہا ہے، ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور ان کے پوشیدہ اعمال کو دیکھ رہا ہے اور سب کو ان کے اعمال کے موافق جزا دے گا۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۴۵، وارفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

اَلَمْ سَر (ا۔ لَمْ سَر) ا، حمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ سَر، فعل مضارع منفی جہد بلم واحد مذکر حاضر زائی بڑی مصدر رؤیۃ، دیکھنا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (کیا آپ نے نہیں دیکھا) استفہامیہ (کیسا) قَتَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَتَلَ، لَفْضًا، مصدر فَعَّلًا، کرنا، کام کرنا (اس نے کیا) رَبُّکَ (رَبُّ) ک (رَبُّ) مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) بَنَّاو (ب۔ عاو) پ، حرف جار، کے ساتھ، عاو، مجرور، عا (عاو کے ساتھ) اِزْم، قوم عاد کی وہ نسل جو ارم بن سام بن نوح سے چلی (ارم) ذَاتُ الْاَلْبَانِ (ذَات) اَلْبَنَادِ (ذَات) مضاف، والے، اَلْبَنَادِ، مضاف الیہ، بلند ستونوں، واحد، اَلْقَمَدِ، (بلند ستونوں والے) اَلْتَنِ، اسم موصول واحد مؤنث (وہ جن) لَمْ یَخْلُقْ، فعل مضارع مجہول منفی جہد بلم واحد مذکر غائب خَلَقَ، مصدر خَلَقًا، پیدا کرنا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ نہیں پیدا کیا) مِثْلًا (مِثْلُ) ہا، مِثْلُ، مضاف، مانند، طرح، ثل، جیسا ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا، ضمیر کا مرجع، اِزْم، ہے (ان کی مثل) اَلْبَنَادِ (فِی) اَلْبَنَادِ (فِی) حرف جار، میں، اَلْبَنَادِ، مجرور، واحد، اَلْبَنَادِ (شہروں میں) ذ، حرف عطف (اور) اَلْمَوَدِ، شمود (حضرت صالح علیہ السلام) کی قوم اَلْقَبْرِیْنِ، اسم موصول جمع مذکر (جنہوں نے) بَنَّاو، فعل ماضی جمع مذکر غائب بَنَّاو، مصدر بَنَّاو، چلنا پھرنا، تراشا (انہوں نے تراشا) اَلْقَمَرِ (چٹانوں) واحد، صَحْرًا، بَنَّاو (ب۔ اَوَاو) پ، حرف جار بمعنی برفی، میں، اَوَاو، مجرور، وادی (وادی میں) ذ، حرف عطف (اور) فِرْعَوْنِ (فرعون) ذِی الْاَوَاوِ (ذِی) اَلْاَوَاوِ (ذِی) مضاف، والے، اَلْاَوَاوِ، مضاف الیہ، میخوں، واحد، وَاو (میخوں والے) اَلْقَمَرِ اور عیموں کی کثرت کی وجہ سے، ذِی الْاَوَاوِ (ذِی) اَلْاَوَاوِ، کہا گیا ہے۔ اَلْقَمَرِ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) غَفَو، فعل ماضی جمع مذکر غائب غَفَو، غَفَو، مصدر غَفَوًا، سرکشی کرنا، حد سے بڑھنا (انہوں نے سرکشی کی) فِی الْاَوَاوِ (فِی) اَلْاَوَاوِ، حرف جار، میں، اَلْبَنَادِ، مجرور، شہروں، واحد، اَلْبَنَادِ (فِی) اَلْقَمَرِ (فِی) اَلْقَمَرِ، حرف عطف، پھر، اَلْقَمَرِ، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَلْقَمَرِ، مصدر اَلْقَمَرِ، بہت زیادہ کرنا، اہٹا کرنا، انہوں نے بہت زیادہ کیا (پھر انہوں نے بہت زیادہ کیا) فِی اَلْقَمَرِ (فِی) ہا، فِی، حرف جار، میں، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، اَلْبَنَادِ، ہے (ان میں) اَلْقَمَرِ، اسم فعل و مصدر (فساد، خرابی، بگاڑ، فساد کرنا) فَصَبَ (ف۔ صَبَ) ف، حرف عطف، پھر، صَبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب صَبَ، مصدر صَبًا، برسانا، انڈینا، اس نے برسایا (پھر اس نے برسایا) عَلَیْہِمْ (عَلِی) عَلِی، حرف جار، پر، ہم، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) رَبُّکَ (رَبُّ) ک (رَبُّ) مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) سَوَطِ عَذَابٍ - سَوَطِ، عَذَابِ، کوڑا، عَذَابِ، مضاف الیہ، عَذَابِ کا (کوڑا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) رَبُّکَ (رَبُّ) ک (رَبُّ) مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا رب) اَلْبَنَادِ (ل۔ ب۔ اَلْبَنَادِ) ل، لام تاکید، پ،

حرف جار بمعنی برقی، میں، المرصاد، مجرور، رطل، سے اسم ظرف مکان، گھات کی جگہ، گھات۔

آیت ۱۵ تا ۲۰

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَغَىٰ رُبَّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ (۱۵) وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَغَىٰ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ (۱۶) كَلَّا بَلْ لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ (۱۷) وَلَا تَحَاطُّونَ عَلَىٰ ظَعَامِهِ الْيُسْكِينِ (۱۸) وَتَأْكُلُونَ الْكُرَاتِ أَكْلًا لِّثًا (۱۹) وَتُحِبُّونَ الْهَالِكًا مُّخْتًا يَحْكُمُ (۲۰)

ترجمہ:

پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشیے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ (۱۵) اور لیکن جب وہ اسے آزمائے، پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ (۱۶) ہرگز ایسا نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ (۱۷) اور نہ تم آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ (۱۸) اور تم میراث کھا جاتے ہو، سب سمیٹ کے کھا جانا۔ (۱۹) اور ماں سے محبت کرتے ہو، بہت زیادہ محبت کرنا۔ (۲۰)

تفسیر:

فرمایا؛ پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشیے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ الخ

حوت و ذلت کا معیار:

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: بیشک آپ کا رب ان کی گھات میں ہے یعنی آپ کا رب دیکھ رہا ہے کہ اس کے بندے آخرت کے لیے کیا عمل کر رہے ہیں، سو اس کی نظر صرف آخرت کی طرف ہے، اور انسان کا یہ حال ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی طرف ہے، اس کے نزدیک اہم چیز صرف دنیا کی لذتیں اور شہوتیں ہیں، اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہو جائیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری نہ ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا، اس کی نظیر وہ آیات ہیں جو کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں:

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ قَاهُونَ غٰفِلُونَ (الروم: ۴)

وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُّعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ نَّظَمَ ۖ وَإِنْ أَصَابَهُ فِتْنَةٌ أَلْقَىٰ الْقُلُوبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ جِغَارًا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ طُكَّ بِكَ هُوَ الْخُسْرَىٰ إِنَّ الْمُبِينَ (الحج: ۱۱)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایک کنارے پر (کھڑے ہو کر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اگر ان کو کوئی فائدہ ہو تو وہ اس سے مطمئن ہوتے ہیں، اور اگر ان پر کوئی مصیبت آگئی تو وہ اسی وقت پلٹ جاتے ہیں، انھوں نے دنیا اور آخرت کا نقصان

اٹھانا ہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

دنیاوی عیش و عشرت کی مذمت کی وجوہ:

(۱) دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں اس قدر کم ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں ہو، بلکہ یہ نسبت بھی نہیں ہے، کیونکہ قطرہ کی سمندر کی طرف نسبت متناہی کی متناہی کی طرف ہے اور دنیا کی آخرت کی طرف نسبت متناہی کی غیر متناہی کی طرف ہے، دنیا کی نعمتیں متناہی اور محدود ہیں اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی اور لامحدود ہیں، پس اگر کسی شخص کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اور وہ آخرت کی نعمتیں حاصل نہ کرے تو یہ سراسر خسارہ ہے اور جو دنیا کی نعمتیں حاصل نہ کر سکا بلکہ مصائب اور آفات میں مبتلا رہا اور آخرت میں اس کو جنت اور اس کی نعمتیں مل گئیں تو وہ کامیاب اور بامراد ہے، اس کا اپنے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کے رب نے اس کو ذلیل کر دیا بلکہ اس کے رب نے اس کو عزت والا بنایا اور کامیاب کر دیا۔

(۲) جب بھی کسی انسان پر کوئی مصیب آئے یا اس کو کوئی نعمت ملے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کے کسی عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے، بعض اوقات اس کے نیک بندوں پر دنیا میں مصائب آتے ہیں جیسے حضرت امام حسین (رض) پر مصائب آئے اور بعض اوقات فساق اور فجار بہت عیش و آرام اور نعمتوں میں ہوتے ہیں جیسے یزید اور اس کے دیگر رفقاء، اور عمومی طور پر کفار بہت دولت مند، قوی اور مستحکم ہیں اور مسلمان بہت پس ماندہ، کمزور اور دبے ہوئے ہیں کیونکہ دنیا میں کفار کی شوکت اور عزت بہ طور استدراج، مکر اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہوتی ہے اور مسلمانوں کی زبوں حالی ان کی آزمائش اور آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہے۔

(۳) جو شخص مال دار اور خوش حال ہو، اس کو اپنی زندگی کے خاتمہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اعتبار انسان کے خاتمہ کا ہونا ہے اور جو شخص فقیر اور محتاج ہو، اس کو یہ نہیں بھوننا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال و زر نہیں دیا، تو کیا ہو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور بیشمار نعمتیں دی ہیں، اس کا بدن صحیح و سالم ہے، اس کی عقل کام کر رہی ہے، وہ صاحب ایمان ہے اور عمل صالحہ پر قادر ہے، سانس لینے کے لیے ہوا، پینے کے لیے پانی اور کھانے کے لیے غذا اس کو میسر ہے، وہ ناکہانی آفات مثلاً زلزلوں اور سونامی ایسے سمندری طوفانوں سے محفوظ ہے اور مہلک اور مودی امراض مثلاً ایڈز اور کینسر وغیرہ سے بچا ہوا ہے۔

(۴) جب انسان کو اپنی لذتوں کے حصول اور شہوتوں کے اسباب میسر ہوتے ہیں تو وہ اپنے نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے اور ان لذتوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور جب انسان کے پاس عیش و عشرت کے سامان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی اور معصیت پر ابھارنے والی چیزیں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے لیے سہل اور آسان ہو جاتا ہے، سو جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو عیش و طرب دے کر واپس لے لے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دینے کے بعد ذلت میں مبتلا کر دیا بلکہ یہ سمجھنا

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کا ایک اور موقع عنایت فرما دیا ہے۔

(۵) انسان دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے جتنا زیادہ بہرہ اندوز ہوگا، وہ اس قدر زیادہ ان کی محبت میں گرفتار ہوگا اور موت کے وقت جب ان چیزوں سے اس کی جدائی ہوگی تو اس کو اتنا زیادہ قلق ہوگا اور دنیاوی عیش و عشرت سے اس کا جس قدر کم تعلق ہوگا، موت کے وقت ان چیزوں کی جدائی سے اسی قدر کم قلق ہوگا، اس لیے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دنیا کی نعمتوں کا حصول عزت کا سبب ہے اور ان نعمتوں کا نہ ملنا ذلت کا سبب ہے۔

آیادنیای مال کے حصول پر اترانے والا عام انسان ہے یا مخصوص انسان ہے؟

الفجر ۱۵: میں ”الانسان“ کا ذکر ہے، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس انسان سے عام انسان مراد ہے یا کوئی خاص انسان مراد ہے۔ حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ اس میں سے عتبہ بن ربیعہ اور ابو حذیفہ بن المغیرہ مراد ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے امیہ بن خلف مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے ابی بن خلف مراد ہے۔

مال اور نعمت ملنے پر خوش ہونا، اترانا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرنا، اور رزق کی تنگی اور فقر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہانت سمجھنا ان کافروں کا شیوہ ہے، جو قیامت اور حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتے، رہا مومن تو جب اس پر رزق کی کشادگی کی جائے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس پر رزق کی تنگی کر دی جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ قضاء و قدر سے متعلق ہے اور اس مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتا، البتہ بعض مسلمان بھی اپنی جہالت سے یہ گمان کرتے ہیں کہ جب ان کو کوئی نعمت ملے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کسی عبادت کی فضیلت کی وجہ سے اس نعمت کے مستحق تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وجہ سے عزت دی ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آئے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کر دیا، سو ایسے مسلمانوں کو اپنے گمان پر توبہ کرنا چاہیے اور یہ یقین کرنا چاہیے کہ وہ کافروں کی صفت ہے، مسلمانوں میں یہ صفت نہیں ہونی چاہیے۔

فرمایا: یہ بات نہیں ہے، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو۔ اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو۔ اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

”کلا“ کا معنی:

الفجر ۱۷: میں ”کلا“ کا لفظ ان کے گمان کو مسترد کرنے کے لیے ہے، پس کسی شخص کا خوش حال اور مال دار ہونا اس کی فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ تنگ و سست ہونا اس کی ذلت کی وجہ سے، سو بندے کو تنگی ہو یا کشادگی ہو حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے۔

فرمایا: بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو۔

یتیم کی تحریکی وجوہ:

امام ابو منصور ماتریری متوفی ۳۳۳ھ نے یتیم کی تکریم کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) یتیم کے مال کی حفاظت کرے تاکہ وہ ضائع نہ ہو اور اس کی عمدہ ترتیب کرے اور اس کو نیک اخلاق اور آداب سکھائے اور اس کو بری صحبتوں اور بری عادتوں سے بچائے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں معزز اور مکرم ہو۔

(۲) اس کو احکام شرعیہ کی تعلیم دے، اس سے نماز پڑھوائے، روزے رکھوائے اور دیگر مستحب کاموں کی تلقین کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معزز اور مکرم ہو۔

(۳) اس کے مال کو اپنی ضروریات بہ قدر حاجت خرچ کرے اور اس کے مال کو نفع بخش تجارت یا کسی عمدہ صنعت پر لگائے تاکہ اس کا مال ختم ہونے یا ضائع ہونے سے بچے، یہ اس کے مال کی تکریم ہے۔

یتیم کی دل داری نہ کرنے کی مذمت؛

فرمایا: اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو۔

یعنی تم لوگوں سے یہ نہیں کہتے تھے کہ یتیم کو کھادو، اور اس طرح نیکی کا حکم دینے کو ترک کرتے ہو۔

فرمایا: اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

اس آیت میں ”تراث“ کا لفظ ہے، یہ اصل میں ”وراث“ تھا، واؤ کو تاء سے تبدیل کر دیا، جیسے ”وجاہ“ کو ”نجاہ“ کر دیا۔

اور اس آیت میں ”لما“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بہت زیادہ جمع کرنا یعنی تم وراثت کا بہت زیادہ مال کھا جاتے ہو۔

ماکلون التراث کا مطلب؛

(۱) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: وہ یتیم کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے اس کے مال کو جلدی جلدی فضول کاموں میں خرچ کر کے ختم کر دیتے تھے۔

(۲) حسن بصری نے کہا: وہ یتیم کا مال بھی کھا جاتے اور اس کے ساتھی کا مال بھی کھا جاتے تھے۔

(۳) میت کے مال میں سے بعض مال حلال ہوتا تھا، بعض مال مشتبہ ہوتا تھا اور بعض مال حرام ہوتا تھا، وہ بغیر تمیز کے سارا مال کھا جاتے تھے۔

فرمایا: اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

اس آیت میں ”جما“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کثیر، یعنی تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو اور تم مال کو جمع کرنا

چاہتے ہو اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ مال حلال ذرائع سے آ رہا ہے یا حرم ذرائع سے آ رہا ہے، تمہاری نظر صرف دنیا پر ہے اور

آخرت کی طرف سے تم نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔

عزت نہیں کرتے) اَلْيَتَيْمُ (یتیم کی) و، حرف عطف (اور) اَلْمُتَّوْنُ، فعل مضارع متنی جمع مذکر حاضر عائش نخاش، مصدر فاشق، آپس میں ترغیب دینا (تم آپس میں ترغیب نہیں دیتے) عَلٰی عِلَامِ الْيَتَيْمِ (علیٰ - عِلَامِ - الْيَتَيْمِ) علی، حرف جار، پہ، عِلَامِ، مجرور، مضاف، اسم بمعنی، عِلَامِ، کھانا کھلانا، الْيَتَيْمِ، مضاف الیہ، مسکین (مسکین کو کھانا کھلانے پر) و، حرف عطف (اور) اَلْمُتَّوْنُ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر اَلْمُتَّوْنُ، مصدر اَلْمُتَّوْنُ، کھانا کھانا (تم کھاتے ہو) اَلْمُتَّوْنُ، اصل میں، اَلْمُتَّوْنُ، تھا، واؤ کوتا سے بدل دیا گیا ہے (وراثت کا مال، میراث) اَلْمُتَّوْنُ، اَلْمُتَّوْنُ موصوف، مصدر، کھانا کھانا، اَلْمُتَّوْنُ، صفت، اَلْمُتَّوْنُ، کا مصدر، سہلنا، سمیٹ کر (سمیٹ کر کھانا) و، حرف عطف (اور) اَلْمُتَّوْنُ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر اَلْمُتَّوْنُ، مصدر اَلْمُتَّوْنُ، پسند کرنا، محبت کرنا (تم محبت کرتے ہو) اَلْمُتَّوْنُ (مال) اَلْمُتَّوْنُ، موصوف، حُبُّ يَكُونُ، کا مصدر، محبت کرنا، محبت، محبت، صفت، کثرت اور زیادتی کیلئے آتا ہے، جی بھر کر، بہت زیادہ۔

آیت ۲۱ تا ۲۶

كَلَّا اِذَا دُكِّبَ الْاَرْضُ ذُكِّدًا كُنَّا (۲۱) وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (۲۲) وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَلَيْ لَهُ الَّذِي كُورِ (۲۳) يَقُولُ يَالَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي (۲۴) فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابُهُ اَحَدًا (۲۵) وَلَا يُؤْتِي وَفَاةً اَحَدًا (۲۶)

ترجمہ:

ہرگز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ (۲۱) اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے۔ (۲۲) اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور (اس وقت) اس کے لیے نصیحت کہاں۔ (۲۳) کہے گا اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا۔ (۲۴) پس اس دن اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی نہیں کرے گا۔ (۲۵) نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی۔ (۲۶)

تفسیر:

فرمایا: ہرگز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی، اَلْح

قیامت کے دن تھا اور فراق و فجار کا کتب افسوس ملتا:

الفجر ۲۱: میں بھی پہلے ”کلا“ کا لفظ ہے اور یہ لفظ کافروں کے گمان اور ان کے زعم کو مسترد کرنے کے لیے ہے کہ کافر دنیا کی حرص کر رہے ہیں اور یتیم کا مال ہڑپ کر رہے ہیں اور اس کے حقوق کا تحفظ نہیں کر رہے اور اس کی تادیب، تربیت اور تنکیریم نہیں کر رہے ہیں اور اپنے ان کاموں کو اچھا سمجھ کر ان کاموں پر خوش ہو رہے ہیں، سوان کا یہ سمجھنا غلط اور باطل ہے، ان کو ان کاموں سے باز آنا چاہیے، وہ ہر طرح کا مال جمع کر رہے ہیں، خواہ وہ حلال ہو یا حرام ہو اور ان کا یہ وہم ہے کہ آگے چل کر آخرت میں اس کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور ان کے برے اعمال پر کوئی گرفت نہیں ہوگی، سو ایسا نہیں ہوگا، جن لوگوں کا یہ حال ہے وہ قیامت کے دن نادم ہوں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انھوں نے اپنی ساری عمر نیک کاموں میں صرف کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا ہوتا اور یتیموں، غریبوں اور ناداروں کی ضروریات پر اپنے مال کو خرچ کیا ہوتا اور لوٹ مار،

ڈاکہ زنی، چھین چھپٹ، بھتہ خوری اور دیگر حرام ذرائع سے مال جمع نہ کیا ہوتا، نقلی دوائیں نہ بنائی ہوتیں، کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ نہ کی ہوتی، ذخیرہ اندوزی نہ کی ہوتی، منشیات کا دھند نہ کیا ہوتا، سود نہ لیا ہوتا، رشوت نہ لی ہوتی اور دیگر حرام کام نہ کیے ہوتے، لیکن اس دن ان کاموں پر ندامت کسی کام نہ آئے گی اور ایسا انسان صرف کف افسوس ملتا رہ جائے گا۔

”دکا دکا“ کا معنی

اور اس آیت میں ”دکا دکا“ کے الفاظ ہیں، ”دکا“ کا معنی ہے: ریزہ ریزہ کرنا، کسی چیز کا ڈھا کر برابر کرنا، کوٹ کر ہم وار کرنا، ”دک“ نرم اور ہم وار زمین کو کہتے ہیں اور چونکہ نرم اور ہم وار زمین ریزہ ریزہ ہوتی ہے، اس لیے اس مناسبت سے اس کے مصدر کا معنی ہے: ریزہ ریزہ کرنا اور اس آیت میں ”دکت“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وہ توڑی گئی، وہ ریزہ ریزہ کی گئی۔

خلیل نے کہا: ”دک“ کا معنی ہے: دیواری پہاڑ کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دینا یعنی جب روئے زمین کی ہر چیز ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی خواہ وہ پہاڑ ہوں یا درخت اور جب زمین پر زلزلہ آئے گا تو اس پر کوئی چیز صحیح اور سالم نہیں رہے گی۔ فرمایا: اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے۔

قیامت کے دن آپ کے رب کے آنے کی توجہات:

یہ قیامت کے دن کی دوسری صفت ہے، اس آیت میں فرمایا: ”وجاء ربک“ اس کا لفظ معنی ہے: آپ کا رب آئے گا، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حرکت کرنا اور آنا جانا حال ہے کیونکہ حرکت کرنا اور آنا جانا جسم کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے منزہ اور میرا ہے، مقتدین اس آیت کی تقریر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آتا جاتا بھی ہے اور آسمانوں پر اترتا بھی ہے اور وہ بھاگتا بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ میں ہے، لیکن اس کا آنا جانا، اترنا اور بھاگنا مخلوق کی طرح نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے، وہ اپنی شان کے مطابق آتا جاتا ہے اور اترنا چڑھتا ہے، ہم نہیں جانتے کہ اس کے آنے جانے اور اترنے چڑھنے کی کیا کیفیت ہے اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بد مذہب لوگ اللہ تعالیٰ کے آنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ آن جانا تو جسم کی صفت ہے اور اگر اللہ آئے گا تو العیاذ باللہ وہ جسم ہوگا اور جسم ممکن اور عادیث ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا عادیث ہونا لازم آئے گا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے آنے کی حسب ذیل توجہات کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ حساب لینے اور جزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا۔

(۲) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا قہر اور اس کا عذاب آئے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں آئیں گی کیونکہ یہ قیامت کا دن ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان آیات کا ظہور ہوگا، پس اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے آنے کو اللہ تعالیٰ کا آنا فرمایا، تاکہ ان نشانیوں کی عظمت معلوم ہوا۔

(۴) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور تام ہوگا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں جس قدر شکوک اور

شہادت تھے، وہ سب زائل ہو جائیں گے اور سب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ظہور ہو جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی واضح تجلی فرمائے گا۔

(۵) اس آیت میں جو فرمایا ہے: ”پکار بآیا، اس میں آپ کے رب کے قہر اور سلطنت کے آثار کے ظہور کا بیان ہے اور اس کی نشانیوں کے ظہور کی تمثیل ہے، جب بادشاہ خود دربار میں آتا ہے تو اس کے آنے سے اس کے رعب، اس کی ہیبت اور جلال کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ظاہر ہو گئے اور آپ کے رب کے آنے سے آپ کے رب کے جلال کے آثار کا ظہور مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا ہے: ”اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے، اس کا معنی ہے: ہر آسمان سے فرشتے نازل ہو کر صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور وہ جنات اور انسان کو گھیر لیں گے۔

فرمایا: ”اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا، اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے۔

دوزخ کو لانے والے:

حضرت ابن مسعود (رض) اور مقاتل نے کہا: ”ستر ہزار اور فرشتے جہنم کو ہانکتے ہوئے لائیں گے اور ان فرشتوں کے ہاتھوں میں اس کی لگام ہوگی اور دوزخ غیظ و غضب سے چنگھاڑ رہی ہوگی اور اس کو لا کر عرش کی بائیں جانب گاڑ دیا جائے گا۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو گھسیٹ رہے ہوں گے۔“ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۲):

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اور امام ابو الحسن علی ابن احمد الواحیدی المتوفی ۴۶۸ھ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، حتیٰ کہ آپ کے اصحاب پر یہ اثر بہت شاق گزرا، پھر آپ نے فرمایا: ”ابھی ابھی مجھے حضرت جبرائیل نے یہ آیات پڑھائی ہیں

”كَلَّا إِذَا دُكِّيَتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا. وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا. وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ مَّيْمَنُهُمُ الْفَجْرُ“ (۱۱:۳۳)

حضرت علی (رض) بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جہنم کو کس طرح لایا جائے گا؟ فرمایا: ”اس کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جائے گا، ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے، وہ اس طرح بدک رہی ہوگی کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ تمام اہل محشر کو جدا ڈالے، پس وہ کہے گی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کو مجھ سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گوشت کو مجھ پر حرام کر دیا ہے؟ اس وقت ہر شخص نفسی نفسی (مجھے اپنی جان کی فکر ہے) کہہ رہا ہوگا سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے، آپ کہہ رہے ہوں گے: اے میرے رب! میری امت! اے

میر رب امیری امت ا

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۰۲-۲۰۱، اوسط ج ۴ ص ۴۸۵، بیروت، الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۴۹)

فرمایا: اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے۔

آخرت میں مرامت اور توبہ فائدہ نہیں دے گی؛

اس دن کافر اپنے شرک اور کفر پر نادم ہوگا اور توبہ کرے گا اور اس سے کہا جائے گا: اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے! وہ دنیا میں نصیحت قبول نہیں کرتا تھا اور اپنے کفر اور شرک سے رجوع نہیں کرتا تھا، اب دوزخ کو اپنے سامنے دیکھ کر کفر اور شرک سے رجوع کرے گا اور توبہ کرے گا، مگر اب تو یہ کہاں قبول ہوگی، آخرت کے عذاب کو دیکھنے اور غیب کا مشاہدہ کرنے کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے نہ ایمان قبول ہوتا ہے۔ کافر کے نادم ہونے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا أَلَيْسَتْ تَارَةً وَلَا نُنْكَدِبُ بِأَيِّتِنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الانعام: ۱۶)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے، پھر کہیں گے: ہائے! کاش! ہمیں (دنیا میں) لوٹ دیا جائے، پھر ہم اپنے رب کی آیات کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جائیں گے۔

فرمایا: وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی۔

یعنی وہ کہے گا: کاش! میں نے دنیا کی زندگی میں کوئی نیک عمل کیا ہوتا یا کاش! میں نے زندگی میں کوئی ایسا عمل کیا ہوتا جس کی وجہ سے مجھے آج دوزخ سے نجات مل جاتی۔

فرمایا: سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا۔ اور نہ کوئی اس کے جگڑنے کی طرح جگڑے گا۔

حضرت ابن عباس (رض) اور حسن بصری نے کہا: اللہ کے عذاب کی طرح اس کو کوئی عذاب نہیں دے گا، اور جس طرح اللہ نے اس کو جگڑا ہے اس طرح اس کو کوئی نہیں جگڑے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کو اس طرح عذاب نہیں دے گا جس طرح اللہ عز وجل آخرت میں کافر کو عذاب دے گا، یعنی جس طرح کافر کو زنجیروں اور طوق سے جگڑا جائے گا، اس طرح کوئی دنیا میں کسی کو نہیں جگڑے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد ابلیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد امیہ بن خلف ہے۔

اس آیت کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عذاب دینے کا مالک نہیں ہوگا۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

کَلَّمَ، حرف رد و جر (ہرگز نہیں) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) دَنُتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب ذَكَ يَذْكُ، مصدر دَكَّ، کوٹنا، توڑنا، کوٹ کر ہموار کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کوٹ کر ہموار کر دی جائے گی) اَلَا تَرَىٰ (زمین) دَكَّ، مصدر منصوب فرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں جو کہ ریزہ ریزہ ہوتی ہے، فعل کی تاکید کیلئے لایا گیا ہے، دوسری بار، دَكَّ، مزید تاکید کیلئے لایا گیا ہے (ریزہ ریزہ) و، حرف عطف (اور) جَلَّمَ، فعل ماضی واحد مذکر عائِلہ نَحْيٌ، مصدر جَلَّمَ، اَنَا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ (وہ آئے گا)

رَبُّكَ (رَبُّ - ک) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا رب) و، حرف عطف (اور) اَلْمَلٰٓئِکَ، میں، ال، جنسی ہے یعنی (فرشتے) صَفًّا، صَفًّا، صَفًّا، کا مصدر ہے (صف باندھنا، قطار بنانا) بطور اسم صف اور قطار کے معنی بھی ہوتے ہیں، دوسرا، صَفًّا، تاکید کیلئے آیا ہے (قطار در قطار) و، حرف عطف (اور) چائی، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب جہم کی، مصدر کی، آنا، لانا (وہ لایا جائے گا) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ - اِذ) یَوْمَ، مضاف، دن، اِذ، مضاف الیہ، اس (اس دن) یَجْزِئُکُمْ (پ - جِزْئُکُمْ) پ، حرف جار، کہ، جِزْئُکُمْ، مجرور، جہنم (جہنم کو) یَوْمَئِذٍ یَنْزِلُ السَّمَاءُ نَارًا ذَاتَ لُزْزٍ ۰۰۲۳ اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور (اس وقت) اس کیلئے نصیحت (مفید) کہاں ہوگی۔ یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ - اِذ) یَوْمَ، مضاف، ظرف زمان، دن، اِذ، مضاف الیہ، اس (اس دن) یَنْزِلُکُمْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب نزل کرے گا، مصدر یَنْزِلُ، نصیحت حاصل کرنا (وہ نصیحت حاصل کرے گا) اَلْاِنْسَانُ، فاعل (انسان) و، حرف عطف (اور) اَلْی، اسم ظرف مکان بمعنی، اِنْسَان (کہاں) اَلْی (ل - اِذ) ل، حرف جار، کیلئے، و، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) اَلْاِنْسَانُ، اسم مصدر (نصیحت) یَقُولُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قال یَقُولُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (وہ کہے گا) یَلْبِثُ (یا - لَبِث - ن - ی) یا، حرف نداء، اے، مٹاؤ محذوف، لَبِث، حرف مشبہ بالفعل تناسیلے مستعمل، کاش، ن، نون وقایہ، ی، ضمیر واحد حکم، میں (اے کاش میں) قَدْ مَثَّ، فعل ماضی واحد حکم قَدْ مَثَّ، مصدر تَقَدَّمَ، آگے بھیجا (میں نے آگے بھیجا ہوتا) لِحَیٰثِی (ل - حَیٰثِی - ی) ل، حرف جار، کیلئے، حَیٰثِی، مجرور، مضاف، زندگی، ی، مضاف الیہ، ضمیر واحد حکم، اپنی (اپنی زندگی کیلئے) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ - اِذ) یَوْمَ، مضاف، ظرف زمان، دن، اِذ، مضاف الیہ، اس (اس دن) لَیَلِیْکُمْ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب عَذَابٌ یُعَذِّبُکُمْ، مصدر تَعَذَّبَ، عذاب دینا (نہ وہ عذاب دے گا) عَذَابٌ (عَذَاب - اِذ) عَذَاب، مضاف، عذاب، و، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے عذاب (جیسا)) اَخَذَ (کوئی ایک) و، حرف عطف (اور) اَلْیَوْمِثُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب اَخَذَ، مصدر اِخْتِا، جکڑنا، باندھنا (نہ وہ جکڑے گا) وَتَأْتِیْکُمْ (وَتَأْتِی - اِذ) وَتَأْتِی، مضاف، اسم مفعول مطلق، جکڑ، و، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی جکڑ (جیسا)) اَخَذَ (کوئی ایک)۔

آیت ۳۰ تا ۳۱

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۳۰) اِزْجِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مُّرْضِيَةً (۳۱) فَأَدْخِلْ فِي عِبَادِي (۳۲) وَأَدْخِلْ جَنَّاتٍ (۳۳)

ترجمہ:

اے اطمینان والی روح۔ (۲۷) اپنے رب کی طرف لوٹ آ، اس حال میں کہ تو راضی ہے، پسند کی ہوئی ہے۔ (۲۸) پس میرے

(خاص) بندوں میں داخل ہو جا۔ (۲۹) اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (۳۰)

تفسیر:

فرمایا: اے اطمینان والی روح۔ اِلٰح

نفس مطمئنہ کو ندا کرنے والوں کے مصداق میں مفسرین کے اقوال:

ایک سوال یہ ہے کہ قیامت کے دن نفس مطمئنہ کو کون ندا کرے کہے گا: اے نفس مطمئنہ!؟ مفسرین نے کہا: یہ نداء اور خطاب فرشتے کریں گے اور اولیاء اللہ سے کہیں گے: اے نفس مطمئنہ! اور بعض صوفیاء نے کہا: یہ نداء اور خطاب خود اللہ عز وجل کرے گا کیونکہ دنیا میں اللہ کے نیک بندے یا اللہ یا اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے تو قیامت کے دن اس کی جزاء

میں اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو پکارے گا اور فرمائے گا اے نفس مطمئنہ! امام عبد الرحمن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس نداء اور خطاب کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر (رض) بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ کتنا خوب صورت خطاب ہے، آپ نے فرمایا: عنقریب یہ خطاب تم سے کیا جائے گا (یعنی موت کے وقت)، حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: رومت کے کنوئیں کو کون خریدے گا کہ ہم اس کو میٹھا پانی پئیں؟ حضرت عثمان (رض) نے اس کنوئیں کو خرید لیا، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا تم اس کنوئیں کو لوگوں کے پینے کے لیے وقف کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ”یا عھا نفس المطمئنۃ“۔

حضرت بریدہ (رض) نے کہا: اس آیت میں نفس مطمئنہ سے حضرت حمزہ (رض) کا نفس مراد ہے۔

مجاہد نے کہا: نفس مطمئنہ سے وہ نفس مراد ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے۔

الحسن نے کہا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی روح قیض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا نفس اس سے مطمئن ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ اس سے راضی ہوتا ہے، تب اللہ اس کی روح کو قیض کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اس کو اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۳۱-۳۴۲۹، ملخصاً، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۲۱۷ھ)

نفس انسان کی اقسام:

انسان کے نفس کی تین قسمیں ہیں: (۱) نفس امارہ، وہ نفس جو انسان کو برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے (۲) نفس لواامہ، وہ نفس جو انسان کو برے کام کرنے پر ملازمت کرتا ہے (۳) نفس مطمئنہ، وہ نفس جو ہمیشہ نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور اپنی کارکردگی پر مطمئن رہتا ہے، یہ نفس انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے، نفس امارہ فاسق فجار کا نفس ہے اور نفس لواامہ عام مؤمنین کا نفس ہے جو شیطان کے بہکانے سے اور نفس امارہ کی ترغیبات سے برے کام کر لیتے ہیں، پھر ان کا نفس ان کو ملامت کرتا ہے، وہ ان برے کاموں پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور آئندہ ان برے کاموں سے بچنے کا عہدہ کرتے اور ان برے کاموں کی تلافی اور تدارک کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نفس کی ان تینوں قسموں کا ذکر ہے، نفس امارہ کا ذکر اس آیت میں ہے: حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا:

وَمَا أَلْبَسْنِي نَفْسِجَ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي يُطِئُ رَنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (یوسف: ۵۰)

میں اپنے نفس کو برائی سے بری نہیں کرتا، بیشک نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے سو اس کے کہ میرا رب ہی رحم فرمائے، بیشک میرا رب بہت بخشنے والا، بے رحم فرمانے والا ہے۔

اور نفس لوامہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَا اقْتُمِ بِالنَّفْسِ اللَّوَلِيَّةِ۔ (القیامہ: ۲) اور میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو ملامت کرنے والا ہے۔

اور نفس مطمئنہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ۔ (الفجر: ۲۷) اے نفس مطمئنہ!

نفس مطمئنہ کے مصداق میں مفسرین کے اقوال:

(۱) مجاہد وغیرہ نے کہا: جس نفس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور وہ اس کے سامنے عاجز ہے (۲) حضرت ابن عباس (رض) نے کہا: وہ نفس جو اللہ کے ثواب پر مطمئن ہو، ان سے ایک روایت ہے: وہ نفس جو مومن ہو (۳) مجاہد سے دوسری روایت ہے: جو نفس اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کو یہ یقین ہو کہ جو مصیبت اس سے ٹل چکی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس پر آ گئی ہے وہ اس سے ٹل سکتی تھی (۴) مقاتل نے کہا: جو نفس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہو (۵) ایک قول ہے: جس کو اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدہ پر یقین ہو (۶) عبد اللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ کا نفس ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد ہر مومن کا نفس ہے جو مخصوص ہو اور اطاعت گزار ہو (۷) حضرت عمرو بن العاص (رض) نے کہا: جب مومن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ جنت کا ایک تحفہ بھیجتا ہے، وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ! اپنے جسم سے اس حال میں باہر نکل کہ تو خود بھی راضی ہو اور تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہو، تو خوشی اور خوشبو کی طرف نکل اور اپنے رب کی طرف جو تجھ سے راضی ہے ناراض نہیں ہے، پھر وہ نفس اس مشک سے زیادہ خوشبو کے ساتھ نکلتا ہے جس کو کسی انسان نے روئے زمین پر سونگھا ہو۔ الحدیث (۸) سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس (رض) طائف میں فوت ہو گئے، پھر ایک ایسا پرندہ آیا، جیسا پرندہ اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا تھا، وہ ان کی نعش میں داخل ہو گیا، پھر باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، پھر جب ان کو دفن کیا گیا تو کوئی ان کی قبر پر ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا: **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔** (الفجر: ۲۷-۲۸) اور یہ معوم نہیں ہو سکا کہ کون تلاوت کر رہا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲، ص ۵۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر:

فرمایا: تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

امام ابو منصور محمد بن ماتری حقی متوفی ۳۳۲ھ لکھتے ہیں:

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو پرسکون ہو اور شک میں نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ، وعید، امر، نہی اور اس کی توحید پر مطمئن ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے دنیا میں یہ کہا جائے گا کہ جہاں تجھے تیرے رب نے حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید پر مطمئن ہو کر وہاں لوٹ جا، پھر اس نفس سے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے جس انعام کا وعدہ کیا ہے، وہ اس کو عطاء فرمائے گا تو وہ اس سے راضی ہو جائے گا اور چونکہ اس نے دنیا میں نیکی کے کاموں میں بہت کوشش کی ہوگی، اس لیے وہ اپنے رب کے نزدیک بھی مرضیہ اور پسندیدہ ہوگا، اس سے کہا جائے گا: تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور تو ان میں داخل ہو جا، جو جنت کے مستحق ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفس مطمئنہ سے آخرت میں یہ کہا جائے کہ اے نفس! تو دنیا میں اللہ کے وعدہ اور اس کی وعید پر مطمئن تھا اور تو نے دنیا میں اس کی اطاعت اور عبادت کی، اب تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس! تو دنیا میں مطمئن تھا، اب تو آخرت کی طلب میں جا اور ان چیزوں کی طرف جا، جن کو اللہ نے اپنے اولیاء کے لیے تیار رکھا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جا، جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو جائے گا اور تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطاء اور ثواب سے راضی ہو جائے گا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۵۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ناشرون، ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

”راضیۃ مرضیۃ۔“ (الفجر ۲۸): کا معنی ہے: تو ثواب سے راضی ہے اور تو نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے ہیں، ان کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ اور پسندیدہ ہے اور ”فادخلی فی عبدی۔“ (الفجر ۲۹): کا معنی ہے: تو میرے مقرب بندوں میں شامل ہو جا اور یہ بہت معزز حالت ہے کیونکہ ارواح شریفہ قدسہ شفاف آئینوں کی طرح ہیں اور جب بعض مقربین کی ردحیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں تو جس طرح شفاف آئینوں میں ایک دوسرے کے عکس منعکس ہوتے ہیں تو ہر ایک کی سعادت کے آثار سب میں ظاہر ہوں گے اور ان کی روحانیت کے درجات بہت عظیم ہوں گے اور ”وادخلی جنتی۔“ (الفجر ۳۰): کا معنی ہے کہ نیک روحوں کو روحانی جنت تو موت کے وقت ہی حاصل ہو جاتی ہے، اب آخرت میں جسمانی جنت بھی ان کو حاصل ہو جائے گی اور جب کہ جسمانی جنت کی سعادت قیامت کے بعد ہی حاصل ہوگی، اس لیے ”وادخلی جنتی۔“ کو وادو کے ساتھ فرمایا ہے، فاء کے ساتھ نہیں فرمایا کیونکہ نفس مطمئنہ کو جسمانی جنت موت کے فوراً بعد حاصل نہیں ہوگی اور ”فادخلی فی عبدی۔“ کو فاء کے ساتھ فرمایا ہے کیونکہ نفس مطمئنہ موت کے فوراً بعد دیگر مقربین کی

ارواح میں شامل ہو جائے گی۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۳-۱۶۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ”ارجعی الی ربک“ (الفجر ۲۸:) سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کی کرامت کی طرف رجوع کر اور میرے نیک بندوں میں اور دار ثواب میں داخل ہو جا، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قول موت کے وقت کہا جائے یا محشر میں حساب سے پہلے اور دخول میں مراد جنت میں دخول ہے، لیکن دائمی قیام کے لیے نہیں بلکہ جنت کی نعمتوں سے ایک قسم کا تمتع حاصل کرنے کے لیے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ مؤمنین کی روحیں جنت میں پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی اور بعض آثار میں ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اس کو نصف جنت عطاء کی جاتی ہے، یعنی اس جنت کا نصف جس کا اس سے قیامت کے دن دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

امام بن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے ابوصالح سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے، یہ موت کا عنوان ہے اور دنیا سے نکل کر اپنے رب کی طرف رجوع کا ذکر ہے اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اس سے کہا جائے گا: میرے نیک بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے نفس مطمئنہ سے یہ کہا جائے گا اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جاتا کہ منکر نگیر کے سوالوں کا جواب دے سکے، امام ابن منذر نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اس کو جنت میں اس کا مقام دکھایا جاتا ہے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اے نفس مطمئنہ! اپنے اس جسم کی طرف لوٹ جا، جس سے تو راضی ہو کر نکلتی تھی کیونکہ تو نے میرے پسندیدہ اور مرضیہ ثواب کو دیکھ لیا تھا حتیٰ کہ تجھ سے منکر اور نگیر سوال کریں۔

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ نفس مطمئنہ کو موت کے وقت قبر سے نکلنے کے وقت اور میدان محشر میں جنت کی بشارت دی جائے گی۔

(روح المعانی جز ۳ ص ۳۳۸-۳۳۶، ملخصاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

لَا تُبَيِّنُ النَّفْسُ الْفُطْرِيَّةُ (یا اُتَبَيَّنُ) النَّفْسُ۔ اُتَبَيَّنُ، جب منادی مَوْنُثِ ہرال، ہو تو، یا، کے ساتھ، اُتَبَيَّنُ، لگا دیتے ہیں، اُتَبَيَّنُ الْفُطْرِيَّةُ، منادی، اُتَبَيَّنُ، موصوف، نَفْس، جان، اُتَبَيَّنُ، صفت، اُتَبَيَّنُ، مصدر سے اسم فاعل واحد مَوْنُثِ، اطمینان والی، مطمئن، اطمینان پانے والی (اے اطمینان پانے والی جان) اُتَبَيَّنُ، فعل امر واحد مَوْنُثِ حاضر رُفْعِ یَزِجْ، مصدر رُفْعِ وَزْرِجُوع، لوٹ آنا (تو لوٹ آ) اِلٰی رَبِّکَ (اِلٰی۔ رَب۔ کُت) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، رَب، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، کُت، مضاف الیہ، ضمیر واحد مَوْنُثِ حاضر، اپنے، مَوْنُثِ کا صیغہ، اُتَبَيَّنُ، کی وجہ سے ہے (اپنے رب کی طرف) رَاضِيَةً۔ رَاضِي، مصدر سے اسم فاعل واحد مَوْنُثِ (راضی، من بھائی خوش) مَُرْضِيَةً۔ رَاضِي، مصدر سے اسم مفعول واحد مَوْنُثِ (پسند کی ہوئی، پسندیدہ) فَادْخُلِيْ (ف۔ اَدْخُلِيْ) ف، حرف عطف، پس، اَدْخُلِيْ، فعل امر واحد

مَوْنَتْ حَاضِرٌ وَخَلَّ يَدْخُلُ، مصدرٌ دُخُوْغٌ، داخل ہونا، تو داخل ہو جا (پس تو داخل ہو جا) فِی عِلْدِیْ (فِی - عِبْدِی - ی) فِی، حرف جار، میں، عِبَادِ، مجرور، مضاف، بندوں، واحد، عِبْدٌ، ی، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم، ممرے (ممرے بندوں میں) و، حرف عطف (اور) اُدْخُلْ، فعل امر واحد مَوْنَتْ حَاضِرٌ وَخَلَّ يَدْخُلُ، مصدرٌ دُخُوْغٌ، داخل ہونا، (تو داخل ہو جا) مَوْنَتْ کا صیغہ "اَنْتَ" کی وجہ سے ہے۔ جَنْتِیْ (جَنْتِی - ی) جَنْتِی، مضاف، جنت، ی، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم، میری (میری جنت)

(الحمد للہ سورہ فجر مکس ہو گئی)

[سورۃ البلد]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت اجماع

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (۱) وَاَنْتَ جَلُّ هٰذَا الْبَلَدِ (۲) وَاَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (۴) اَلْیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَقْدِرَ عَلَیْهِۦ اَحَدٌ (۵) یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَا لَ الْبَلَدِ (۶) اَلْیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَوْا اَحَدًا (۷)

ترجمہ:

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں! (۱) اور تو اس شہر میں رہنے والا ہے۔ (۲) اور جننے والے کی قسم! اور اس کی جو اس نے جنا! (۳) بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ (۴) کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی قادر نہیں ہوگا؟ (۵) کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال برباد کر ڈالا۔ (۶) کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟ (۷)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ البلد ہے۔ اس کی پہلی آیت میں بلد کا لفظ مذکور ہے۔ جس سے سورۃ کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ بلد شہر کو کہتے ہیں اور جس شہر کا اس سورۃ میں ذکر خیر آیا ہے۔ وہ مکہ مکرمہ کا شہر ہے۔ یہ کی سورۃ ہے۔ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی بیس آیات اور ایک رکوع ہے

ما قبل سے ربط:

مکی سورتوں میں عام طور پر بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ پہلی سورۃ میں اللہ نے چار قسم کے لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے ان میں سے تین قسم کے لوگ ناکام ہیں اور چوتھی قسم کے لوگ کامیاب ہیں۔ جو اہل ایمان ہیں اور ان کا نفس دنیا میں نیکی اور ذکر الہی کے ساتھ اطمینان حاصل کرتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ اس سورۃ میں انسان کی بعض اخلاقی بیماریوں کا بھی ذکر ہے۔ جن کا علاج اس سورۃ میں پیش کیا گیا ہے۔

تفسیر:-

فرمایا: میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں! الخ

اس میں جو لفظ ”لا“ ہے، اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ لفظ ”لا“ کے ساتھ مشرکین مکہ کے زعم کی نفی فرمائی ہے، ان کا زعم یہ تھا کہ قیامت آئے گی نہ مرنے کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے زعم کی نفی فرمائی: نہیں ایسا نہیں ہے کہ قیامت نہیں آئے گی اور نہ ایسا ہے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا بلکہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں کہ ایسا ضرور ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ جو انسان دنیا کی زندگی پر مغرور تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کے اوپر کوئی قادر نہیں ہوگا، اس کے اس زعم کی نفی فرمائی: نہیں ایسا نہیں ہے کہ انسان پر کوئی قادر نہیں ہوگا، کیوں نہیں! اس شہر کی قسم! اللہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر ضرور قادر ہوگا، اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ میں اس شہر کی اس وقت قسم نہیں کھاتا جب آپ اس شہر میں نہ ہوں، بلکہ میں اس شہر کی اس وقت قسم کھاتا ہوں جب آپ اس شہر میں مقیم ہوں۔

(۲) لفظ ”لا“ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ”لا“ زائد ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا، کیونکہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے، فرمایا:

وهذا البلد الامن۔ (التین: ۳) اور اس امن والے شہر کی قسم!۔

اور جب اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسم کھا چکا ہے تو اس شہر کے قسم کھانے کی نفی کس طرح صحیح ہوگی، اس کی نظیر یہ آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

ما منعك الاتسب (الاعراف: ۱۲) (اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے) تجھ کو سجدہ نہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

حالانکہ مقصود یہ ہے کہ تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

ما منعك ان تسجد (ص: ۷۵) تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

پس معلوم ہوا کہ الاعراف ۱۲: میں لفظ ”لا“ زائد ہے اسی طرح ”لا قسم بهذا البلد۔“ میں بھی لفظ ”لا“ زائد ہے۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت میں آیات اور احادیث:

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور مکہ مکرمہ کی فضیلت حسب ذیل آیات ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ۔ فَاِذْ اٰتَيْنَا مَقَامُ الْاَزْهَرِ هَبْجَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا طَوَّافًا عَلٰى النَّاسِ حُجَّ الْمَنَامِ مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفِيْرٌ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ (آل عمران: ۹۶)

بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، وہ تمام جہانوں کے لیے برکت والا اور ہدایت والا ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا، اور اللہ کے لیے ان لوگوں کے ادھر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس گھر کے راستہ پر جانے کی قدرت رکھتے ہوں، اور جس نے کفر کیا تو بیشک اللہ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔

وَاذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَقَابِلَ الْمَقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَلِّيًا وَعَهْدْنَا اِلَيْهِ اِيْمَانَهُمْ وَاسْمِعْنَا اَنْ يَنْطَلِقَ اِلَيْهِمْ لِيُخْبِرُوهُمْ عَنْ اَمْرِهِمْ اَوْ يَنْتَفِعُوا مِنْهُ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ اَمْنٌ وَلَا اَمْنٌ اِلَيْهِمْ وَلَا اَمْنٌ اِلَيْهِمْ (البقرة: ۱۲۵)

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے ثواب کی جگہ بنادیا اور امن کی جگہ بنادیا، اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے یہ عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

وَيُطَوِّفُونَ بِالْبَيْتِ الْمُقَدَّسِ - (الحج: ۲۹) اور (وہ لوگ) اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔

اور بیت اللہ کی فضیلت میں حضرت ابوشریح (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے، اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا، جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ مکہ کے کسی درخت کو کاٹے، اگر کسی شخص مکہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتال کرنے سے معارضہ کرے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی ہے اور مجھے دن کی ایک ساعت (ایک گھنٹہ) میں قتال کی اجازت دی تھی، پھر اس کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۳۵۴۶):

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منیٰ میں فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آج کونسا دن ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: بیشک یہ یوم حرام ہے (عزت اور حرمت والا دن ہے)، پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کونسا شہر ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ بلد حرام ہے (حرمت والا شہر ہے) پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ عزت اور حرمت والا مہینہ ہے، پھر آپ نے فرمایا: بیشک اللہ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے، جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے اور آج کے مہینہ کے حرمت ہے اور جس طرح تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۷۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۶):

فرمایا: اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔

”وانت حل بحدہ البلد کی تفسیر:

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے شہر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ آپ اس شہر میں ہیں اور یہ اس سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ مکرم ہیں اور اللہ کو آپ سے بہت محبت ہے، علامہ واسطی نے کہا: گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس شہر کی قسم اس لیے کھاتے ہیں کہ آپ کے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے جب تک آپ حیات ہوں، یہ شہر مکرم ہے اور جب آپ کی وفات ہو تو یہ شہر برکت والا ہے، یعنی مدینہ منورہ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ”وانت حل“ یعنی اس شہر میں آپ جو کام بھی کریں وہ آپ کے لیے حلال ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے آپ کے لیے حلال کر دیا گیا کہ آپ جس کافر کو چاہیں قتل کر دیں، سو آپ نے ابن خطل، مقیس بن صبابہ وغیرہا کو قتل کر دیا اور آپ کے بعد اور کسی شخص کے لیے مکہ میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت ہے کہ آپ کے لیے دن کی ایک ساعت میں مکہ میں قتل کرنا حلال ہوا تھا اور یہ فتح مکہ کا دن تھا، پھر اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس کی حرمت ہوٹ آئی، اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: بیشک اللہ نے جب آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، اس وقت اس نے مکہ کو حرم بنا دیا تھا پس وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے، نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۳۵۳):

”وانت حل“ کا دوسرا یہ معنی کیا گیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں اور یہ آپ کا محل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ اس میں محسن ہیں یعنی آپ اس شہر میں نیک کام کرنے والے ہیں اور میں اس شہر میں آپ سے راضی ہوں۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس میں حلال ہیں یعنی آپ اس میں گناہ گار نہیں ہیں۔ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حل ہے اور حلال ہے اور محل ہے، اس کا معنی گرہ کھولنا، حلال ہونا اور نازل ہونا، اترنا اور ٹھہرنا ہے یعنی آپ مکہ میں نازل ہونے والے اور ٹھہرنے والے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعریف اور تحسین ہے یعنی آپ اس شہر میں کوئی ایسا کام کرنے والے نہیں ہیں، جس کا ارتکاب آپ پر حرام ہو، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے کیا حقوق ہیں، نہ کہ ان مشرکین کی طرح جو اس شہر میں کفر اور معصیت کے کام کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنی اس طرح ہے کہ میں اس بیت معظم کی قسم کھاتا ہوں جس کی عزت اور حرمت کو آپ جانتے ہیں، سو آپ اس بیت کی تعظیم کرتے ہوئے اس میں مقیم ہیں اور اس شہر میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو آپ پر حرام ہو۔ شرجیل بن سعد نے کہا: آپ اس شہر میں حلال ہیں اور کفار مکہ

میں قتل کرنے کو اور شکار کرنے کو اور اس کے درخیوں کو کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود وہ مکہ سے آپ کے نکالنے کو اور آپ کے قتل کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲ ص ۵۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

”وانت حل بھذا البلد“ کی تفسیر امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

”وانت حل بھذا البلد۔“ (البلد ۲:) سے مراد حسب ذیل امور ہیں:

(۱) آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور ٹھہرے ہوئے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اس وجہ سے مکرم قرار دیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں۔

(۲) کفار اس شہر کے احترام میں اس شہر میں قتل کرنے کو، یہاں شکار کرنے کو اور یہاں کے درخیوں کے کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود ان کے نزدیک اس شہر میں آپ کو قتل کرنا حلال ہے، وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھے تھے لیکن آپ ان کے درمیان سے سورۃ یسین پڑھتے ہوئے نکل گئے اور ان کو پتہ نہیں چلا، اس آیت میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی مہم میں ثابت قدم رکھنا ہے اور کفار کی عداوت پر تعجب کا اظہار ہے۔
فرمایا: اور (انسان کے) والد کی قسم اور اس کی اولاد کی۔

والد اور اولاد کے مصداق میں اقوال مفسرین:

مجاہد اور قتادہ اور حسن اور ابو صالح نے کہا: والد سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں اور اس کی اولاد سے مراد ان کی نسل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ روئے زمیں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے عمدہ مخلوق ہیں، اس میں انبیاء (علیہم السلام) بھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دیگر دعوت دینے والے بھی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی اولاد میں سے نیک لوگوں کی قسم ہے اور جو کفار اور فاسق اور فجار ہیں وہ گویا کہ حیوانات ہیں، ایک قول یہ ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہیں اور اولاد سے مراد ان کی ذریت ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان کی تمام ذریت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو ان کی ذریت میں سے مسلمان ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام والد اور اس کی اولاد ہے۔ الماوردی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آپ کا ذکر ہے اور اولاد سے مراد آپ کی امت ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں، تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴: سنن نسائی رقم الحدیث ۴۰:،)

فرمایا: بیشک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا۔

”کبد“ کا معنی اور انسان کی دشواری کا مطلب:

اس آیت میں ”کبد“ کا لفظ ہے، ”کبد“ کا معنی ہے: دشواری، سختی، مشقت، ”کبد“ یا ”کبد“ کا معنی ہے: جگر، کلیجی، جگر کا درد ہونا، ”کبد“ یعنی شدت اور مشقت کے حسب ذیل مطالب ہو سکتے ہیں۔

(۱) ہم نے انسان کو شدت اور مشقت کے کئی مراحل میں پیدا کیا ہے، ایک مرتبہ اس کی ماں کے پیٹ میں، پھر اس کے دودھ پینے کی مدت میں، پھر جب وہ بالغ ہو گیا تو اپنے معاش اور روزگار کے حصول کی مشقت میں مبتلا ہو گیا، پھر اس کے بعد موت کی شدت میں۔

(۲) اس سے مراد دین کی مشقت اٹھانا ہے، وہ نعمت ملنے پر شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت آنے پر صبر کرتا ہے اور عبادات کی ادائیگی میں مشقت اٹھاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد آخرت کی مشقت ہے، پہلے سکرات موت کی شدت ہے، پھر قبر میں منکر نگیر کے سوالوں کے جواب کی مشقت ہے، پھر قبر کے اندھیرے کا سامنا ہے، پھر قبر سے نکل کر میدان حشر کی طرف جانا ہے، پھر اللہ عز و جل کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور پھر آخرت کے انجام کا پیش آنا ہے، جو جنت ہو گا یا دوزخ۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ دنیا میں کوئی لذت نہیں ہے، انسان جس کو بظاہر لذت سمجھتا ہے اس میں بھی درد اور تکلیف کی آمیزش ہے، کھانا کھانے سے پہلے انسان بھوک کی تکلیف برداشت کرتا ہے اور کھانے کے بعد غذا کے نا موافق ہونے کی وجہ سے انسان مختلف بیماریوں کا سامنا کرتا ہے، غرض انسان کو محنت، مشقت، شدت اور مصیبت میں پیدا کیا گیا ہے، اس لیے اس جہن کے بعد کوئی اور جہن ہونا چاہیے تاکہ وہ جہان اس کے لیے لذات، سعادات اور کرامات کے حصول کا جہان ہو۔

فرمایا: کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی قادر نہیں ہوگا؟

یہ زجر ہے کیا کافر انسان گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر اور غالب نہ ہوگا اور کوئی اس کو اس کے برے عملوں کی سزا نہیں دے گا۔ اس کا یہ خیال غلط ہے۔ اسے اس کے گناہوں کی اللہ تعالیٰ ضرور سزا دے گا۔

فرمایا: وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے۔

”لبد“ کا معنی:

اس آیت میں ”لبد“ کا لفظ ہے، ”لبد“ کا معنی مال کثیر ”لبد“ کا بھی یہی معنی ہے، اصل میں ”لبد“ اور ”لبدۃ“ کا معنی ہے: نمدہ اور گوند سے چپکایا ہوا اون، نمدہ ہو یا چپکایا ہوا اون، ان میں تہ پر تہ جمائی جاتی ہے، وسعت استعمال کی وجہ سے مال کثیر کو بھی ”لبد“ کہتے ہیں، گویا اس میں بھی مال کی تہ پر تہ جمائی جاتی ہے، ”لبد“ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو گھر میں بیٹھا رہے اور کمائی کے لیے باہر نہ نکلے۔ (القاموس المحیط ص ۳۱۶، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴)

(ھ)

لیث نے کہا: ”مال لبد“ سے مراد یہ ہے کہ وہ اتنا زیادہ مال ہو کہ اس کی کثرت کی وجہ سے اس کے فناء ہونے کا خوف نہ ہو، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر یہ کہتا ہے کہ میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عداوت میں مال کثیر خرچ کیا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی بڑائی اور فخر کو ظاہر کرنے کے لیے مال کثیر خرچ کرتے تھے، اس کے متعلق ان میں سے کسی نے کہا: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے۔

البلد ۷: میں فرمایا: کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں، قتادہ نے کہا: وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو نہیں دیکھا اور وہ اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ اس نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ انکس نے کہا: وہ جھوٹا ہے، اس نے کچھ خرچ نہیں کیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ وہ کیا خرچ کر رہا ہے اور کیا خرچ نہیں کر رہا، وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ (جامع البیان جز ۳ ص ۴۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

نا، زائدہ، تانیہ، مخاطب کے باطل خیالات کی تردید کیلئے لایا گیا ہے (نہیں) اُنْہُمْ، فعل مضارع واحد مطلقاً قَسَمَ تَقْسِمٌ، مصدر اِفْهَمَ، قسم کھانا (میں قسم کھاتا ہوں) بَلَدَ اَلْبَلَدِ (ب۔ ہ۔ اَلْبَلَدِ) ب، حرف جار، کی، ہذا، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر قریب، اس، اَلْبَلَدِ، مشار الیہ، شہر، شہر کہ معظمہ ہے (اس شہر کی) و، حرف عطف (اور) اَنْتَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر حاضر (آپ) حَلَّ - عَلَّ یَحْلُ، کا مصدر، حلال ہونا، رہنا، اترنا، یہاں، حَلَّ، بمعنی، حال، بمعنی اسم فاعل (رہنے والا) بَلَدَ اَلْبَلَدِ (ب۔ ہ۔ اَلْبَلَدِ) ب، حرف جار بمعنی، رُفِی، میں، ہذا، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر قریب، اس، اَلْبَلَدِ، مشار الیہ، شہر (اس شہر میں) وَاَلِیْہِ (و۔ اَلِیْہِ) و، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور (قسم)، وَاَلِیْہِ، مجرور، مقسم بہ، وَاَدَاۃُ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، جننے والا، باپ، والد، مراد حضرت آدم (اور قسم ہے) والد (حضرت آدم (علیہ السلام)) کی) و، حرف عطف (اور) نا، اسم موصول (اس کی جو) وَاَدَاۃُ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَاَدَاۃُ، مصدر وَاَدَاۃُ، پیدا کرنا، جننا (اس نے جنا) لَقَدْ (ل۔ قَدْ) ل، لام تاکید، بلاشبہ، قَدْ، حرف تحقیق، یقیناً (بلاشبہ یقیناً) خَلَقْنَا، فعل ماضی جمع حکم خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلَقَا، پیدا کرنا (ہم نے پیدا کیا) اَلْاِنْسَانِ (انسان) فِی کِتْبَہِ - رُفِی، حرف جار، میں، کِتْبَہِ، مجرور، اسم مصدر، وَاَدَاۃُ، تکلیف، مشقت، دشواری (مشقت میں) اَلْحَسْبُ (ا۔ حَسْبُ) ا، ہمزہ استفہامیہ، کیا، حَسْبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب حسب حَسْبُ، مصدر حسبنا، گمان کرنا، خیال کرنا، وہ گمان کرتا ہے (کیا وہ گمان کرتا ہے) اَنْ، مصدر یہ ناصبہ (کہ) اَنْ یَقْدِرَ، فعل مضارع منصوب منقسم وَاَدَاۃُ بن واحد مذکر غائب قَدْ یَقْدِرُ، مصدر قَدْ یَقْدِرُ، قدرت رکھنا، قابو پانا (وہ ہرگز قابو نہیں پاسکے گا) عَلَیْہِ (ع۔ عَلَیْہِ) عَلَی، حرف جار، پر، و، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس پر) اَخَذَ (کوئی ایک) یَقُولُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَالَ یَقُولُ، مصدر قَوْلَا، کہتا (وہ کہتا ہے) اَلْکَلْبُ، فعل ماضی واحد حکم اَخَذَ یَأْخُذُ، مصدر اَخَذَا، ہلاک کرنا، برباد کرنا (میں نے برباد کر ڈالا) نَاکَا اَلْبَلَدَ، ناگہ، موصوف، مال، بُدَا، صفت، اَلْبُؤْسُ، مصدر سے صفت مشبہ و سجع، زیادہ کثیر، ڈھیروں، (ڈھیروں مال) اَلْحَسْبُ (ا۔ حَسْبُ) ا، ہمزہ استفہامیہ، کیا، حَسْبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب حسب حَسْبُ، مصدر حسبنا، گمان کرنا، خیال کرنا، سمجھنا، وہ خیال کرتا ہے (کیا وہ خیال کرتا ہے) اَنْ، مصدر یہ ناصبہ (کہ) لَمْ یَزِدْہُ (ل۔ لَمْ یَزِدْہُ) لَمْ یَزِدْ، فعل مضارع منفی جہد بلم واحد مذکر غائب زَاۃُ یَزِدُ، مصدر زَاۃُ یَزِدُ، دیکھنا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، نہیں دیکھا، و ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (نہیں دیکھا اسے) اَخَذَ (کسی ایک نے)

آیت ۸: ۱۶

أَلَمْ تَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ (۸) وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ (۹) وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (۱۰) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۱۱) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ (۱۲)
فَكَرَّ بِكُورْبَةٍ (۱۳) أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ (۱۴) يَتَبَسَّطُ فِي مَقْرَبَةٍ (۱۵) أَوْ يَسْكِيْنَا ذَا مَقْرَبَةٍ (۱۶)

ترجمہ:

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ (۸) اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ (۹) اور ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیے۔ (۱۰) پھر (بھی) وہ مشکل گھاٹی میں نہ گھس۔ (۱۱) اور تجھے کیا معلوم کہ وہ مشکل گھاٹی کیا ہے؟ (۱۲) (وہ) گردن چھڑانا ہے۔ (۱۳) یا کسی بھوک والے دن میں کھانا کھانا ہے۔ (۱۴) کسی قرابت والے یتیم کو۔ (۱۵) یا مٹی میں پڑے کسی مسکین کو (۱۶)

تفسیر:-

فرمایا: کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ الخ
اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں اور خیر اور شر کے دو راستے؛

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے البلد ۸: کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیں دو آنکھیں عطا فرماتا اس کی دو ظاہری نعمتیں ہیں جو ہم کو اس کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

امام ابن عساکر نے نکول سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اے ابن آدم! میں نے تجھے بہت عظیم نعمتیں عطا کی ہیں، جو عدد شمار سے باہر ہیں اور جن کا تو شکر ادا نہیں کر سکتا، اور میں نے تجھ کو جو نعمتیں دی ہیں، وہ یہ ہیں کہ تیرے لیے دو آنکھیں بنا دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور میں نے ان آنکھوں کے لیے پردے (پلکیں) بنا دی ہیں، تو اپنی آنکھوں سے حلال چیزوں کو دیکھ اور جب تو ان چیزوں کو دیکھے جن کو میں نے حرام کر دیا تو ان پر دوں

(پلکوں) کو منطبق کر دے اور میں نے تجھ کو زبان دی ہے اور اس کے لیے غلاف بنا دیا ہے پس تو میرے حکم کے مطابق زبان سے بول، جو باتیں تیرے لئے حلال ہیں اور اگر تیرے سامنے وہ چیزیں پیش ہوں جن کو میں نے تجھ پر حرام کر دیا ہے تو اپنی زبان پر تالا ڈال دے، اور میں نے ترے لیے شرم گاہ بنائی ہے اور اس کے لیے پردہ بنایا ہے تو اپنی شرم گاہ سے ان چیزوں کو حاصل کر جو میں نے تیرے حلال کر دی ہیں اور جب تیرے سامنے کوئی حرام چیز آئے تو تو اس پر پردہ ڈال دے، اے ابن آدم! میری ناراضگی کو نہ اٹھا ورنہ تو میرے انتقام کی طاقت نہیں رکھتا۔

مجاہد نے: ”ھدینہ النجدین“ کا معنی ہے: ہم نے انسان کو خیر اور شر کے راستوں کی پہچان کرا دی ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت حسن (رض) سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما رہے تھے: اے لوگو! یہ دو راستے خیر اور شر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شر کا راستہ خیر کے راستے سے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۷۸-۴۸۸ در احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان آیات میں اس پر واضح دلیل ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دیا ہے، اس کو حواس عطاء کیے ہیں اور عقل سیم دی ہے، اس کو نیکی اور بدی کے راستے دکھادیے ہیں اور سمجھادیے ہیں، اس پر لازم ہے کہ وہ نیکی کے راستے کو اختیار کرے اور برائی کے راستے کو ترک کر دے اور اگر اس نے اختیار کے باوجود نیک عمل نہیں کیے اور برے عمل کرتا رہا تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے دوزخ بنائے گا۔

”اَتَقَمُّ“ اور ”العقبة“ کا معنی اور دشوار گھائی کا مصداق:

البلد ۱۱: میں ”اَتَقَمُّ“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: چڑھا، گھس پڑا، اس کا مصدر ”اَتَقَمُّ“ ہے اس کا معنی ہے: بغیر دیکھے بھالے اپنے آپ کو کسی چیز میں جھونک دینا۔ (القاموس المحيط ص ۱۱۴۶، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ) اور اس آیت میں ”العقبة“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: گھائی، پہاڑ میں چڑھائی کا جو دشوار گزار راستہ ہوتا ہے، اس کو ”عقبہ“ کہتے ہیں۔ (القاموس المحيط ص ۱۱۶، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

”عقبہ“ سے مراد یہاں آخرت ہے، عطاء نے کہا: ”عقبہ“ سے مراد یہاں جہنم کی گھائی ہے، الکلی نے کہا: یہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک گھائی ہے، حضرت ابن عمر نے کہا: یہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے، نیز ”عقبہ“ کی تفسیر مقروض کی گردن چھڑانے اور اس کو کھانا کھلانے کے ساتھ کی گئی ہے۔

حسن اور مقاتل نے کہا ہے کہ دشوار گزار کی گھائی پر چڑھنے کے ذکر میں یہ مثال دی ہے کہ انسان نے اپنے نفس کی ناجائز خواہشوں کے خلاف مزاحمت کیوں نہیں کی اور غلط نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا اور نیکی کرنے میں شیطان کے بہکانے سے جہاد کیوں نہیں کیا، الحسن نے کہا: اللہ کی گھائی بہت شدید ہے، اور یہ انسان کا اپنی ناجائز خواہشوں سے اور شیطانی انس اور جن سے جہاد کرنا ہے۔

امام رازی نے فرمایا: یہی تفسیر برحق ہے کیونکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ محسوسات کے عالم سے نکل کر انوار الہیہ کے عالم میں پہنچ جائے اور اس مادی عالم اور عالم قدس کے درمیان بیشمار دشوار گزار گھاٹیاں اور پرخطرہ وادیاں ہیں جن کو عبور کرنا ہے بعد مشکل اور دشوار ہے۔

فرمایا: (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا۔

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث:

”الْفُكُّ“ کا معنی ہے: طوق اور بیڑیوں کو کاٹ دینا اور یہاں اس سے مراد ہے: کسی انسان کے گلے سے غلامی یا قرض کا طوق اتار دینا۔

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے کسی غلام کو آزاد

کیا، اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو دوزخ سے آزاد کر دے گا، حتیٰ کہ اس کا شرم گاہ کو اس کی شرم گاہ کے بدلے میں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۵۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۰۹، سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۵۴۱):

حضرت ابو امامہ اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دیگر اصحاب بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس مسلمان مرد نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا، اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا اور جس مسلمان عورت سے کسی مسلمان عورت کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا اور اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۵۴۲، السنن الکبریٰ، اللیثی ج ۱۰ ص ۲۷۱، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۹۵)

فرمایا: یا بھوک کے دن کھانا کھلایا۔

بھوک کے مسلمان کو کھانا کھانے کی فضیلت میں آیات اور احادیث:

اس آیت میں ”مسغبہ“ کا لفظ ہے، یہ اسم مصدر ہے، اس کا معنی ہے: بھوک، بھوکا ہونا، ”سغبہ“ کا معنی ہے، ایسی بھوک یا پیاس جس میں تھکان سی محسوس ہو، جیسے جب جسم میں گلوکوز کم ہونے کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔

(التاموس المحيط ص ۹۷، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

قحط، تنگ دستی اور شدید ضرورت کے وقت مال نکالنا انسان کے نفس پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ج (البقرہ ۱۷۷)

اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ دراروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سولیوں اور گردن چھڑانے کے لیے ماں دے۔

وَيُطْعَمُونَ الْقَلْعَامَ عَلَى حُبِّهِ وَشُكْرًا وَنِعْمًا وَأُسْدًا (الدھر ۸)

اور وہ کھانے کی ضرورت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا: اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ فرمایا: تم جس شخص کو پہچانتے ہو خواہ پہچانتے ہو، اس کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹، ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۵۳):

جب ان بن ابی جمیلہ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو صدقہ سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ آسمان پر چڑھتا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان بہت عمدہ کھانا تیار کرے اور پھر اپنے (مسلمان) بھائیوں کو کھلائے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۴۲۴، رقم الحدیث ۱۶۳۶۹):

حضرت انس (رض) بیان کرتے ہیں کہ کسی بھوکے پیٹ والے کو سیر ہو کر کھانا کھلانے سے زیادہ کوئی عمن افضل نہیں ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحديث ٦٣٤٧ : كنز العمال رقم الحديث ١٦٣٧٠ : شعب الايمان رقم الحديث ٣٣٦٧ :)

محمد بن مکندر بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : مغفرت کے موجبات سے یہ ہے کہ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا جائے۔ کنز الايمان رقم الحديث ١٦٣٧٢ : المستدرک ج ٢ ص ٥٢٤ ، رقم الحديث ٣٩٣٥ : حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو روٹی کھائی حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا اور اس کو پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سات خندقوں سے دور کر دے گا، ہر خندق کی مسافت پانچ سو سال ہے۔ (شعب الايمان رقم الحديث ٣٣٦٨ : كنز العمال رقم الحديث ١٦٣٧٣ :)

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس شخص نے کسی بھوکے مسلمان کو کھلانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھگوں سے کھلائے گا اور جس شخص نے کسی بے لباس مسلمان کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنایا گا اور جس شخص نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اس کو ریشم (شراب طہور) سے پلائے گا۔

(شعب الايمان رقم الحديث ٣٣٧٠ :)

فرمایا : ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو۔

یتیم کا معنی :

انسانوں میں یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بچپن میں باپ فوت ہو گیا ہو اور حیوانات میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کی بچپن میں ماں فوت ہو گئی ہو اور بعض اہل لغت یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ دونوں فوت ہو گئے ہوں۔ جو یتیم رشتہ دار ہو اس پر بھی صدقہ کرنے میں فضیلت ہے لیکن جو یتیم رشتہ دار بھی ہو، اس پر صدقہ کرنے میں زیادہ فضیلت ہے، جس طرح جس یتیم کے کفالت کرنے والے ہوں، اس پر صدقہ کرنے میں بھی فضیلت ہے لیکن جس یتیم کا کوئی کفیل نہ ہو، اس پر صدقہ کرنے میں بہت فضیلت ہے۔

یتیموں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث :

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو رکھ اور اس کو اپنے کھانے پینے میں شامل کیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا، سو اس کے اس کا کوئی ایسا گناہ ہو جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔ (سنن ترمذی رقم الحديث ١٩١٧ : سنن ابن ماجہ رقم الحديث ٣٦٦٩ :)

حضرت سہل بن سعد (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : میں اور یتیم کی کفالت کرنے

والاجنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے، آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ ارشاد فرمایا۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۹۱۸، صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۰۰۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۵۱۵۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳)

حضرت ابوامامہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اس کی اتنی نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص کے پاس کوئی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکا ہو اور وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوگا اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۰ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳۶ ص ۴۸۴، رقم الحدیث ۲۲۱۵۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۲۱۹۰)

رشتہ داروں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث؛

حضرت حکیم بن حزام (رض) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا کہ کس کو صدقہ دینا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس قرابت دار کو جو پہلو تہی کرتا ہو۔

(سنن دارمی رقم الحدیث ۱۶۷۹، مسند احمد رقم الحدیث ۱۴۸۹۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ام المؤمنین نے اپنی کتاب باندی کو آزادی کیا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر تم یہ باندی اپنے کسی کاموں کو دیتے دیتیں تو تم کو زیادہ اجر ملتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۶۹۰، مسند احمد رقم الحدیث ۲۶۲۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سلیمان بن عامر الفصی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنا دو صدقے ہیں، ایک صدقہ ہے اور ایک صلہ رحم ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث ۲۵۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث)

حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) کی بیوی حضرت زینب (رض) بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سوال کیا کہ کیا ان کے لیے یہ صدقہ کافی ہوگا کہ وہ اپنے خاوند اور اپنی گود کے بچوں کو صدقہ دے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمہیں دو اجر ملیں گے، ایک اجر صدقہ کا ہوگا اور ایک اجر قرابت داری کا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۴۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۰۰، سنن نسائی رقم الحدیث ۲۵۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث العربی،)

فرمایا: مٹی میں پڑے مسکین کو۔

خاک نشین کا مصداق؛

خاک نشین سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، حتیٰ کہ فقیری کی وجہ سے وہ مٹی سے آلود ہے اور سوائے خاک اور مٹی کے

اس کا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جو راستہ (فٹ پاتھ) پر پڑا ہو اور اس کا کوئی گھر نہ ہو، مجاہد نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو اپنے جسم اور لباس کو مٹی سے نہ بچا سکے، قتادہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عیال دار ہو، عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ مقروض ہو، ابوسنان نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ اپاچ ہو، ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے: جس کو دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۶۲ ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

أَلَمْ نَجْعَلْ (أَلَمْ نَجْعَلْ) ا، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ نَجْعَلْ، فعل مضارع منی جہد بلم جمع متکلم بَجَلْ بَجَلْ، مصدر بَجَلًا، بَنَانًا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، ہم نے نہیں بنائیں (کیا ہم نے نہیں بنائیں) لَمْ (لَمْ - لَمْ) حرف جار، کیلئے، وَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) عَیْنِینِ، تثنیہ (دو آنکھیں) واحد، عَیْنِیْنِ، وَ، حرف عطف (اور) لَنَانَا (ایک زبان) جمع، أَلَسْنِیْہِ، وَ، حرف عطف (اور) شَفَتَیْنِ، تثنیہ (دو ہونٹ) واحد، شَفَتِہِ، وَ، حرف عطف (اور) ہَدَیْنِہِ (ہدایت) فعل ماضی جمع متکلم حَذَیْ نَحْدِیْ، مصدر حَذَیْنِہِ، ہدایت وینا، نشان دی کرنا، رہنمائی کرنا، دکھانا، ہم نے دکھادیئے، وَ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (ہم نے اسے دکھادیئے) اَلْتَّوْبَتِیْنِ، تثنیہ (دونوں راستے) یعنی نیکی اور بدی کے راستے، واحد، اَلْتَّوْبَتِیْنِ، قَدْ اَلْتَّوْبَتِیْنِ (ف - لَمْ - اَلْتَّوْبَتِیْنِ) ف، حرف عطف، پس، کاء نافیہ ہے، نہیں، اَلْتَّوْبَتِیْنِ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَلْتَّوْبَتِیْنِ، مصدر اَلْتَّوْبَتِیْنِ، بغیر دیکھے بھالے اپنے آپ کو کسی شے میں جھونک دینا، گھسنا، داخل ہونا، وہ داخل ہوا (پس نہیں وہ داخل ہوا) اَلْتَّوْبَتِیْنِ، پہاڑ پر چڑھائی کا دشوار گزار راستہ (دشوار گزار گھاٹی) وَ، حرف عطف (اور) نَا، استفہامیہ بمعنی، اُنْی شَئْہِ (کس چیز) اَذْزَیْکَ (اَذْزَیْ - ک) اَذْزَیْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَذْزَیْ یَذْزِیْ، مصدر اَذْزَیْ، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) نَا، استفہامیہ (کیا) اَلْتَّوْبَتِیْنِ (دشوار گزار گھاٹی) کَلْتَ زَیْنِیْہِ، کَلْتَ، مضاف، مصدر ہے، چھڑانا، آزاد کرنا، زَیْنِیْہِ، مضاف الیہ، اصل معنی گردن کے ہیں، غلام اور باندی کیلئے بھی بولا جاتا ہے، گردن، غلام، لونڈی (گردن کا چھڑانا) اَو، حرف عطف (یا) اَطْلَمَ، مصدر ہے (کھانا کھانا زَیْنِیْہِ، لَوْسَہِ، حرف جار، میں، لَوْسَہِ، مجرور، ظرف زمان، دن (دن میں) زَیْنِیْہِ، مضاف، والے، مَسْجُودِہِ، مضاف الیہ، اسم مصدر، بھوکا ہونا، بھوک (بھوک والے) یَتِیْمِہِ (کسی یتیم کو) زَا مَکْرِبِہِ، زَا، مضاف، والا، مَکْرِبِہِ، مضاف الیہ، مصدر میمی، قرابت (قرابت والے) اَو، حرف عطف (یا) مَسْکِیْنِہِ (کسی مسکین کو) زَا مَکْرِبِہِ، زَا، مضاف، والے، تَشِیْنِ، مضاف الیہ، اسم، سخت ناداری، ایسی مفلسی جو زمین سے چٹا رہے، تراب، مٹی، خاک (مٹی والے، خاک کشیں)۔

آیت ۷۱ تا ۲۰

لَمْ يَكُنْ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (۱۷) أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ (۱۸) وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَأْتِيَانَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ (۱۹) عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ (۲۰)

ترجمہ:

پھر (یہ کہ) ہو وہ ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی۔ (۱۷) یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ (۱۸) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں ہاتھ والے ہیں۔ (۱۹) ان پر (ہر طرف سے) آگ بند کی ہوئی ہوگی۔ (۲۰)

تفسیر:

فرمایا: پھر (یہ کہ) ہو وہ ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی، الخ

مؤمنین صالحین کے لیے بشارت اور کفار کے لیے مذاب کی وعید:

یعنی جو لوگ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھیں گے اور نفس کے ناجائز تقاضوں سے جنگ اور جہاد کریں، ان کا یہ جہاد اس وقت قابل تحسین اور لائق اجر ہوگا، جب وہ مؤمن ہوں اور اگر وہ ایمان نہیں لائے تو ان کا یہ سارا جہاد رائیگاں جائے گا۔

حضرت عائشہ (رض) نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا، قیدیوں کو چھڑاتا تھا اور غلاموں کو آزاد کرتا تھا اور اللہ کی راہ میں لوگوں کو اونٹوں پر سوار کرتا تھا، کیا ان اعمال سے اس کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۱۴)

نیز فرمایا: انھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی۔

یعنی وہ ایک دوسرے کو ایمان کی راہ میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی نصیحت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو ہر امتحان میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور گناہوں سے ہمیشہ اجتناب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ وہ مظلوم اور فقیر پر رحم کریں یا جو شخص برے کام کر رہا ہو، اس کو برائی سے روکیں کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں رحم کرنا ہے اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو نیکی کا راستہ دکھائے اور اس کو ہدی کے راستہ پر چلنے سے روکے۔

اور جو مؤمنین اس دشوار گھاٹی پر چڑھے اور جنہوں نے ہر زمانہ میں صبر کیا اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کی، اس گروہ کے سرخیل اکابر صحابہ مثلاً خلفاء راشدین اور ان کے موافقین اور بعد کے اختیار تابعین ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبر کی وصیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور رحم کی وصیت سے مراد مخلوق پر شفقت ہے اور اسلام کے تمام احکام کا مدد اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق کی شفقت پر ہے۔

فرمایا: وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیں۔

”اصحاب الیمینہ“ کی تفسیر:

یمین بمعنی دایاں ہاتھ بھی اور دائیں جانب بھی۔ اس لحاظ سے اس کے معنی یہ ہوئے کہ جن لوگوں کو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور قیامت کے دن انھیں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔ جب رسول اللہ کو شب معراج میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے پہلے آسمان پر سیدنا آدم (علیہ السلام) کو دیکھا کہ وہ جب اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں

تو ہنس دیتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ سیدنا جبرائیل نے آپ کو بتایا کہ سیدنا آدم کی دائیں جانب وہ لوگ تھے جو جنت میں داخل ہونے والے ہیں اور بائیں طرف وہ لوگ تھے جو جہنم میں داخل ہوں گے، اس سے بھی اصحاب الیمین سے مراد اہل جنت ہوئے۔ اور اگر یمین کو یمین سے مشتق سمجھا جائے جو برکت اور خوش بختی کے معنوں میں آتا ہے تو اس سے مراد خوش بخت اور خیر و برکت والے اصحاب ہیں اور مطلب دونوں معنوں کے لحاظ سے ایک ہی ہے۔

فرمایا: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا، وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں۔

اصحاب الہشمہ کی تفسیر:

شمال بمعنی بایاں ہاتھ بھی، بائیں جانب بھی اور بد بخت بھی۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا انھیں اللہ کی بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا۔ اور یہ بد بخت اہل دوزخ ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا: ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی۔

اس آیت میں ”مؤصدة“ کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور کسی دروازے کو کھلا نہیں جائے گا، نہ دوزخ سے ان کا کوئی غم باہر نکلے گا اور نہ باہر سے کوئی خوشی دوزخ کے اندر داخل ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کا مکمل احاطہ کر لے گی۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

نم، حرف عطف (پھر) کان، فعل ناقص ماضی واحد مذکر عائیکان یؤمن، مصدر توع، ہونا (وہ ہو) من المؤمنین (مین۔ المؤمنین) من، حرف جار، سے، المؤمنین، مجرور، اسم موصول جمع مذکر، وہ لوگ جو (ان لوگوں میں سے جو) استواء، فعل ماضی جمع مذکر عاقب المن یؤمن، مصدر لتعنا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) و، حرف عطف (اور) تواضوا، فعل ماضی جمع مذکر عاقب تواطی یواطی، مصدر تواصی، باہم وصیت کرنا، ایک دوسرے کو وصیت کرنا، تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی) بالغبیر (ب۔ الغبیر) پ، حرف جار، کی، الغبیر، مجرور، صبر (صبر کی) و، حرف عطف (اور) تواضوا، فعل ماضی جمع مذکر عاقب تواطی یواطی، مصدر تواصی، باہم وصیت کرنا، ایک دوسرے کو نصیحت کرنا، تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی) بالمرحمة (ب۔ المرحمة) پ، حرف جار، کی، المرحمة، مجرور، رحمہم رحم، کا مصدر، رحم کرنا، مہربانی کرنا (رحم کرنے کی) اولیک، اسم اشارہ جمع مذکر بعید، وہی لوگ، ضرور کا ترجمہ (یہی لوگ) ائیلہ المیمتہ (ائیلہ۔ المیمتہ) مضاف، والے، ساتھی، اصحاب، واحد، صاحب، ائیلہ، مضاف الیہ، دائیں ہاتھ، دائیں سمت (دائیں ہاتھ والے) کفروا، فعل ماضی جمع مذکر عائیکفروا، مصدر کفر کرنا، انکار کرنا بالیثنا (ب۔ الیثنا۔ نا) پ، حرف جار، کا، الیثنا، مجرور، مضاف، آیات، واحد، ایثنا، نا، مضاف الیہ، ضمیر جمع متکلم، ہماری (ہماری آیات کا) نم، ضمیر جمع مذکر عاقب (وہ) ائیلہ المیمتہ (ائیلہ۔ المیمتہ) مضاف، والے، ساتھی، اصحاب، واحد، صاحب، ائیلہ، مضاف الیہ، اسم، بائیں ہاتھ، بائیں جانب (بائیں ہاتھ (نحست) والے) علیہم (علی۔ ہم) غلی، حرف جار، پر، ہم، مجرور، ضمیر جمع مذکر عاقب، نا، مؤنصدة، صفت، ایضا، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث، بند کی ہوئی (بند کی ہوئی آگ)

(الحمد للہ سورہ بلد مکمل ہو گئی)

[سورة الشمس]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آیت ۱ تا ۱۰

وَالشَّمْسُ وَنُجُجَهَا (۱) وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا (۲) وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا (۳) وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا (۴) وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا (۵) وَالْأَرْضُ وَمَا طَحَاهَا (۶) وَنَفْسٌ وَمَا سَوَّاهَا (۷) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (۸) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (۹) وَقَدْ خَابَ مَنْ كَسَاهَا (۱۰)

ترجمہ:

قسم ہے سورج کی! اور اس کی دھوپ کی! (۱) اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے! (۲) اور دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کر دے! (۳) اور رات کی جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لے! (۴) اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا! (۵) اور زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا! (۶) اور نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا! (۷) پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی۔ (۸) یقیناً وہ کامیاب ہو گیا جس نے اسے پاک کر لیا۔ (۹) اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوگا (۱۰)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الشمس ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں شمس کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس سے پہلے پچیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا جیسوواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور پندرہ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ ”وهدیناہ النجدين“۔ یعنی انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے خیر کا راستہ بھی اور شر کا بھی ہدایت بھی اور گمراہی بھی اور اس پر تاکید و ترغیب دی گئی کہ انسان سعادت اور نجات کی گھاٹی اختیار کر لے، تو اس مناسبت سے اب اس سورۃ الشمس میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے خیر و شر ہر دو کی استعداد رکھتا ہے اور یہ کہ نفس انسانی جب ان دونوں صلاحیتوں کا حامل ہے تو ضروری ہے کہ اس نفس کو عملی راستہ پر ڈالنے اور چلانے والی طاقت یعنی اس کی عقل خیر کی طرف اس کا رخ کرے اس کو ہر گندگی سے پاک رکھتے ہوئے فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچ جائے، اس کے برعکس اگر انسان کی قوت مائلہ گمراہی کی ظلمتوں سے اندھی ہو کر شر کا راستہ اختیار کر لے تو اس کا انجام نفس انسانی کو گندگی میں آلودہ کرنا، اور سعادت و فلاح سے محروم کر کے نفس کو ہلاکت و تباہی میں ڈالنا ہوگا۔

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے سورج کی! اور اس کی دھوپ کی، الخ

قسم اور جواب قسم؛

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی ہے: (۱) سورج (۲) چاند (۳) دن (۴) رات (۵) آسمان (۶) زمین (۷) نفس انسان، اور ان سات چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا: جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا، سو یہ اس سورت کی قسم اور جواب قسم کی تفصیل ہے،

سورج کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں، برکتیں اور نشانیاں؛

فرمایا: سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی۔

اس آیت میں ”ضحیٰ“ کا لفظ ہے، مفسرین نے کہا ہے: اس سے مراد سورج کی روشنی اور اس کی حرارت ہے، اللہ تعالیٰ نے سورج میں ایسے اثرات رکھے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی لطیف حکمتوں اور اس کی تدبیر کی باریکیوں اور برکتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں پر دلالت کرتے ہیں۔

سورج میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے عجیب مصلحت میں سے یہ ہے کہ سورج کا نور سائے کو ختم کر دیتا ہے اور چاند کے نور سے چھپ جاتا ہے اور ستارے نظر نہیں آتے اور ہوا میں سورج کے نور کے چمکیلے ذرات غبار کی صورت میں نظر آتے ہیں، سورج کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہے کیونکہ سورج کا ایک مخصوص جسم ہے، اور وہ ایک خاص جگہ سے اور خاص وقت میں طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور اس کے اس نظام میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، پس ضروری ہوا کہ سورج کو اس مخصوص جسامت میں رکھنے کے لیے اور اس مخصوص نظام کا پابند کرنے کے لیے کوئی خالق ہو اور وہ خالق واجب اور قدیم ہو، ورنہ پھر اس کا بھی کوئی خالق ہو گا اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہو گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالق واحد ہو، ورنہ اس کے طلوع اور غروب اور اس کی مخصوص حرکت کے نظام میں یکسانیت نہیں ہوگی اور اس کے نظام کی وحدت، اس پر دلیل ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

فرمایا: اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے آئے۔

چاند کن چیزوں میں سورج کے تابع ہے؟

اس آیت میں ”تلاھا“ کا لفظ ہے، ”تلاھا تلوا“ کا معنی ہے: ایک چیز کا دوسری چیز کے تابع ہونا اور چاند، سورج کے حسب ذیل امور میں تابع ہے:

(۱) مہینہ کے نصف اول میں سورج کے غروب ہونے کے بعد چاند طلوع ہوتا ہے اور اپنی روشنی میں سورج کے تابع ہوتا ہے۔

(۲) سورج جب غروب ہو جاتا ہے تو پہلی رات کا چاند سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد نظر آتا ہے۔

(۳) چاند کے تابع ہونے کا یہ معنی ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔

(۴) چودھویں رات کو جب چاند پور نظر آتا ہے تو اس وقت وہ روشن ہونے میں سورج کے قائم مقام ہوتا ہے۔

(۵) سورج کے جو منافع ذکر کیے گئے ہیں وہ چاند میں بھی موجود ہیں، غذا سورج سے پکتی ہے اور اس میں ذائقہ چاند کی کرنوں سے آتا ہے۔

(۶) سورج اور چاند کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں کا خالق واحد ہے، کیونکہ اگر ان کے خالق متعدد ہوتے تو ان کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل نہ ہوتے بلکہ ہر خالق صرف اپنی مخلوق کو ان کے فوائد پہنچاتا۔ فرمایا: اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرے۔

دن کن چیزوں کو ظاہر کرتا ہے:

اس آیت میں ”جداھا“ کا لفظ ہے، یہ ”تجلیتہ“ سے بنا ہے، اس کا معنی کشف اور اظہار ہے، زجاج نے کہا: اس کی ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اور اس کا معنی ہے: جب دن نے سورج کو ظاہر کر دیا، دن سورج کی روشنی کو کہتے ہیں پس جب دن زیادہ روشن ہوگا تو سورج زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ اثر کی قوت موثر کی قوت کو ظاہر کرتی ہے، لہذا دن سورج کو ظاہر کرتا ہے اور جمہور نے کہا: یہ ضمیر دنیا یا زمین کی طرف راجع ہے، اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے اور اس کا معنی ہے: دن نے دنیا کو یا زمین کو ظاہر کر دیا۔ (تفسیر گبیرج ۸ ص ۱۷۵)

امام ابو منصور ماتریدی نے کہا: اس آیت کے کئی محمل ہیں: دن نے دنیا کو ظاہر کر دیا، دن نے زمین کو ظاہر کر دیا، دن نے سورج کو ظاہر کر دیا، رات کی ظلمت کو جس چیزوں کو چھپا لیا تھا، دن کے نور نے آنکھوں کے ذریعہ ان چیزوں کو ظاہر کر دیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۶۳)

فرمایا: اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائے۔

رات اور دن کی سلطنت کا سورج اور چاند سے زیادہ ہونا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ رات دنیا کو چھپا لیتی ہے، یا روئے زمین کو چھپا لیتی ہے یا سورج کو چھپا لیتی ہے یا اپنی ظلمت سے مخلوق کو آنکھوں سے چھپا لیتی ہے، سورج اور چاند کی بہ نسبت رات اور دن کے تو اورد میں زیادہ سلطنت اور زیادہ تصرف ہے، کیونکہ رات اور دن کے تعاقب اور آنے جانے سے مدتیں پوری ہوتی ہیں اور عمریں تمام ہوتی ہیں اور کوئی شخص اپنے آپ کو ان کی زد سے بچا نہیں سکتا، سورج کی حدت اور تیز روشنی کی زد سے انسان خود کو بچا سکتا ہے کہ وہ ایسے حجاب میں چل جائے جہاں سے سورج نظر نہ آئے، اسی طرح اگر کسی انسان کو چاند کو روشنی اچھی نہ لگے تو وہ کسی اوٹ میں رہ کر چاند سے چھپ سکتا ہے لیکن دن اور رات کی گردش کی زد سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

دن کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں جب خوب روشنی پھیل جاتی ہے تو انسان اور حیوان سب اپنے معاش اور روزی کے حصول کے

لیے نکلتے ہیں اور جدوجہد کرتے ہیں اور رات کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں کی ہوئی جدوجہد سے اعصاب تھک جاتے ہیں تو رات کی نیند اس تھکاوٹ کو اتارتی ہے۔

الشَّمْسُ ۵: میں فرمایا: اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایا۔

”وما بناھا“ میں ”ما“ سے مراد؟

زجاج نے کہا: اس آیت میں لفظ ”ما“ ”الذی“ کے معنی میں ہے، ہر چند کہ ”ما“ کی وضع غیر ذوی العقول کے لیے ہے لیکن کبھی اس کا مجازاً استعمال ذوی العقول کے لیے بھی ہوتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ”ما“، ”من“ کے معنی میں ہے اور دونوں تاویلوں کے اعتبار سے یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، پہلی تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے، سورج، چاند، دن، رات اور آسمان بنانے والے کی قسم! اور دوسری تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے: اور آسمان کی قسم اور جس نے اس کو بنایا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۶۵)

اس آیت میں لفظ ”ما“ ”من“ کے معنی میں ہے، رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ ”ما“ کو کیوں استعمال فرمایا اور لفظ ”من“ کو کیوں استعمال نہیں فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ عزوجل لفظ ”من“ استعمال فرماتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہوتی یعنی آسمان کی قسم اور جس ذات نے آسمان کو بنایا اور لفظ ”ما“ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرف اشارہ ہے، یعنی آسمان کی قسم! اور اس عظیم چیز کی قسم جو اس آسمان کو بنانے پر قادر ہے۔ فرمایا: اور زمین کی قسم اور جس نے اس کو پھیلایا۔

اس آیت میں ”طحا“ کا لفظ ہے، یہ ”الطحو“ سے بنا ہے، اور یہ ”الدحو“ کی مثل ہے، اس کا معنی بھی پھیلانا ہے، جیسے اس آیت میں فرمایا:

وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ وَطْحًا (النازعات ۳۰) اور آسمان کو بنانے کے بعد زمین کو پھیلایا۔

یعنی زمین کا مادہ پہلے بنایا، پھر آسمانوں کو بنایا اور ان کو ہم وار کیا، اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔ فرمایا: اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایا۔

نفس انسان کی قسم سے مراد؟

اس سے پہلے مفرد چیزوں کی قسم کھائی تھی، جیسے سورج، چاند، آسمان اور زمین اور اب اس چیز کی قسم کھاتی جو عناصرِ اربعہ سے مرکب ہے اور وہ نفس انسان ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفس سے مراد انسان کا جسم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفس سے مراد نفسِ ناطقہ یا قوتِ مدبرہ ہو، اگر اس سے مراد انسان کا جسم ہے تو اس کو درست بنانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء کو معتدل اور متوسط بنایا اور ہر عضو کو اس کی مناسب جگہ رکھا، مثلاً دماغ جو پورے جسم کا حاکم ہے، اس کو سر میں رکھا، جو جسم میں سب سے اوپر ہے اور دل جس پر حیات کا مدار ہوتا ہے اس کو جسم کے وسط اور سینہ میں رکھا، اور بول و براز کو مثانہ

اور بڑی عزت میں رکھا جو پیٹ کے نچلے حصہ میں ہے اور یہ بہت حکیمانہ تدبیر ہے۔

اس آیت میں نفس کو تکرہ ذکر کیا ہے، اس کے دو مطلب ہیں یا تو اس سے نفس کامل مراد ہے یا عام نفس مراد ہے، اگر نفس کامل مراد ہے تو وہ نفس قدسیہ نبویہ ہے، کیونکہ ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور وہ فرد واحد ان کثیر کارئیس ہوتا ہے اور عناصر مرکبہ کے تحت کئی انوار میں اور اقسام میں اور ان کارئیس حیوان ہے اور حیوان کا تحت کئی انواع ہیں اور ان کارئیس انسان ہے اور انسان کے بہت افراد ہیں اور ان کارئیس نبی ہے اور نبی کے ایک ساکھ چوبیس ہزار افراد ہیں اور ان کے رئیس نبی الانبیاء سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے مفردات اور عناصر کی قسم کھانے کے بعد مقصود کائنات اور خلاصہ موجودات، فخر آدم و بنی آدم سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قسم کھائی ہے۔

نفس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے عام نفس مراد ہو اور اس سے مراد نفس انسان ہے، کیونکہ تمام نفوس میں انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور نفس انسان کے عموم کی مراد ہونے پر یہ آیت قرینہ ہے:

عَلِمْتَ نَفْسٌ تَاْخُضَّرُثَ۔ (المکویہ: ۱۴) اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہے۔

فرمایا: پھر اس (نفس) کو اس کے برے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا۔

”الہام کا معنی:

اس آیت میں ”الہام“ کا لفظ ہے، اس کا اصل معنی ابلاغ اور پہنچانا ہے، اور عرف میں اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو بندے کے دل میں ڈالنا، یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ فلاں فلاں کام برا ہے اور اس کے دل میں یہ بھی ڈال دیا کہ ان برے کاموں سے بچنے کا طریقہ کیا ہے اور یہی ”النجو ر“ اور ”الطغوی“ کا معنی ہے اور اس آیت کی نظریہ آیت ہے: وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ (البلد: ۱۰) ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیے۔

حضرت ابن عباس سے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں ایک استعداد رکھی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ بھلے برے کی تمیز کرتا ہے۔ جیسا کہ دنیا کی چیزوں کے متعلق عام مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات نیم پاگل لوگ بھی اپنے فائدے کے ہر بات سمجھتے ہیں اور ہر فیصلہ اپنے حق میں کرتے ہیں۔ عام انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ الہام فرمایا ہے کہ وہ خیر و شر کو سمجھ سکے تاکہ جبریہ کی طرح بے عقل لوگ یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ انسان تو مجبور محض تھا، ہذا اس کو کسی گناہ اور جرم پر سزا نہیں ہونی چاہیے۔

ایک صحابی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا تھا کہ انسان جو عمل کرتے ہیں یہ تقدیر کے طے شدہ فیصلہ کی روشنی میں کرتے ہیں یا یہ ہے کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اب لکھا جاتا ہے اور پہلے سے کچھ نہیں ہے؟ حضور نے فرمایا تقدیر کے طے شدہ فیصلہ کے مطابق ہی لوگ عمل کرتے ہیں۔ اس نے پھر عرض کیا کہ پھر ہمارے عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ (یعنی جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، ہونا تو وہی ہے تو پھر ہم عمل کریں یا نہ کریں بظاہر تو اس پر فلاح و خسران موقوف نہیں ہیں)۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو (جنت جہنم میں سے) جس جگہ کے لیے پیدا فرمایا ہے اس کے لیے اس طرف چلنا آسان فرمادیتے ہیں (ابن کثیر)

فرمایا: جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا۔

”تزکیہ“ اور ”دساھا“ کا معنی:

زکوٰۃ کا اصل معنی ہے: نمو اور زیادتی، جب کھیت لہلہا نے لگتا ہے تو کہتے ہیں: ”زکا الزرع“ اور زکوٰۃ کا معنی ہے، تطہیر اور پاک کرنا، سو جو شخص گناہوں سے مجتنب رہا اور اس نے نیک کام کر کے اپنے صغائر معاف کرا لیے اور توبہ کر کے اپنے کبائر معاف کرا لیے، اس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اس کا تزکیہ کر لیا۔

دوسری آیت میں ”دساھا“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپانا، کسی چیز کو زمین میں دفن کر دینا، چھپانا، گم نام کر دینا۔

ان سات قسموں کے بعد جواب قسم میں فرمایا قد افلح من زکھا وقد غاب من دساھا، یعنی بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ تزکیہ کے اصلی معنی باطنی پاکی کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کر لیا اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا لفظ دی، دس سے مشتق ہے جس کے معنی زمین میں دفن کر دینے کے ہیں کما قال تعالیٰ ام یدسن فی التراب اور بعض مفسرین نے یہاں زکی اور دی دونوں میں ضمیر فاعل اللہ کی طرف راجع کر کے معنی یہ کئے ہیں کہ بامراد ہوا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا، اور نامراد و محروم ہوا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں دھنسا دیا اس آیت نے کل انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ایک بامراد اور دوسرا نامراد۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

وَالنَّفْسِ (وَالنَّفْسِ) ؕ، حرف جار، قسمیہ، قسم، النفس، مجرور، مقسم بہ، سورج، (سورج کی قسم) ؕ، حرف عطف (اور) ضمیر (ہا) ضمی، مضاف، دن چڑھے، دھوپ کا پھیلنا، روشن ہونا، دھوپ، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، النفس، ہے، (اس کی دھوپ) وَالْقَمَرِ (وَالْقَمَرِ) ؕ، حرف جار، قسمیہ، قسم، القمر، مجرور، مقسم بہ، چاند (اور چاند کی) (قسم) ؕ، حرف عطف، (اور) طرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) تَلَّیْنَا (تَلَّیْنَا) ؕ، تَلَّی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَلَّی تَلَّوْا تَلَّوْا، پیچھے آنا، پیچھے پیچھے چلنا، ؕ، حرف جار، ترجمہ، وہ پیچھے آتا ہے، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع ”النفس“ ہے (وہ اس (سورج) کے پیچھے آتا ہے) وَالنَّجْمِ (وَالنَّجْمِ) ؕ، حرف جار، قسمیہ، قسم، النجم، مجرور، مقسم بہ، دن (اور دن کی) (قسم) ؕ، حرف عطف، (اور) طرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) تَلَّیْنَا (تَلَّیْنَا) ؕ، تَلَّی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَلَّی تَلَّوْا تَلَّوْا، چکانا، چکانا، ؕ، حرف جار، ترجمہ، وہ ظاہر کرتا ہے، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کو (وہ اس (سورج) کو ظاہر کرتا ہے) وَالْأَيْلِ (وَالْأَيْلِ) ؕ، حرف جار، قسمیہ، قسم، ایل، مجرور، مقسم بہ، رات (اور رات کی) (قسم) ؕ، حرف عطف، (اور) طرف زمان مستقبل بمعنی شرط، وقت کو ظاہر کرتا ہے (جب) تَلَّیْنَا (تَلَّیْنَا) ؕ، فعل مضارع

واحد مذکر غائب غُشٍّ، مصدر غُشٍّ، ڈھانپ لینا، وہ ڈھانپ لیتی ہے، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کو، ضمیر کا مرجع النفس ہے (وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لیتی ہے) وَالشَّمَاوُ (وُ- الشَّمَاوُ) و، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، الشَّمَاوُ، مجرد، مقسم بہ، آسمان، (اور آسمان کی (قسم)) و، حرف عطف (اور) نا، اسم موصول (اس کی جس نے) بَنِيَا (بَنِي- ہا) بَنِي، فعل ماضی واحد مذکر غائب بَنِي بَنِي، مصدر بَنِيَا، بنانا، اس نے بنایا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع الشَّمَاوُ ہے (اس نے اسے بنایا) وَالْأَرْضُ (وُ- الْأَرْضُ) و، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، الْأَرْضُ، مجرد، مقسم بہ، زمین، (اور زمین کی (قسم)) و، حرف عطف (اور) نا، اسم موصول (اس کی جس نے) طَلِيَا (طَلِي- ہا) طَلِي، فعل ماضی واحد مذکر غائب طَلِي طَلِي، مصدر طَلِيَا، پھیلانا، بچھانا، اس نے بچھایا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع الْأَرْضُ ہے (اس نے اسے بچھایا) وَنَفْسٍ (وُ- نَفْسٍ) و، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، نَفْسٍ، مجرد، مقسم بہ، نفس (اور نفس کی (قسم)) و، حرف عطف (اور) نا، اسم موصول (اس کی جس نے) سَوَّيَا (سَوَّي- ہا) سَوَّي، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوَّي سَوَّي، مصدر سَوَّيَا، سنوارنا، درست بنانا، مکمل کرنا، ٹھیک کرنا، برابر یا ہموار کرنا، اس نے درست بنایا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ ہے (اس نے اسے درست بنایا) فَالْأَنفِ (ف- الْأَنفِ- ہا) ف، حرف عطف، پھر، الْأَنفِ، فعل ماضی واحد مذکر غائب الْأَنفِ يَلْعَمُ، مصدر الْأَنفِ، الہام کرنا، دل میں ڈالنا، اس نے دل میں ڈال دی، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ ہے (پھر اس نے اس کے دل میں ڈال دی) فُجِّرَ (فُجِّر- ہا) فُجِّرَ، مضاف، مصدر ہے، فُجِّرَ فُجِّرَ، کا، نافرمانی کرنا، علی الاعلان سناہ کرنا، روگردانی کرنا، شریعت سے نافرمانی، نافرمانی، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ ہے (اس کی نافرمانی) و، حرف عطف (اور) تَقَوَّيَا (تَقَوَّي- ہا) تَقَوَّي، مضاف، تَقَوَّيَا، مصدر سے اسم ہے، پرہیزگاری، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ ہے (اس کی پرہیزگاری) قَدْ، حرف تحقیق (یقیناً) قَدْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَدْ يَلْعَمُ، مصدر قَدْ يَلْعَمُ، کامیاب ہونا (وہ کامیاب ہو گیا) مَنْ، اسم موصول (جس نے) تَشَيَّيَا (تَشَي- ہا) تَشَي، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَشَي يَتَرَكِي، مصدر تَشَيَّيَا، پاک کرنا، اس نے پاک کر لیا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کو، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ ہے (اس نے اس (نفس) کو پاک کر لیا) و، حرف عطف (اور) قَدْ، حرف تحقیق (یقیناً) غَابَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب غَابَ يَخْتَبِئُ، مصدر غَابَ يَخْتَبِئُ، مایوس ہونا، نامراد ہونا، ناکام ہونا (وہ ناکام ہو گیا) مَنْ، اسم موصول (جس نے) وَشَيَّيَا (وَشَي- ہا) وَشَي، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَشَي يَتَرَكِي، مصدر وَشَيَّيَا، خاک میں ملا دینا، اس نے خاک میں ملا دیا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ ہے (اس نے اسے خاک میں ملا دیا)

آیت ۱۱ تا ۱۵

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا (۱) إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا (۲) فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا (۳) فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَلَمْ يَذُكَّرْ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ يَذُنُّهُمْ فَنَسُواهَا (۴) وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا (۵)

ترجمہ:-

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔ (۱) جب اس کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا۔ (۱۲) تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری (کانیال رکھو)۔ (۱۳) تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا، پس اس (اونٹنی) کی کوئی نہیں کاٹ دیں، تو ان کے رب نے انھیں ان کے گناہ کی وجہ سے پیس کر ہلاک کر دیا، پھر اس (بستی) کو برابر کر دیا۔ (۱۴) اور وہ اس (سزا) کے انجام سے نہیں ڈرتا۔ (۱۵)

تفسیر:

فرمایا: (قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلادیا۔ اُلح

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح (علیہ السلام) مبعوث فرمائے گئے۔ صالح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو وہی فرمایا جو ان سے پہلے انبیاء کرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا اور بار بار سمجھایا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسوں ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو امانت میرے ذمہ لگائی ہے اسے نہایت ذمہ داری اور دیانتداری کے ساتھ تم تک پہنچا رہا ہوں اور تم میری امانت و دیانت سے واقف ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول ہونے کی حیثیت سے میری تابعداری کرو، میں اپنی تابعداری اور نبوت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں، میرا صلہ میرے رب کے ذمہ ہے۔ میں تمہیں اس بات سے متنبہ کرتا ہوں کہ جس فکر و عمل کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا یہ امن اور سلامتی کا راستہ نہیں اگر تم تائب نہ ہوئے تو یاد رکھو۔ لہلہاتے ہوئے باغ، بہتے ہوئے چشمے، سبز و شاداب کھیتیاں، کھجوروں سے لدے ہوئے باغ، پہاڑوں کو تراش تراش کر بنائے ہوئے محلات تمہیں رب ذو الجلال کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر میری اطاعت کرو۔ قوم ثمود کو اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔

اصحاب الحجر سے مراد وہ قوم اور علاقہ ہے جو مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود ٹیکنا لوجی اور تعمیرات کے معاملے میں اس قدر ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور محلات تعمیر کر رکھے تھے تاکہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے قوم کو بار بار سمجھانے کی کوشش کی کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اخلاقی حدود سے تجاوز نہ کرو، تم اصلاح کرنے کی بجائے زمین پر فساد کرنے والے ہو، قوم نے مثبت جواب دینے کی بجائے کہا کہ اے صالح! تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو جس طرح سحر زدہ لوگ کرتے ہیں۔ جس طرح ہم انسان ہیں تو بھی ہمارے جیسا انسان ہے اگر تو دعویٰ نبوت میں سچا ہے تو کوئی معجزہ ہمارے سامنے پیش کر۔ یاد رہے کہ ہمیشہ سے نافرمان لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر اور مصلح نے انہیں سمجھایا تو انھوں نے مصلح پر یہی الزام لگایا اور اعتراض کیا کہ تجھے تو جادو ہو گیا ہے اس لیے دیوانوں جیسی بات کرتا ہے۔ اس کے ساتھ منکرین کا یہ بھی اعتراض ہوتا تھا کہ نبی مانوق الفطرت ہستی کو ہونا چاہیے یہ تو ہماری طرح انسان ہیں۔ قوم ثمود نے حضرت صالح پر یہی الزام لگایا اور ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ قوم نے حضرت صالح (علیہ السلام) سے یہ معجزہ طلب کیا کہ ہمارے سامنے اس پہاڑ سے ایک اونٹنی نمودار ہو اور اس کے پیچھے اس کا دودھ پیتا بچہ بھی ہونا چاہیے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) کی تائید میں اور قوم کے مطالبہ کے عین مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ایک پہاڑ سے اونٹنی اور اس کا بچہ نمودار کیا جب اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ قوم کے سامنے آئی تو حضرت صالح (علیہ السلام) نے قوم کو سمجھایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے ایک دن یہ پانی پیا

کرے گی اور دوسرے دن تم اور تمہارے جانور پئیں گے، خبردار! اسے تکلیف دینے کی نیت سے ہاتھ نہ لگانا اگر تم نے اس کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب تمہیں دبوج لے گا۔ لیکن یہ قوم اس قدر بد بخت ہو گئی کہ ان میں سے جو زیادہ بد بخت تھا وہ تیار ہو گیا اس کا نام قدار بن سالف تھا اسی نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔ اسی کے بارے میں فرمان ہے «فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ» (۵۴- القمر: ۲۹) ثمودیوں کی آواز پر یہ آگیا اور اس نے اونٹنی کو مار ڈالا، یہ شخص اس قوم میں ذی عزت تھا شریف تھا ذی نسب تھا قوم کارئیں اور سردار تھا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ {رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اس اونٹنی کا اور اس کے مار ڈالنے والے کا ذکر کیا اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جیسے ابوزمعه تھا اسی جیسے یہ شخص بھی اپنی قوم میں شریف عزیز اور بڑا آدمی تھا}۔ (صحیح بخاری ۴۹۴۲) امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسے تفسیر میں اور امام مسلم رحمہ اللہ جہنم کی صفت میں لائے ہیں اور سنن ترمذی، سنن نسائی میں بھی یہ روایت تفسیر میں ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ {رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تجھے دنیا بھر کے بد بخت ترین دو شخص بتاتا ہوں ایک تو اجیر ثمود جس نے اونٹنی کو مار ڈالا اور دوسرا وہ شخص جو تیری پیشانی پر زخم لگائے گا یہاں تک کہ داڑھی خون سے تر ہو جائے گی}۔ (مسند احمد ۲۶۳: ۲/۴: حسن لغیرہ) اللہ کے رسول صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ”اے قوم اللہ کی اونٹنی کو برائی پہنچانے سے ڈرو، اس کے پانی پینے کے مقرر دن میں ظلم کر کے اسے پانی سے نہرو کو تمہاری اور اس کی باری مقرر ہے۔“ لیکن ان بد بختوں نے پیغمبر علیہ السلام کی نہ مانی جس گناہ کے باعث ان کے دل سخت ہو گئے اور پھر یہ صاف طور پر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور اس اونٹنی کی کوچیں (پائے) کاٹ دیں، جسے اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پتھر کی ایک چٹان سے پیدا کیا تھا جو صالح علیہ السلام کا معجزہ اور اللہ کی قدرت کی کامل نشانی تھی اللہ بھی ان پر غضبناک ہو گیا اور ہلاکت ڈال دی، اور سب پر بادلوں سے عذاب اترا۔ یہ اس لیے کہ اجیر ثمود کے ہاتھ پر اس کی قوم کے چھوٹے بڑوں نے مرد و عورت نے بیعت کر لی تھی اور سب کے مشورے سے اس نے اس اونٹنی کو کاٹا تھا اس لیے عذاب میں بھی سب پکڑے گئے۔ «فَلْيَايُفُ» کو «فَلْيَايُفُ» بھی پڑھا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کسی کو سزا کرے تو اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کا احجام کیا ہوگا؟ کہیں یہ بگڑ نہ بیٹھیں، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس بدکار، اجیر نے اونٹنی کو مار تو ڈالا لیکن احجام سے نہ ڈرا، مگر پہلا قول ہی اولیٰ ہے «وَاللَّهُ اعْلَمُ»۔

ترمیم نحوی و تحقیق مرئی:

کَذَبَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب كَذَبَ يَكْذِبُ، مصدر مَكْذُوبٌ، جھٹلانا (اس نے جھٹلایا) ثَمُودُ (ثمود) بِطَغْوَايَا (پ - طغوى - ہا) پ، حرف جار، سببیہ، کی وجہ سے، طغوى، مجرور، مضاف، طغیانی، مصدر سے اسم، سرکش، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنی (اپنی سرکشی کی وجہ سے) اِذْ، یہ اصل میں، اِذْ، ہے، زیر اگلے لفظ سے ملانے کیلئے دی گئی ہے، ماضی کے واقعہ سے پہلے آتا ہے، ظرف زمان بمعنی، جین (جب) اِذْ بَعَثْتُ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِذْ بَعَثْتُ يَبْعَثُ، مصدر اِذْ بَعَثْتُ، اِثْمُ کھڑا ہونا (وہ اٹھا) اِثْمُیَا (اِثْمُی - ہا) اِثْمُی،

مضاف، شَعَاوَدٌ سے الفعل التفضیل کا صیغہ، سب سے بڑا بد بخت، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا (اس کا سب سے بڑا بد بخت) فَحَال (ف- قَالَ) ف، حرف عطف، تو، قَالَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ یَقُولُ، مصدر قَوَّمَ، کہنا، اس نے کہا (تو اس نے کہا) لَمْ (ل- ہُمْ) ل، حرف جار بمعنی، مین، سے، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب ان (ان سے) رُسُولُ اللہ - رُسُولُ، مضاف، رسول، اللہ، مضاف الیہ، اللہ کے (اللہ کے رسول) نَاقِیَہُ اللہ - نَاقِیَہُ، مضاف، اوٹنی، اللہ، مضاف الیہ، اللہ کی (اللہ کی اوٹنی) و، حرف عطف (اور) سَقِیْنَا (سَقِیْنَا- ہا) سَقِیْنَا، مضاف، سَقِیَ، مصدر سے اسم، پانی پینے کی باری، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع، نَاقِیَہُ، ہے (اس کے پانی پینے کی باری) کَلَّمَ نُوَّہَ (ف- کَلَّمَ نُوَّہَ) ف، حرف عطف، تو، کَلَّمَ نُوَّہَ، فعل ماضی جمع مذکر غائب کَلَّمَ یَكَلِّمُ، مصدر مَکَلَّمَ، جھٹلانا، انہوں نے جھٹلایا، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو انہوں نے اسے جھٹلایا) فَعَکَّرَ ہَا (ف- عَکَّرَ ہَا) ف، حرف عطف، پھر، عَکَّرَ ہَا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَکَّرَ یَعْکِرُ، مصدر عَکَّرَ، کاٹنا، انہوں نے کو نہیں کاٹ دیں، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، نَاقِیَہُ، ہے (پھر انہوں نے اس کی کو نہیں کاٹ دیں) لَمْ یَدْرَمْ عَلَیْہِمْ رَبُّہُمْ بِذَ: بِسْمِ قَسْوِیْنَا ۱۰۴۔ تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر جہاں ڈالی پھر اس نے انہیں (ہلاک کر کے) برابر کر دیا۔ قَدْ یَدْرَمْ (ف- یَدْرَمْ) ف، حرف عطف، تو، یَدْرَمْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَدْرَمْ یَدْرِمُ، مصدر یَدْرِمُ، ہلاکت ڈالنا، جہاں ڈالنا، عذاب نازل کرنا، اس نے جہاں ڈالی (تو اس نے جہاں ڈالی) عَلَیْہِمْ (عَلِی- ہُمْ) عَلِی، حرف جار، پر، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) رَبُّہُمْ (رَبُّ- ہُمْ) رَبُّ، مضاف، رب، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے رب نے) بِذَ: بِسْمِ (پ- ذَ: نِب- ہُمْ) پ، حرف جار سبب، کے سبب، ذَ: نِب، مجرور، مضاف، گناہ، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے گناہ کے سبب) قَسْوِیْنَا (ف- سَوِی- ہَا) ف، حرف عطف، پھر، سَوِی، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوِی سَوِی، مصدر قَسْوِی، برابر کرنا، اس نے برابر کر دیا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع قوم، ثَمُوذُ، ہے، (پھر اس نے انہیں) ہَلَاکَ کر کے) برابر کر دیا) و، حرف عطف (اور) لَیَحْکَافُ، فعل مضارع متنی واحد مذکر غائب لَیَحْکَافُ یَحْکُفُ، مصدر خَوَّفَ، ڈرنا، خوفزدہ ہونا (وہ نہیں ڈرتا) عَقَلْنَا (عَقَلِی- ہَا) عَقَلِی، مضاف، انجام، بدلہ، عاقبت، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع قوم ثمود کو سزا دینے کا فعل ہے۔

(الحمد للہ سورہ الشمس مکمل ہو گئی)

[سورہ الليل]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت احادیث

وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَى (۱) وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى (۲) وَمَا خَلَقَ الذَّکْرَ وَالْأُنْثَى (۳) إِنَّ سَعِیْتُ لَشَقِی (۴) فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى (۵)
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى (۶) فَسَلَّیْتُ لَهُ الْیُسْرَى (۷) وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى (۸) وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى (۹) فَسَلَّیْتُ لَهُ الْیُسْرَى (۱۰) وَمَا
یُغْنِی عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى (۱۱)

ترجمہ:

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے! (۱) اور دن کی جب وہ روشن ہوا! (۲) اور اس کی جو اس نے پیدا کیا نہ اور

مادہ! (۳) بے شک تمہاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔ (۴) پس جس کسی نے (اللہ کے لئے مال) دیا اور تقویٰ اختیار کیا (۵) اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا (۶) تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے (۷) اور رہا وہ شخص جس نے بخل کیا اور بے پردا ہوا۔ (۸) اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا۔ (۹) تو ہم اس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے (۱۰) اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ (گڑھے میں) گرے گا۔ (۱۱)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الیل ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں بیل کا لفظ موجود ہے جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے آٹھ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور اکیس آیات ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں فوز و فلاح اور شقاوت و بد نصیبی کے اسباب پر کلام تھا اور یہ کہ انسانی نفس اگر طہارت و تزکیہ سے آراستہ ہو تو اس پر دنیا کی عزت و سر بلندی اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر نفس کو شہوات کی گندگی میں آلودہ کر لیا جائے تو انسانی شرف سے محرومی کے بعد دنیا کی تباہی اور عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا، اور دنیا میں بڑی سے بڑی طاقتور قوتوں میں اسی شقاوت و بد نصیبی کا شکار ہو کر ہلاک ہوئیں اور تاریخ عالم اس کی گواہی دیتی ہے، تو اب اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کا تقاضا اور اس کا انقسام الی الخیر والی الشریان کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی تاریخی حیثیت سے مکارم اخلاق ایمان و تقویٰ کے ایک عظیم پیکر یعنی سیدنا ابوبکر الصدیق (رض) کی مثال پیش کی جا رہی ہے تاکہ دنیا ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور یہ کہ ہر عمل اخلاص سے کرے۔

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے! (۱) اور دن کی جب وہ روشن ہو! (۲) الخ

رات اور دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلائل:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور اپنی تخلیق کی قسم کھ کر یہ بتایا ہے کہ ہر انسان کو دنیا میں کوشش دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس وجہ سے ہر انسان کا انجام بھی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اللیل ۱: میں اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی، جس میں ہر جاندار اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر آرام کرتا ہے، پھر نیند اس کو ڈھانپ لیتی ہے، جس سے اس کے بدن کو راحت پہنچتی ہے اور لیل ۲: میں اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی کیونکہ جب دن نکلتا ہے تو اس کی روشنی سے ہر وہ چیز منکشف ہو جاتی ہے جس کو رات کے اندھیرے نے چھپا لیا تھا، اور اس میں اور حشرات الارض

اپنے اپنے بلوں سے نکل آتے ہیں، اگر رات ہی مستقل طور پر رہتی تو لوگوں کے لیے معاش کا حصول مشکل ہو جاتا، اور اگر دن ہی مستقل طور پر رہتا تو راحت اور آرام حاصل نہ کر سکتے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا سلسلہ لگا تا رہا جاری رکھا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (الفرقان: ۳)

وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے روانہ کیا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ آيَاتِهِ يُتَىٰ تِلْكَ بِضِيَاطٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ. قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ آيَاتِهِ يُتَىٰ تِلْكَ بِضِيَاطٍ أَفَلَا تَبْصُرُونَ. (القصص: ۱۷، ۱۸)

آپ کہیے: تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے رات کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے دن کی روشنی لاتا، کیا تم نہیں سنتے۔ آپ کہیے: تم پر (بھی) بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے دن کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لاتا، جس میں تم راحت حاصل کرتے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور رات کی قسم جب وہ چھپائے اس کا مفعول نہیں ذکر کیا کہ وہ کس چھپائے، بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ سورج کو چھپائے اور بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ دن کو چھپائے اور بعض نے کہا: وہ اپنی ظلمت سے ہر چیز کو چھپالے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں:

رات اور دن جس کا مخلوق پر بار بار آنا جانا ہوتا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دو عظیم نشانیاں بنایا ہے، ان کو ہر شخص مانتا ہے، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، کسی مذہب کا ماننے والا ہو یا دھریہ ہو۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۶۹)

فرمایا: اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے۔

نر اور مادہ کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید کی نشانی؛

اس آیت میں تمام مخلوق کی قسم ہے، کیونکہ کوئی مخلوق نر اور مادہ سے خارج نہیں ہے، اور رہے محنت تو وہ بھی نر کے ساتھ لاحق ہے، یہ اور بات ہے کہ ہمارے دور میں یہ لوگ زنانہ وضع کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مخصوص پانی (منی) سے پیدا کیا ہے اور ہمیشہ سے انسان اسی طرح پیدا ہو رہے ہیں، اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو ضرور ان کے پیدا کرنے کے طریقہ میں اختلاف ہوتا اور جب صدیوں سے انسان اس طریق واحد سے پیدا ہو رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کا پیدا کرنے والا بھی واحد ہے۔

فرمایا: بیشک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے۔

تمام لوگوں کے اعمال کا برابر ہونا،

اس آیت میں جواب قسم مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات، دن اور نر اور مادہ کی قسم کھا کر فرمایا: اس کے بندوں کے اعمال مختلف ہیں۔ اس آیت میں ”شتی“ کا لفظ ہے، یہ ”شتیت“ کی جمع ہے، جیسے مریض کی جمع ”مرضی“ ہے۔ ”ثنات“ کا معنی اباعد اور افتراق ہے، یعنی تمہارے اعمال ایک دوسرے سے بعید اور مختلف ہیں، بعض لوگوں کے اعمال گم راہی ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ہدایت ہیں، بعض لوگوں کے اعمال ان کو جنت تک پہنچاتے ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ان کو دوزخ میں جھونک دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کے اعمال ایک جیسے نہیں ہیں، جیسا کہ ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے:

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ط (الحشر: ۲۰) دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں۔

افمن كان مومنا لمن كان فاسقا لا يستون۔ (السجده: ۱۸) آیا جو شخص مومن ہے وہ فاسق کی مثل ہو سکتا ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔

كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأْتَتْهُمُ الْمَوْتُ مِنْ أَيْنَ شَاءَتْهُمُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ (الحجاثیہ: ۲۰)

کیا جو لوگ بدکاری کرتے ہیں ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو مومنوں اور نیکو کاروں کی مثل کر دیں گے کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے، یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔

فرمایا: پس جس کسی نے (اللہ کے لئے مال) دیا اور تقویٰ اختیار کیا (۵) اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا (۶) تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کر ا دیں گے (۷) الخ

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اللہ کے احکام پر عمل کیا اور اس کی نافرمانی اور ناشکری کرنے سے ڈر کر اس سے بچتا رہا، جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا اور شرک اور ناشکری کرنے سے بچتا رہا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید یعنی ثواب اور عذاب کی خبر کی تصدیق کی۔ تو ہم اس کے لیے احکام شرعیہ پر عمل کرنا آسان کر دیں گے اور اسلام کی حقانیت کے لیے اس کا سینہ کھول دیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ثواب کی خبر سے بے پروا رہا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کی تکذیب کی۔ تو ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کو اس شخص کے لیے آسان کر دیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت علی (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک جنازہ میں تھے، آپ ایک تنگے سے زمیں کریدنے لگے، پھر فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا جنت میں یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کر لیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لیے اسی عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، سو جو شخص اہل سعادت سے ہے، اس کے لیے اہل

سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت سے ہے، اس کے لیے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے، پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی: ”فَاتَا مَنْ أَعْطَى وَآتَى- وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى- فَسَنِيَّ لَهُ لِلْإِسْرَى-“ (اللیل: ۵۷-۵۸)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۹۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۶۷۸):

اللہ کی راہ میں دینے کے مطلب:

فرمایا ہے: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا۔

اللہ کی راہ میں دینے سے مراد یہ ہے کہ اس نے نیکی کے تمام راستوں میں اپنا مال خرچ کیا، مقروض لوگوں کا قرض ادا کیا، غلاموں کو آزاد کیا، جیسے حضرت ابو بکر صدیق (رض) نے بہت گراں قیمت پر حضرت بلال (رض) کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس نے مال کے حقوق بھی ادا کیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر کے اپنی جان کے حقوق بھی ادا کیے اور فرمایا: وہ اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا، یعنی ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا۔

فرمایا: اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا۔

”حسنی“ کے متعدد مصداق:

اس آیت میں ”حسنی“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: حسن اور خوبی، اچھائی، عمدگی، نیکی اور سچائی۔

اس آیت میں نیک باتوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ”حسنی“ سے مراد ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی تصدیق ہے یعنی جس شخص نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور توحید اور رسالت کی تصدیق کی کیونکہ کفر کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۲) ”حسنی“ سے مراد بدنی عبادات اور مالی عبادات کے فرائض ہیں یعنی جس شخص نے بدنی اور مالی عبادات کے فرائض کو ادا کیا اور احکام شرعیہ کی تصدیق کی۔

(۳) ”حسنی“ سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مال کا عوض اور بدل عطاء فرماتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَا أَتَقْلَقُكُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ج (سبا: ۴۷)

اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، اللہ اس کا پورا بدل عطاء فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو

فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدل عطا فرما اور دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کر دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۴۴۲: صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۱۰:)

اس کی تائید اس آیت میں ہے:

مَقُلُ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَقُلِ حَبَّةٍ آتَبَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَنَابِلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ط (البقرة: ۲۶۱)

جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے اور ہر خوشے میں سودا نے ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے والے کو اس کے خرچ کیے ہوئے مال سے زیادہ بدل عطا فرمایا تو پھر وہ ”حسّی“ ہے۔

(۴) ”حسّی“ سے مراد ثواب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے، ایک قول یہ ہے کہ ”حسّی“ ایسا لفظ ہے جو ہر اچھی خصلت کی گنجائش رکھتا ہے۔

فرمایا: پس عنقریب ہم اس کو آسانی مہیا کریں گے۔

”یسری“ کے مصداق میں متعدد اقوال؛

اس آیت میں ”یسری“ کا لفظ ہے، اور اس کا معنی ہے: آسانی اور سہولت اور یہاں ”یسری“ کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ہم اس کو نیک اعمال کا طریقہ اور اچھے اور عمدہ اور صاف سے متصف ہونا سہولت سے عطا فرمائیں گے۔

(۲) بعض عبادات کو انجام دینے میں بہت مشکل اور دشواری ہوتی ہے لیکن جب انسان کو یہ یقین ہو کہ یہ عبادات اس کو جنت کی طرف سے لے جائیں گی تو اس کے لیے ان مشکل اور کٹھن عبادات کو انجام دینا آسان ہو جاتا ہے۔

(۳) جب انسان کو مال کی ضرورت ہو اور اس کو مال حرام آسانی سے مثلاً رشوت سے مل رہا ہو تو اس کے لیے اس مال حرام سے دامن کش ہونا بہت مشکل ہوتا ہے، اسی طرح جب اس پر شہوت کا غلبہ ہو اور کوئی عورت اس کو حرام کام پر غیب دے رہی ہو تو اس وقت اس حرام کام سے اجتناب کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے، اور جب وہ دشمن سے انتقام لینے کے لیے سخت لے چین ہو اور اس کی موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع آسانی سے میسر ہو، اس وقت اپنے غیظ و غضب پر قابو رکھنا بہت کٹھن ہوتا ہے، لیکن جس مسلمان کے دل میں خوف خدا اور تقویٰ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ان حرام کاموں کو آسان فرما دیتا ہے۔

فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروا رہا۔ اور نیک باتوں کی تکذیب کی۔ پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے۔

وہ شخص جو اپنے نفس اور مال میں بخل اختیار کرتا ہے اور اللہ کریم سے بے نیازی اختیار کرتا ہے، اور اس کی ہدایات سے غافل ہوتا ہے اور اللہ کے دین اور اس کی دعوت کی تکذیب کرتا ہے، تو وہ اپنے نفس کو انتہائی شر و فساد کے لیے تیار کرتا ہے، اور پرلے درجے کے بگاڑ سے اس کو دوچار کرتا ہے، تو وہ اس بات کے مستحق ہوتا ہے کہ اللہ اس کے لیے ہر چیز مشکل کر دے اور اسے سخت راستوں کی سہولیات فراہم کی جائیں اور اسے توفیق دی جائے کہ وہ ہر قدم پر مشکلات سے دوچار ہو، اس پر آسانیوں کا دروازہ بند کر دیا جائے، اور اسے قدم قدم پر مشکلات درپیش ہوں، جو اسے راہ راست اور صراط مستقیم سے دور ہی لے جائیں۔ اور یہ شخص بد بختی کے راستے پر ہی آگے بڑھے۔ اگرچہ وہ بظاہر یہ محسوس کرے کہ وہ کامیابی کی راہ پر جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ تو ٹھوکر کھاتا جاتا ہے اور وہ اپنی ایک ٹھوکر سے بچنے کے لیے دوسری ٹھوکر کھاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سیدھی راہ سے اور دور ہو جاتا ہے تاکہ وہ اللہ کی رضا سے محروم ہو جائے۔ اور جب وہ ٹھوکر دلوں سے بھرے ہوئے اس منحرف راہ پر آگے بڑھتا ہے اور آخر کار ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے تو اس وقت پھر اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا، حالانکہ یہ مال ہی تھا جس نے اسے اللہ سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اب یہ مفید نہیں ہے، اور اس کا مال اس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے۔ کسی کو شر اور فساد کے لیے سہولیات فراہم کرنا اور اسے معصیت کی توفیق دینا دراصل اسے سخت کام اور سخت راستے کی طرف موڑنا ہے۔ اگرچہ ایسا شخص اس دنیا میں کامیاب نظر آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہنم سے کوئی مشکل منزل اور مشکل جائے قیام نہیں ہے اور العسر یٰ سے یہاں مراد جہنم ہی ہے۔

فرمایا: اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

”تردی“ کا معنی اور اس کا مصداق:

اس آیت میں ”تردی“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: پہاڑ سے نیچے گرا، یا گڑھے میں گرا اور خود کو ہلاکت کے لیے پیش کیا۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ ”تردی“ کا معنی ہے: پہاڑ سے گرنا، اس کی تلبید اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَالْفَرَقِیْنِ وَالْطَّیْفِیْنِ (المائدہ: ۳۱) اور جو جانور اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگہ مارنے سے مرا ہو۔

مراد یہ ہے کہ اس کو تدفین کے وقت قبر میں گرا دیا گیا ہو یا اس کو جہنم کے گڑھے میں جھونک دیا گیا ہو، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ہم نے کافر کے لیے ”العسری“ کو مہیا کر دیا اور وہ دوزخ ہے تو پھر وہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا، جس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ بخل کرتا تھا اور اس مال کو اپنے وارث کے لیے چھوڑتا تھا اور اپنی آخرت کے لیے اس کو نہیں رکھتا تھا، قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا قُرْآنِي كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ج (الانعام: ۴۰)

اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے ہو، جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انسان اجر آخرت کے لیے جو نیک اعمال آئے بھیجتا ہے وہی اس کو نفع دیتے ہیں مثلاً وہ ایمان لا کر اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اللہ نے اس کے مال میں مسکینوں اور سالوں کے جو حقوق رکھے ہیں ان کے وہ حقوق ادا کرے، نہ کہ وہ اپنے مال کو بچا بچا کر رکھے اور اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق (رض) کی فضیلت میں سورۃ اللیل کا نزول:

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت حضرت ابو بکر صدیق (رض) کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے، انھوں نے حضرت بلال (رض) کو امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا، پھر ان کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں:

اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالے۔ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو۔ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ بیشک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے۔ (اللیل ۴: ۱) یعنی امیہ بن خلف اور حضرت ابو بکر کی کوشش ضرور مختلف ہے، امیہ اور ابی ایمان لانے والوں کو عذاب دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور حضرت ابو بکر ایمان والوں کو عذاب سے نجات دلانے کی کوشش کر رہے ہیں، پھر فرمایا: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا۔ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا۔ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے۔ یعنی حضرت ابو بکر کو جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور حضرت بلال (رض) کو امیہ بن خلف سے مہنگی قیمت پر خرید کر آزاد کیا، ان کو ہم جنت عطاء فرمائیں گے، پھر فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروا رہا۔ اور نیک باتوں کی تکذیب کی۔ پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے۔ یعنی امیہ بن خلف اور ابی بن خلف کو دوزخ میں جھونک دیں گے، یہ تفسیر حضرت ابن مسعود (رض) سے منقول ہے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۲۷۱، مؤسسۃ الرسالۃ، ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

وَاللَّيْلِ (وَاللَّيْلِ) د، حرف جار قسمیہ، قسم، اللَّيْلِ، مجرور، مقسم بہ، رات (رات کی قسم) إِذَا ظُفِرَ زَمَانٍ مستقبل بمعنی شرط (جب) نَفْثِي، فعل مضارع واحد مذکر غائب نَفْثِي، مصدر نَفَثَ، چھانچانا، ڈھانچ لینا، (وہ چھانچاتی ہے) وَالنَّهَارِ (وَالنَّهَارِ) د، حرف عطف، حرف جار قسمیہ اور (قسم)، وَالنَّهَارِ، مجرور، مقسم بہ، دن (اور دن کی قسم) إِذَا ظُفِرَ زَمَانٍ، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) نَفْثِي، فعل مضارع واحد مذکر غائب نَفْثِي، مصدر نَفَثَ، روشن ہونا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ روشن ہوتا ہے) د، حرف عطف قسمیہ، اس جملہ کا عطف جملہ سابقہ پر ہے (اور) نَا، اسم موصول (اس کی جس نے) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ، مصدر خَلَقَ، پیدا کرنا (اس نے پیدا کیا) اَلَّذِکَرُ (نر) د،

حرف عطف (اور) اَلْاَنْشِ (مادہ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) سَعَيْتُمْ (سعی - کُرم) سعی، مضاف، کوشش، کُرم، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہاری (تمہاری کوشش) لَشْتِی (ل - شَتِی) ل، لام تاکید، یقیناً، شَتِی، مختلف، جدا جدا، طرح طرح (یقیناً مختلف) لَتَا (ف - تَا) ف حرف عطف، پھر، تَا، حرف شرط و تفصیل، رہا وہ، مگر، لیکن (پھر رہا وہ) مَن، شرطیہ (وہ جس نے) اَعْطٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَعْطٰی یُعْطِی، مصدر اَعْطَا، دینا (اس نے دیا) و، حرف عطف (اور) اَنْتٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَنْتٰی یَنْتٰی، مصدر اَنْتَا، ڈرنا، پرہیزگاری اختیار کرنا (اس نے پرہیزگاری اختیار کی) و، حرف عطف (اور) صَدَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب صَدَقَ یَصْدَقُ، مصدر تَصَدَّقَ، تصدیق کرنا، سچ ماننا (اس نے تصدیق کی) بِالْاَنْشِ (ب - اَلْاَنْشِ) ب، حرف جار، کی، اَلْاَنْشِ، مجرور، محسن، مصدر سے اَصْل التَّفْصِيل کا صیغہ، سب سے اچھی بات (سب سے اچھی بات کی) فُسْنِیْرُہ (ف - س - فُسْنِیْرُہ) ف، حرف عطف جواب شرط، تو، س، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، یُسْنِیْرُ، فعل مضارع جمع محکمہ یُسْنِیْرُ، مصدر یُسْنِیْرُ، آسان کرنا، سہولت دینا، ہم سہولت دیں گے، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو عنقریب ہم اسے سہولت دیں گے) اَلْیُسْنٰی (ل - اَلْیُسْنٰی) ل، حرف جار، کیلئے، اَلْیُسْنٰی، مجرور، یُسْنِیْرُ، مصدر سے اَصْل التَّفْصِيل کا صیغہ، آسان طریقہ، آسان، شریعت، آسان راستہ (آسان راستہ کیلئے) و، حرف عطف (اور) تَا، حرف شرط و تفصیل (رہ، لیکن، مگر، بہر حال) مَن، شرطیہ (وہ جس نے) بَخِلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب بَخِلَ یَبْخُلُ، مصدر بَخِلَ، بخل کرنا (اس نے بخل کیا) و، حرف عطف (اور) اِسْتَعْنٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِسْتَعْنٰی یَسْتَعْنِی، مصدر اِسْتَعْنٰی، بے پرواہ رہنا (وہ بے پرواہ رہا) و، حرف عطف (اور) کَذَّبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر یُکَذِّبُ، جھٹلانا (اس نے جھٹلایا) بِالْاَنْشِ (ب - اَلْاَنْشِ) ب، حرف جار، کو، اَلْاَنْشِ، مجرور، محسن، مصدر سے اَصْل التَّفْصِيل کا صیغہ، سب سے اچھی بات، اچھائی، بھلائی (سب سے اچھی بات کو) فُسْنِیْرُہ (ف - س - فُسْنِیْرُہ) ف، حرف عطف جواب شرط، تو، س، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، یُسْنِیْرُ، فعل مضارع جمع محکمہ یُسْنِیْرُ، مصدر یُسْنِیْرُ، آسان کرنا، سہولت دینا، ہم سہولت دیں گے، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو عنقریب ہم اسے سہولت دیں گے) اَلْیُسْنٰی (ل - اَلْیُسْنٰی) ل، حرف جار، کیلئے، اَلْیُسْنٰی، مجرور، غنم، مصدر سے اَصْل التَّفْصِيل واحد مؤنث کا صیغہ، دشواری، سختی، مشکل، مشکل راستہ (مشکل راستے (برائی) کیلئے) و، حرف عطف (اور) نَا، نافیہ (نہیں) یُعْنٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب یُعْنٰی، مصدر اُعْنٰی، کام آنا (وہ کام آئے گا) غَنَہ (ع - غ - غَنَہ) ع، حرف جار، بمعنی، بار، کے، ہ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، (اس کے) نَاہ (ن - نَاہ) ن، مضاف، مال، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا مال) اِذَاہ، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) تَرَدٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَرَدٰی یَتَرَدٰی، مصدر تَرَدٰی، سڑھے میں گرنا، اِذَاہ کی وجہ سے ترجمہ (وہ سڑھے میں گرے گا)۔

آیت ۱۲ تا ۲۱

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰی (۱) وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُولٰی (۲) قَاذَنَدُوْكُمْ قَاذًا تَلٰکٰی (۳) لَا یَضِلُّهَا اِلَّا الْاَشْقٰی (۴) اَلَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلٰی (۵) وَسَبَّحْتَ بِهَا الْاَتَمَلٰی (۶) اَلَّذِیْ یُؤْتِی مَالَہٗ یَتَرَکٰی (۷) وَمَا لَاحِبَابٌ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ فُجِّرٰی (۸) اِلَّا اَلْبَعِثَآءَ وَجْہُہٗ رَیْبٌ اَلْاَعْلٰی (۹) وَلَسَوْفَ یَرٰوٰی (۱۰)

ترجمہ:

بلاشبہ راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے (۱۲) اور بلاشبہ ہمارے ہی اختیار میں یقیناً آخرت اور دنیا ہے۔ (۱۳) پس میں نے تمہیں ایک ایسی آگ سے ڈرا دیا ہے جو شعلے مارتی ہے۔ (۱۳) جس میں اس بڑے بد بخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔ (۱۵) جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ (۱۶) اور عنقریب اس سے وہ بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا۔ (۱۷) جو اپنا مال

(اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ (۱۸) حالانکہ اس کے ہاں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ (۱۹) مگر صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا چاہنے کے لیے۔ (۲۰) اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔ (۲۱)

تفسیر:

فرمایا: بلاشبہ راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے، الخ

اس آیت کی توجیہات کہ اللہ ہدایت دیتا واجب ہے:

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ”ان علینا للہدی۔“ (اللیل ۱۲): اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: ہم پر ہدایت دینا واجب ہے کیونکہ ”علی“ وجوب کے لیے آتا ہے، اور اس سے معتزلہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ بندوں کے فائدہ کے لیے کام کرے، اور اس پر واجب ہے کہ جو کام بندوں کے لیے نقصان دہ ہو اس کو نہ کرے، ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے، بندوں کو ہدایت دینا اور ان کے فائدہ کے کام کرنا اس پر واجب نہیں، یہ محض اس کا لطف و کرم ہے، اسی طرح نیک مؤمنین کو جنت عطا فرمانا اس کا فضل ہے اور بدکار کافروں کو دوزخ میں جھونکنا اس کا عدل ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ لفظ ”علی“ وجوب کے لیے آتا ہے، تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، قرآن مجید میں بہت مقامات پر ”علی“ وجوب کے لیے نہیں ہے، مثلاً ان آیات میں:

وَمَا خُجِّجْ عَلَى الثُّبُصِ (المائدہ: ۲) اور جو جانور بتوں کے لیے ذبح کیے گئے ہوں۔

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ (النحل: ۱۰) اور سیدھی راہ پر چلانا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُقُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ط (الانعام: ۲۰) اور کاش آپ دیکھتے جب وہ اپنے رب کے لیے کھڑے ہوں گے۔

لہذا اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا: بیشک ہماری عبادت کے لیے ضرور بندوں کو ہدایت دینا ہے، یا بیشک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے یا جو شخص ہم سے ہدایت طلب کرے، اس کو ہدایت دینا ہمارا لطف و کرم ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاهَلُوا سُبُلَنَا فَأَنزَلْنَا لَهُمْ سُلٰلٰطًا (العنکبوت: ۲۴)

اور جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

فرمایا: بیشک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔

اللہ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دینے کی مذمت:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دیتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے کہ تم کو معلوم ہے کہ دنیا اور آخرت ہر ری ملک میں ہے اور بتوں کی ملک میں نہیں ہے، پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو، جو دنیا

اور آخرت کے مالک نہیں ہیں، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔
اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان لا کر اللہ کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتے اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کیوں بخل کرتے ہو اور بے پردہی برت رہے ہو، حالانکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہی تم کو دنیا اور آخرت میں اس کا نفع ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

فرمایا: پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں۔

اس آیت میں ”تَلْظِي“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”تَلْظِي“ ہے، اس کا معنی ہے: آگ کی لپٹیں مارنا، شعلے بلند کرنا اور بھڑکنا۔

اس آیت میں کفار کو بھی ڈرایا گیا ہے اور مؤمنین فاسق کو بھی۔

فرمایا: اس میں صرف بڑا بد بخت ہی جھوٹا جائے گا۔ جس نے حق کی تکذیب کی اور اس سے پیٹھ پھیری۔

دائمی عذاب پر اہل سنت و جماعت کا موقف:

یہ آیت اہل سنت و جماعت کے موقف کے موافق ہے کہ دوزخ میں دائمی عذاب کے لیے کفار ہی کو جھوٹا جائے گا اور فاسق مؤمنین اور مرتکب کبائر دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے اور چونکہ یہ آیت معتزلہ کے مسلک کے خلاف تھی، اس لیے انھوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں تکذیب کی حقیقت مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ان کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عملاً تکذیب کرتے ہیں، لہذا جو مؤمنین مرتکبین کبائر ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے ہیں اور اس سے روگردانی کرنے والے ہیں، کیونکہ ابتداء میں تو وہ توحید پر ایمان لائے اور بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی خواہشوں پر عمل کرنے لگے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا کیونکہ بہت آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فاسق مؤمن کو مکذب نہیں قرار دیا بلکہ اس پر مؤمن کا اطلاق کیا ہے، مثلاً فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ط (البقرة: ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر مقتولین میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور قاتل مرتکب گمیرہ ہوتا ہے اور اس آیت میں اس پر مؤمن کا اطلاق فرمایا ہے: لہذا واضح ہو گیا کہ مرتکب گمیرہ اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا۔

فاسق مؤمنین کے متعلق اہل سنت و جماعت کا موقف:

جن مؤمنین مرتکبین کبائر کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے، مثلاً سود خوروں، زانیوں، یتیم کا مال کھانے والوں، شرابیوں

جھوٹوں اور بے نمازیوں کو، ہم ان کو دی ہوئی وعیدوں کا انکار نہیں کرتے، اگر انھوں نے مرنے سے پہلے تو یہ صحیحہ نہیں کی اور گناہوں کی تلافی نہیں کی تو وہ ضرور عذاب کی ان وعیدوں کے مستحق ہیں ارا یہ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی شفاعت فرمادیں اور یا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل محض سے معاف فرمادے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے مگر یہ عذاب کفار اور مکذبین کے عذاب سے کم ہوگا، کیفیت میں بھی کم ہوگا اور مقدار میں بھی کم ہوگا، کفار کا عذاب ان کی توہین کے لیے ہوگا اور مؤمنین مرتکبین کبار کا عذاب تطہیر کے لیے ہوگا۔

فرمایا: اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرانے والے کو دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال اپنے باطن کو پاک کرنے کے لیے دیتا ہے۔

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جو شخص سب سے زیادہ اللہ سے ڈرے، وہ اپنے تقویٰ، اپنے نیک اعمال اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے دور رکھا جائے گا۔

کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے صدقہ کا جواز اور محض اخلاص سے صدقہ دینے کا افضل ہونا:

فرمایا: اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے۔ اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا۔

یعنی وہ شخص صرف اللہ کی رضا کے لیے زکوٰۃ اور صدقات دیتا ہے، کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات نہیں دیتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کی نیکی کا بدلہ دینے کے لیے اس کو زکوٰۃ اور صدقات دینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ بھی جائز ہے، قرآن مجید میں ہے:

بَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ (الرحمن: ۶۰) نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے۔

لیکن اس سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کے ساتھ نیکی کی جائے اور اس کو صدقہ دیا جائے، اس کے بعد فرمایا: اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس شخص کو اس کا رب اتنی جزا دے گا کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو جائے گا۔

حضرت ابوبکر کے حضرت بلال اور دیگر چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کے متعلق روایات:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر (رض) کے متعلق نازل ہوئی ہے، انھوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے چھ یا سات غلاموں کو آزاد کیا تھا، ان غلاموں کا حضرت ابوبکر پر کوئی احسان نہیں تھا کہ یہ کہہ جائے کہ ان کا بدلہ اتارنے کے لیے ان کو حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد کیا تھا، ان کے آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت بدل اور حضرت عامر بن فہرہ تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۰۲۴: جز ۲۰ ص ۲۸۰ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبد الرحمن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق (رض) نے سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، جنہیں اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، وہ یہ ہیں: (۱) حضرت بلال (۲) حضرت عام بن لہیرہ (۳) حضرت نہیدہ (۴) اور ان کی بیٹی (۵) زہیرہ (۶) امام عیسیٰ (۷) بنو مول کی باندی اور ان کے غلام خرید کر آزاد کرنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۳۴۴۱- رقم الحدیث ۱۹۳۶۷: مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۲۱۷ھ)

اس آیت کا مصداق حضرت ابو بکر ہیں، اس پر امام رازی کا موقف:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابو بکر (رض) ہیں، اس پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذَكُوعُونَ۔ (المائدہ: ۸۵) اور وہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى۔ (اللیل: ۱۸-۱۹) سب سے زیادہ متقی ہے۔ جو اپنا مال زکوٰۃ (پاکیزگی) کے لیے خرچ کرتا ہے۔

اس آیت کے مصداق حضرت ابو بکر ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اس ”الَّذِي“ سے مراد وہ ہے جو افضل الخلق ہو، اور جب اس طرح ہو تو پھر واجب ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر ہیں، ہم نے جو یہ کہا ہے کہ ”الَّذِي“ سے مراد افضل الخلق ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے:

إِنْ أَكْثَرْتُمْ كُفْرًا، عَذَابُ اللَّهِ أَثَقُلُ۔ (الحجرات: ۱۳)

بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

اس آیت میں ”الَّذِي“ سے مراد حضرت ابو بکر ہیں اور وہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد افضل الخلق ہیں۔

(تفسیر گبیر ج ۱ ص ۱۸۸، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۵ھ)

(ترکیب نحوی و تحقیق مرئی)

إِنْ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) عَلَيْنَا (علی۔ نا) عَلٰی، حرف جار، پر، ذمے، نا، مجرد، ضمیر جمع متکلم، ہمارے (ہمارے ذمے) لَنْزِلَی (ل۔ اَنْزِلَی) ل، لام تاکید، یقیناً، اَنْزِلَی، اسم مصدر، ہدایت دینا، ہدایت دینا ہے) ذ، حرف عطف (اور) إِنْ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) لَنَا (ل۔ نا) ل، حرف جار، برائے ملکیت، کے ہی، نا، مجرد، ضمیر جمع متکلم، ہم (ہم کے ہی، ہمارے ہی) اَنْزِلَی (ل۔ اَنْزِلَی) ل، لام تاکید، یقیناً، اَنْزِلَی، آخرت (یقیناً آخرت) ذ، حرف عطف (اور) اَنْزِلَی (مطلق، اگلی) اَوَّلُ، کی مؤنث، آخرت کے مقابلے میں اس کے استعمال سے مراد عالم دنیا ہے۔ قَدْ نَزَّلْنَاهُ (ف۔ اَنْزَلْنَاهُ۔ کُنْ) ف، حرف عطف، تو، اَنْزَلْنَاهُ، فعل ماضی واحد متکلم اَنْزَلْنَاهُ،

مصدر رائد، ڈرانا، کم، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہیں (تو میں نے تمہیں ڈرایا ہے) نازا (اگ) تَلَطَّى، اصل میں، تَلَطَّى، تھا، ایک تا تخفیف کیلئے محذوف ہے، فعل مضارع واحد مؤنث غائب تَلَطَّى تَلَطَّى، مصدر تَلَطَّى، بھڑکتا، شعلے مارنا (وہ شعلے مارتی ہے) تَلَطَّى تَلَطَّى (ہا) تَلَطَّى، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب تَلَطَّى تَلَطَّى، مصدر تَلَطَّى، داخل ہونا، داخل نہیں ہوگا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، نازا، ہے (نہیں داخل ہوگا اس میں) اِنَّا، حرف استثنا (مگر، سوا) اِنَّا شَتَّى۔ شَتَّى، مصدر سے افضل التفضیل کا صیغہ (بڑا بد بخت، انتہائی بد بخت) اَلَّذِی، اسم موصول واحد مذکر (جس نے) کَذَّبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر یُکَذِّبُ، جھٹلانا (اس نے جھٹلایا) ذ، حرف عطف (اور) تَوَلَّى، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَوَلَّى یَتَوَلَّى، مصدر تَوَلَّى، منہ موڑنا، روگردانی کرنا (اس نے روگردانی کی) ذ، حرف عطف (اور) سَجَّ بَنَیْنَا (سَ۔ یَجْزِبُ۔ ہا) سَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عَنَقَرِیْبَ، یَجْزِبُ، فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب یَجْزِبُ یَجْزِبُ، مصدر یَجْزِبُ، دور رکھنا، بچانا، وہ دور رکھا جائے گا، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس سے، ضمیر کا مرجع، نازا، ہے (عنقریب وہ اس سے دور رکھا جائے گا) تَلَطَّى، اصل میں، اَدَلَّی، تھا، واؤ کو تا سے بدل دیا گیا ہے، وَحْیَ، مصدر سے افضل التفضیل کا صیغہ (بڑا ہرگز گار) اَلَّذِی، اسم موصول واحد مذکر (جو) یُوَقِّی، فعل مضارع واحد مذکر غائب یُوَقِّی، مصدر یُوَقِّی، دینا (وہ دیتا ہے) تَلَّ (تال۔ ہ) تَلَّ، مضاف، مال، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنا (اپنا مال) یَتَرَسَّی، فعل مضارع واحد مذکر غائب یَتَرَسَّی، مصدر یَتَرَسَّی، پاک کرنا (وہ پاک ہو جائے) ذ، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہیں) لَاحِظُ (ل۔ اَحِظُ) لَ، حرف جار، کا، اَحِظُ، مجرور، کسی ایک (کسی ایک کا) عِنْدُہ (عِنْد۔ ہ) عِنْدُ، مضاف، ظرف مکان، ہاں، پاس، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع مال دینے والا ہے (اس کے ہاں، اس پر) مِّنْ نِّعْمَۃٍ (مِّن۔ نِعْمَۃٍ) مِّن، حرف جار، زائدہ برائے عموم، نِعْمَۃٍ، مجرور (کوئی احسان) فُجِّحْیَ، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب فُجِّحْیَ، مصدر فُجِّحْ، بدلہ دینا (وہ بدلہ دیا جائے) اِنَّا، حرف استثنا (مگر) اِنْتَعَا، مصدر ہے (چاہنا، چاہنے کیلئے) وَبِہِ (چہرہ، رضا، خوشنودی) جمع، وَبِہِ، رَبِّہُ (رَبِّ۔ ہ) رَبِّ، مضاف، رب، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب) اَلْاٰطٰی۔ اَلْاٰطٰی، مصدر سے افضل التفضیل کا صیغہ (سب سے بلند و برتر، سب سے اعلیٰ) ذ، حرف عطف (اور) لَسُوْفَ (ل۔ سُوْفَ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، سُوْفَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عَنَقَرِیْبَ (یقیناً عنقریب) یَزِلُّحِی، فعل مضارع واحد مذکر غائب یَزِلُّحِی، مصدر یَزِلُّحِی، راضی ہونا (وہ راضی ہو جائے گا) بندہ اللہ کی عطا سے راضی ہوگا اور اللہ بندہ کی وفا سے راضی ہوگا۔

(الحمد للہ سورہ لیل مکمل ہو گئی)

[سورۃ النضحیٰ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۵

وَالطُّنْحَى (۱) وَاللَّيْلُ إِذَا سَجَى (۲) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى (۳) وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى (۴) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (۵)

ترجمہ:

قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی! (۱) اور رات کی جب وہ چھا جائے! (۲) نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ (۳) اور بلاشبہ آپ کے لیے بعد کی حالت بہتر ہے (۴) اور بلاشبہ عنقریب تیرا رب تجھے عطا کرے گا، پس تو راضی ہو جائے گا۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ النضحیٰ ہے۔ ضحیٰ کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے دس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا گیارہواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ چند سورتوں میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا تھا اور ایمان کا دار و مدار آخرت پر ایمان یقین کی شکل میں ہے تو اس کے دلائل بھی ذکر فرمادیے گئے اب اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اقدس کو سرفراز فرمایا گیا اور ان انعامات کے ضمن میں آپ کی رسالت کے دلائل بھی ذکر کر دیئے گئے اور جن خاص کمالات اور اخلاق حسنہ سے پیغمبر کی ذات متصف ہونی چاہیے، ان کو بھی بیان کر دیا گیا،

شان نزول:

اس سورت کی شان نزول یہ ہے کہ یہود نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ ایک یہ پوچھا کہ روح کی حقیقت کیا ہے۔ دوسرا نک عن الروح۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کرتے ہیں روح کے بارے میں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ دوسرا سوال تھا کہ اصحاب کہف کون لوگ تھے؟ تیسرا سوال تھا کہ ذوالقرنین کون بزرگ تھے؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں کل بتاؤں گا۔ زبان سے ان شاء اللہ کہنا بھول گئے اس بات کا تو کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ ہوں۔ لیکن ظاہری

طور پر زبان سے یہ الفاظ نہ کہہ سکے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کہ کل کا دن آیا تو یہودیوں نے آکر کہا کہ ہمارے سوالات کا جواب دو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وحی نازل نہیں ہوئی۔ ایک دن گزرا، دو دن گزرے، تین دن گزرے۔ حافظ ابن کثیر (رح) فرماتے ہیں۔ تاخر الوحی خمسۃ عشر یوما پندرہ دن وحی نازل نہ ہوئی۔ یہودیوں نے پراپیگنڈا کیا کہ کل کا وعدہ تھا جواب دوں گا ابھی اس کا کل نہیں آیا؟ اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے آکر بھنگڑے؟ ڈالتے کہ کل نہیں آیا۔ کوئی کہتا اس کا کل قیامت والے دن آئے گا۔ مخاف کو تو بات ملنی چاہیے وہ ان کو مل گئی۔ یہود نے تو اس عنوان کے ساتھ مذاق اڑایا اور قریش مکہ نے کہا کہ اب اس کا رب ناراض ہو گیا ہے اس لیے وحی نہیں آتی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چچی جس کا نام عورا اور کنیت ام جمیلہ تھی یہ ابوہب کی بیوی اور حضرت ابوسفیان (رض) کی سگی بہن اور حضرت امیر معاویہ (رض) کی پھوپھی تھی۔ یہ خاندان قدرتی طور پر سخت مزاج تھا۔ خاندانی اثرات لوگوں میں ہوتے ہیں۔ اس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آکر کہا کہ وہ تیرا شیطان اب تیرے پاس نہیں آتا وہ تیرا پیچھا چھوڑ گیا ہے قدر تک شیطانک بخاری شریف کی روایت ہے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کے متعلق کہتی تھی وہ تجھے چھوڑ گیا ہے۔ عجیب قسم کا منظر تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

تفسیر:-

فرمایا: قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی ارح

دن اور رات کی قسم کھانے کی توبیہ:

مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور وہ آپ سے بے زار ہو گیا، اب ان پر لازم تاکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتے اور جب وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکے تو قاعدہ کے مطابق آپ پر لازم تھا کہ آپ ان کے اس دعویٰ کے انکار پر قسم اٹھاتے، پس قسم آپ پر آئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے، نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے، اور یہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا معاملہ واحد ہے، آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے، آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے، اسی طرح جو قسم آپ پر لازم آتی ہے، وہ اللہ پر قسم ہے، اسی لیے فرمایا: دن کی قسم اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو چند دن وحی نہیں نازل کی گئی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں نزول وحی سے آپ گھبرا جاتے تھے اور خوف زدہ ہو جاتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے چند دن کے لیے آپ سے سلسلہ نزول وحی کو موقوف کر دیا، تاکہ آپ وحی کا انتظار کریں اور آپ کے دل میں اس کا اشتیاق پیدا ہو، حتیٰ کہ جب حضرت جبرائیل آپ پر سورۃ الضحیٰ لے کر

نازل ہوئے تو آپ نے فرمایا تم اب تک نہیں آئے حتیٰ کہ میں تمہارا مشاق ہو گیا تھا، حضرت جبرائیل نے کہا: میں آپ سے زیادہ آپ کا مشاق تھا کیونکہ آپ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت مکرم ہیں لیکن میں وحی لانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم پر چلتا ہوں۔ (تفسیر مقاتل ج ۳ ص)

والضحیٰ واللیل“ (دن اور رات) کی قسم کا مطلب؛

اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی جو قسم کھائی ہے، اس میں دن اور رات سے کیا مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں :

علامہ عبدالکریم بن ہوازن قیسری یشاپوری لکھتے ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے: چاشت کے وقت کی نماز کی قسم یا دن کی اس ساعت کی قسم جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کلام سے مشرف کیا تھا۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

(۲) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کے روشن چہرے کی قسم (اور واللیل“ سے مراد ہے: آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم)۔
(۳) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: نزول وحی کے ایام کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: اس زمانہ کی قسم! جب آپ سے نزول وحی کو روک لیا گیا۔

(۴) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: ابتداء میں اسلام کے ظہور کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: قرب قیامت میں اسلام کے خفا کی قسم، جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور عنقریب اجنبی ہو جائے گا۔ (مسند ج ۷ ص 73)

(۵) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کی ظاہر حیات کی قسم جس میں مخلوق نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا اور ”واللیل“ سے مراد ہے:

سے مراد ہے: آپ کی حیات کے باطن کی قسم جس میں عالم الغیب نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا۔ (تفسیر گیر ج ۲ ص ۱۹۲۱۱ و اراحیا التراث العربی، بیروت 1415ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:

(۶) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کے یوم ولادت کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: آپ کی شب معراج کی قسم یا آپ کی ولادت کی شب کی قسم۔

(۷) ”والضحیٰ“ سے مراد ہے: آپ کی امت کی خوبیوں کو ظاہر کرنے کی قسم اور ”واللیل“ سے مراد ہے: آپ کے امت کے عیوب کو چھپانے کی قسم۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں،

(۸) علامہ طیبی قدس سرہ نے کہا ہے: دن اور رات کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں، جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، دن کی نماز کے متعلق آپ نے فرمایا: مجھ کو چاشت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور تم کو اس کا حکم نہیں دیا گیا اور رات کی نماز کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔

ومن الیل فتعجب بہ نالہ لک (بنی اسرائیل: ۷۹) اور آپ رات کو تہجد کی نماز پڑھیے، وہ خصوصیت سے آپ کے لیے زائد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی نماز چاشت کی قسم اور آپ کی نماز تہجد کی قسم۔

فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر شان نزول میں دیکھ لی جائے۔

فرمایا: اور بیشک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے۔

دن بہ دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت اور کرامت کا زیادہ ہونا:

یعنی اللہ تعالیٰ دن بہ دن آپ کی عزت اور وجاہت میں اضافہ فرماتا رہے گا اور فراغت وقت اور منکروں اور معاندوں پر آپ کو غلبہ عطا فرماتا رہے گا اور آپ کو بہ کثرت فتوحات عطا فرماتا رہے گا اور آپ کے متبعین اور پیروکار بڑھتا رہے گا اور آپ کے علوم اور معارف اور درجات میں ترقی عطا فرماتا رہے گا اور آپ کا ہر بعد والا زمانہ پہلے زمانہ سے بڑھ چڑھ کر اور افضل اور اعلیٰ ہوگا اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مہمات کے مقابل ہمیں اخروی درجات کی ترقی میں کوشش کرنا آپ کے زیادہ نائق ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس سے عزت اور وجاہت حاصل ہوئی اور آپ کو اس سے خوشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتایا کہ یہ مرتبہ اگرچہ عظیم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کے لیے آخرت میں اس سے بھی بڑا مرتبہ ہے، نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہر روز ہر ساعت اللہ تعالیٰ آپ کو گزری ہوئی ساعت سے بڑھ کر عزت اور بلندی عطا فرمائے گا، آپ یہ نہ گمان کریں کہ میں آپ سے ناراض ہوں بلکہ میں ہر روز آپ کو پہلے سے زیادہ سعادت اور کرامت عطا فرماؤں گا۔

فرمایا: عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں،

اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے اس میں اشارہ عمومی کی طرف ہے کہ آپ کی ہر مرغوب چیز آپ کو اتنی دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں۔ آپ کی مرغوب چیزوں میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دنیا میں پھیلنا پھرا مت کی ہر ضرورت اور خود آپ کا دشمنوں پر غالب آنا، ان کے ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور دین حق پھیلنا سب داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اذالارضی وواحد من امتی

فی النار یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا (قرطبی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمادیں گے رضیت یا محمد، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب بھی آپ راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یا رب رضیت یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے متعلق ہے فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانهک غفور رحیم پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا قول ہے ان تعذبهم فانهم عبادک پھر آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے اللهم امتی امتی، حق تعالیٰ نے جبرائیل امین کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرائیل امین آئے اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبرائیل امین سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

وَالْفُضْلُ (و۔ الْفُضْلُ) و، حرف جار، قسمیہ، قسم ہے، الْفُضْلُ، مقسم بہ، دن چڑھے، دھوپ کا پھیلنا اور روشن ہونا، وہ وقت جب دھوپ چڑھ جائے، روز روشن (قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت) وَالْأَيْلُ (و۔ الْأَيْلُ) و، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ، اور (قسم)، ایل، مجرور، مقسم بہ، رات (اور رات کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان بمعنی شرط (جب) سَمِعَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَمِعَ - سَمِعَ، مصدر سَمِعَ، خاموش ہونا، تاریکی میں ڈوب جانا، چھا جانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ چھا جائے) نا، نافیہ (نہ) وَذَكَكَ (وَذَرَ - كَ) وَذَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَذَرَ - وَذَرَ، مصدر وَذَرَ، چھوڑنا، اس نے چھوڑا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو چھوڑا) رَبُّكَ (رَبُّ - كَ) رَبُّ، مضاف، رب، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) و، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہ) قُلْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قُلْ - قُلْ، مصدر قُلْ - قُلْ، ناراض ہونا، بیزار ہونا (وہ ناراض ہوا ہے) و، حرف عطف (اور) لَآ اُخْرَةَ (لَ - اُخْرَةَ) لَ، لام تاکید، ضرور یقیناً، اُخْرَةُ، آخرت، انجام، پیچھے آنے والی حالت، پہلی حالت، بعد کی گھڑی (یقیناً بعد کی گھڑی) خَيْرٌ (بِخَيْرٍ) لَ - كَ (لَ - كَ) حرف جار، کیلئے، كَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ (آپ کیلئے) مِّنَ الْاَوَّلِ (مِنَ - الْاَوَّلِ) مِّنَ، حرف جار، سے، الْاَوَّلِ، مجرور، اَوَّلٌ، کامونٹ، اگلی، پہلی، آخرت کے مقابلے میں اس کا استعمال عالم دنیا مراد ہوتا ہے، کیونکہ وہ آخرت سے پہلے ہے (پہلی سے) و، حرف عطف (اور) لَسَوْفَ (لَ - سَوْفَ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، سَوْفَ، حرف استقبال، عنقریب، (یقیناً عنقریب) يُعْطِيكَ (يُعْطِي - كَ) يُعْطِي، فعل مضارع واحد مذکر غائب يُعْطِي - يُعْطِي، مصدر يُعْطِي، عطا کرنا، دینا، وہ عطا کرے گا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (وہ آپ کو عطا کرے گا) رَبُّكَ (رَبُّ - كَ) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا رب) فَرَضَ (فَ - رَضَ) فَ، حرف عطف، پس، تَرَضَى، فعل مضارع واحد مذکر حاضر تَرَضَى - تَرَضَى، مصدر تَرَضَى، راضی ہونا، آپ راضی ہو جائیں گے (پس آپ راضی ہو جائیں گے)

آیت ۶ تا ۱۱

أَلَمْ يَجْعَلْ يَتِيمًا فَآوَىٰ (۶) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (۷) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (۸) فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (۹) وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۱۰) وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۱۱)

ترجمہ:

کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا، پس جگہ دی۔ (۶) اور اس نے تجھے راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھا دیا۔ (۷) اور اس نے تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔ (۸) پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر (۹) اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ کر (۱۰) اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔ (۱۱)

تفسیر:-

فرمایا: کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا، پس جگہ دی: الخ
رب العلمین کی رحمتہ للعالمین پر نوازشات:

سابقہ انعام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا۔ پھر اس حالت میں آپ کی پرورش کس طریقہ پر کی۔ آپ کو خٹکانا دیا۔ باپ کا سایہ وادت سے پہلے اٹھ چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی وفات پا گئی۔ پھر اللہ نے قوم کے سردار عبدالطلب کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی۔ جس نے آپ کی پرورش نہایت اچھے طریقے پر کی۔ دو سال کے عرصے بعد دادا بھی فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی پرورش کی خدمت آپ کے چچا ابو طالب سے لی۔ وہ آپ کو سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا۔ تاکہ خدا خواستہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے ہوا ایک اور بہت بڑی مہربانی اللہ نے یہی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت اور کتاب کا علم دیا اور منزل مقصود تک پہنچایا۔

فرمایا: اور اس نے تجھے راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھا دیا۔

دل بے قرار کو قرار دیا:

جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جوان ہوئے، قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و رواج سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اندر ہی اندر جوش مارتا تھا، لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ

نے "غار حرا" میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کھول دیں۔ یعنی دین حق نازل فرمایا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا استغناء؛

اس کے بعد اگلے احسان کے متعلق فرمایا ووجدک عالمًا ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفلس پایا فاغنی پس اس نے مستغنی کر دیا، بے پرواہ کر دیا۔ عامل کا معنی، محتاج ہوتا ہے۔ یعنی آپ کی مالی حالت کمزور تھی۔ عامل کا دوسرا معنی عیالدار بھی ہوتا ہے۔ جس کی کفالت میں اہل و عیال زیادہ ہوں اور ضروریات زندگی بخوبی پوری نہ ہوتی ہوں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ابتدائی زندگی احتیاج کی زندگی تھی بچپن میں آپ دادا اور چچا کے زیر کفالت رہے۔ بعد میں آپ نے تجارت شروع کی تو اللہ نے کافی نفع دیا۔ اس کے بعد آپ مکہ کی ایک نہایت شریف اور مالدار خاتون حضرت خدیجہ کے مال میں مضاربت کرنے لگے اس سلسلہ میں آپ نے سفر بھی اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت میں بڑا نفع دیا۔ اس خاتون نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نکاح کر لیا اور اپنا مال و دولت حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خواہش کے مطابق صرف کرنے لگی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی آپ کی حسب منشا اپنی ساری دولت صرف کر دی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے۔ ما نفعتنی مال احد قط ما نفعتنی مال ابی بکر یعنی مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا، جتنا حضرت صدیق کے مال نے الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی (علیہ السلام)! آپ نادار تھے۔ ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔

غناء قلب؛

اغنی کا عام فہم معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ جیسی بے مثال شخصیت کو وسیع قلب، عطا فرمایا اور آپ کو وہ اخلاق حسنہ عطا کیا کہ جس کی تعریف اس نے خود فرمائی۔ وانک لعلی خلق عظیمہ " یعنی آپ عظیم اخلاق کے حامل ہیں۔ دنیا کے سارے خزانے بھی آپ کی قلبی کیفیت اور آپ کے اخلاق سے مطابقت نہیں رکھتے تھے تو غنی کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ حضرت خدیجہ یا حضرت ابوبکر یا خاندان بنو ہاشم کا مال آپ کے حسب منشا خرچ ہوا۔ بلکہ حقیقی غناء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

غنائے قلب عطا کر دیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد مبارک ہے لیس الغنی علی کثرة الغرض ولكن الغنی عنی النفس [یعنی حقیقی غناء اس ظاہری مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اصل غنا تو دل کا غناء ہے۔ خواہ ظاہری اسباب کم ہی کیوں نہ ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں بیحد استغناء پیدا کیا تھا۔ آپ

حقیر چیزوں کی طرف قطعی متوجہ نہیں ہوتے، اسی لیے سعدی صاحب کہتے ہیں۔ ع

تو نگری بدل است نہ بہال، بزرگی بعقل است نہ بہ سال
تو نگری دل کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ مال کے ساتھ بزرگی عقل کے ساتھ ہوتی ہے۔ عمر کے ساتھ نہیں کیونکہ بعض اوقات چھوٹی

عمر کے لوگ بھی دانائی کی باتیں کرتے ہیں جب کہ عمر سیدہ حماقت کر بیٹھتے ہیں۔

الغرض یہ اللہ تعالیٰ کے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر انعامات تھے کہ آپ یتیم تھے تو اللہ نے ٹھکانا فراہم کیا۔ آپ ناواقف تھے، اللہ کریم نے کتاب و شریعت کے ذریعے علم دیا آپ محتاج تھے اللہ نے مستغنی بنا دیا۔ ان آیات میں انھیں باتوں کا تذکرہ ہے۔

فرمایا: پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر (۹) اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ کر (۱۰) اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔ (۱۱)

تین انعامات اور تین احکامات:

(۱) یتیم کے ساتھ شفقت:

مذکورہ تین احکام کے مقابلے میں اللہ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تین احکام بھی دیے ہیں آپ کی یتیمی کا تذکرہ کیا تو اس کے ساتھ پہلا حکم یہ ہو رہا ہے۔ فاما الیتیم فلا تفھر یتیم پر قہر نہ کریں۔ آپ نے خود بحیثیت یتیم جان لیا کہ وہ کس قسم کے سلوک کا مستحق ہوتا ہے لہذا اللہ نے آپ کو اور آپ کی وساطت سے ساری امت کو تعلیم دی کہ یتیم کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آتا، بلکہ ان کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کا سلوک کرنا ہے جب کسی یتیم کو دیکھو تو یاد کرو کہ ہمارے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی یتیم تھے آپ نے فرمایا یتیم کے ساتھ مہربانی کیا کرو۔ اس کا اجر یہ ملے گا۔ انا دکانل الیتیم کھاتین میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے۔ گویا ایسے شخص کو میرا قرب نصیب ہوگا۔

مسند احمد کی روایت گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور! میں اپنے دل میں سختی پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ رکھو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ خدا تمہاری سختی دو کر دے گا۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کے متعلق سورۃ نساء میں آتا ہے۔ ان الذین یا کھون اموال الیتیمی ظلماً انما یا کھون فی بطونھم ناراً جو لوگ یتیموں کا مال دھوکے فریب سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈال رہے ہیں۔ ایسے لوگ عنقریب جہنم کا شکار بنیں گے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ یتیم

کے ساتھ زیادتی نہ کرو، بلکہ ان کی پرورش کرو یتیم سرپرست سے محروم ہوتا ہے اور مسکین بے کس ہوتا ہے۔ ان کی پرورش کرو اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ تمہاری جماعت مضبوط ہوگی جن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔ وہ تمہاری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ جو قوم اپنے کمزور طبقوں کا ہاتھ نہیں پکڑتی ان کی پرورش نہیں کرتی۔ وہ ناکامی کا منہ دیکھتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں جگہ جگہ ہے "ات ذا القرنی حقہ والمسکین" اپنے قربات داروں اور مسکین کا حق ادا کرو۔

(۲) سائل کے ساتھ حسن سلوک:

اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم یہ ارشاد فرمایا واما السائل فلا تنھر سائل کو مت جھڑکو، سائل سے مراد حقیقی محتاج ہے۔ ان کے متعلق

اللہ کا فرمان ہے کہ فی أموالهم حق معلوم لسائل والمحروم مال داروں کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔ انھیں ان کا حق ادا کرو۔ ان کے فرضی حقوق بھی ہیں اور مسنونہ اور مستحب بھی۔ ان کے تمام حقوق ادا کرو۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر سائل اس کا مصداق نہیں۔ بلکہ وہ حقیقی سائل مراد ہے جو اعانت کا مستحق ہے۔ یہ پیشہ ور بھکاری جو اکڑ کر کھڑا ہو جائے اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے ایسے سائل کو ڈانٹ دینا بھی روا ہے۔ روح المعانی والے مفسر قرآن لکھتے ہیں کہ نہ ڈانٹنے کا حکم اس سائل کے لیے ہے جو نرمی سے سوال کرتا ہے۔ اور واقعی محتاج ہے تم بھی اس سے نرمی سے بات کرو۔ اگر اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے تو اس سے نرمی سے معافی مانگ لو کیونکہ قول معروف ومغفرة خیر من صدقة تبغھا آذی، جس صدقے کے بعد تکلیف پہنچائی جائے گی

گالی دی جائے۔ مارا پیٹا جائے یا طعنہ دیا جائے۔ اس صدقے کی بجائے اس سے نرمی کی بات زیادہ بہتر ہے۔ یہ سب سائل کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق ہیں۔

(۳) انعامات الہی کا تذکرہ:

تین انعامات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے تیسرا حکم دیا۔ واما نعمۃ ربک فحدث اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو انعام تم پر کیا ہے اس کو بیان کرو۔ اللہ کے احسان کو چھپانا نہیں چاہیے بلکہ ظاہر کرنا چاہیے۔ تاکہ اس کے احسانات کا شکر یہ ادا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بیشمار احسان کئے ختم نبوت عطا فرمائی جو کہ بہت بڑا احسان ہے۔ قرآن پاک جیسی عظیم دولت عنایت کی۔ یہ تحفہ آپ کی وساطت سے ساری امت کو نصیب ہوا۔

نعمت کا اظہار:

بہر حال قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ اس کو ظاہر کرو، اس کی تعلیم کو دنیا میں عام کرو۔ علاوہ ازیں اگر اللہ تعالیٰ کوئی مادی نعمت بھی عطا کرے، تو اس کے اظہار میں بخل نہیں ہونا چاہیے۔ ایک شخص حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپ نے دریافت کیا۔ کیا اللہ نے تمہیں مال و وسعت دی ہے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے وسعت دی ہے۔ میرے پاس اونٹ، بھیڑ، بکریاں اور دیگر جانور ہیں۔ زمین ہے مال و دولت ہے۔ غلام ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ نے تجھے اتنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ مگر اس کا اثر تم پر ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ تمہاری کپڑوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم ایک محتاج آدمی ہو۔ کم از کم تمہارے لباس سے تو اللہ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔

بعض فرماتے ہیں کہ نیکی کے کام کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ وہ بھی اللہ کی نعمت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا اظہار ریاکاری میں شمار نہ ہو جائے۔

بعض دوسرے فرماتے ہیں کہ نیکی کو ظاہر کرنا چاہیے۔ تاکہ دوسرے بھی دیکھ کر اس کی اقتدا کر سکیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے

عطا کردہ انعام کو دوسروں کے سامنے بیان کرنا تحدیثِ نعمت میں داخل ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد تین حکم دیے کہ کمزور طبقوں کا خیال رکھو، یتیم پر قہر نہ کرو۔ سائل کو جھڑکومت اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو اور مخلوق کے سامنے ظاہر کر دو۔

ترجیمِ نحوی و تحقیقِ مرئی:

أَلَمْ يَجِدْكَ (اَلَمْ يَجِدْ - ک) اے، ہمزه استنہامیہ، کیا، لَمْ يَجِدْ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب وَجَدَ يَجِدُ، مصدر وَجَدًا تَجِدُ، پانہ، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، اس نے نہیں پایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (کیا اس نے آپ کو نہیں پایا) یتیم (ف - اوی) ف، حرف عطف، پھر، لوی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَوَى يُؤْوِي، مصدر اَوًى، پناہ دینا، ٹھکانہ دینا، اس نے ٹھکانہ دیا (پھر اس نے ٹھکانہ دیا) و، حرف عطف (اور) وَجَدَكَ (وَجَدَ - ک) وَجَدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَجَدَ يَجِدُ، مصدر وَجَدًا تَجِدُ، پانہ، اس نے پایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو پایا) شَاءَ لَّا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (راستے سے ناواقف) فَعَلَى (ف - ہلڑی) ف، حرف عطف، تو، ہلڑی، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَّى يَخْطِي، مصدر هَدَا يَهْدِي، ہدایت دینا، راستہ دکھانا، اس نے راستہ دکھایا (تو اس نے راستہ دکھایا) و، حرف عطف (اور) وَجَدَكَ (وَجَدَ - ک) وَجَدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَجَدَ يَجِدُ، مصدر وَجَدًا تَجِدُ، پانہ، اس نے پایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو پایا) عَيْنًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (تنگ دست، حیل دار، نادار، حاجت مند) فَاسْتَعْنَى (ف - اسْتَعْنَى) ف، حرف عطف، تو، اسْتَعْنَى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اسْتَعْنَى يَسْتَعِينُ، مصدر اسْتَعْنًا، غنی کرنا، مالدار کرنا (اس نے غنی کر دیا) فَاتَّابِلَيْتُمْ (ف - تَابَ - اَلْيَيْتُمْ) ف، حرف عطف، پس، تَابَ، حرف شرط و تفصیل، رہا، مگر، لیکن، اَلْيَيْتُمْ، یتیم (پس رہا یتیم) فَاتَّقَشَرُ (ف - تَقَشَّرُ) ف، حرف عطف، تو، تَقَشَّرُ، فعل نبی واحد مذکر حاضر تَقَشَّرُ يَتَقَشَّرُ، مصدر تَقَشَّرًا، ختنی کرنا، زیادتی کرنا (تو آپ (اس پر) ختنی نہ کیجئے) وَاتَّقَاتَّابِلَ - و، حرف عطف، اور، تَابَ، حرف شرط و تفصیل، رہا، لیکن، مگر، اتَّقَاتَّابِلَ - سُوَاكَ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، سوال کرنے والا، مانگنے والا، جمع، اتَّقَاتَّابِلِينَ (اور رہا مانگنے والا) فَاتَّقَشَّرُ (ف - تَقَشَّرُ) ف، حرف عطف، تو، تَقَشَّرُ، فعل نبی واحد مذکر حاضر تَقَشَّرُ يَتَقَشَّرُ، مصدر تَقَشَّرًا، نہر کا بہانا، بہنا، پسپا کرنا، جھڑکنا، آپ ست جھڑکیے (تو آپ مت جھڑکیے) و، حرف عطف (اور) تَابَ، حرف شرط و تفصیل (مگر، لیکن، رہا) يَنْبَغِي (ب - نَبَغِيَ) ب، حرف جار، کو، نَبَغِيَ، مجرور، نعمت (نعمت کو) رَبِّكَ (رَبِّ - ک) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی) فَخَدَّرْتُ (ف - خَدَّرْتُ) ف، حرف عطف، تو، خَدَّرْتُ، فعل امر واحد مذکر حاضر خَدَّرْتُ يَخْدِرُ، مصدر خَدَّرْتُ، بیان کرنا، آپ بیان کریں (پس آپ بیان کریں)

(الحمد للہ سورہ ضحیٰ مکمل ہو گئی)

[سورۃ الانشراح]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۸

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۱) وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ (۲) الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (۳) وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۴) اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۵) اِنْ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۶) فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ (۷) وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ (۸)

ترجمہ:

کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ (۱) اور ہم نے تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا۔ (۲) وہ جس نے تیری پیٹھ توڑ دی۔ (۳) اور ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر دیا۔ (۴) پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔ (۵) بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔ (۶) تو جب تو فارغ ہو جائے تو محنت کر۔ (۷) اور اپنے رب ہی کی طرف پس رغبت کر۔ (۸)

کوائف:

اس سورت کا نام الم نشرح ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں الم نشرح کا لفظ موجود ہے جس سے یہ نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا بارہواں نمبر ہے۔ سورۃ ضحیٰ اس سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اقدس پر رب العالمین کی طرف سے فائز کردہ انعامات خاصہ کا ذکر تھا اور اسی کے ضمن میں آپ کے معالیٰ اخلاق اور محاسن اوصاف بھی بیاں کر دیئے گئے تھے، اب اس سورت میں مزید ایک انعام شرح صدر کا بیان کیا جا رہا ہے، امور نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی امور پر قلب کا اطمینان و انشراح صدر کا بیان کیا جا رہا ہے، امور نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی امور پر قلب کا اطمینان و انشراح بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر کمال یقین استقامت اور اخلاص جیسے احوال مرتب ہوتے ہیں، تو اس سورت میں اس انعام کو بیان کرتے ہوئے یہ بشارت سنائی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے احوال اور شدائد و مضائب جو انسان کی ہمت توڑ دیتے ہیں اور واقعی وہ بوجھ افکار آلام کا ایسا ہی ہے کہ اس نے آپ کی کمر بھی شکستہ کر دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اب وہ تمام بوجھ اور شدائد آپ سے دور کر دیئے جائیں گے موجودہ دشواری اور سختی کا دور گزار دیجئے اس کے بعد آسانی اور سہولت ہی سہولت ہوگی، اس وقت اگرچہ مشرکین مکہ آپ کو ہر طرح ستانے پر تلے ہوئے ہیں اور آپ کی حقیر توہین میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کر رہے ہیں لیکن اللہ نے یہ فیصلہ بھی کر لیا ہے کہ آپ کا نام اور آپ کا ذکر اونچا اور بلند ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس کا نام اونچا ہوگا اس کی

شان کس قدر بلند ہوگی اور اس کا دین کس قدر مقبول و سر بلند ہوگا،

تفسیر:-

فرمایا: کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ الخ

شرح صدر کا معنی:

اس سے پہلے صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو غائب کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا تھا، کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا، پھر آپ کو ٹھکانا دیا اور اس صورت میں منکلم کے صیغہ کے ساتھ آپ سے خطاب فرمایا ہے: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔

اس آیت میں ”نشرح“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”شرح“ ہے۔ ”شرح“ کا معنی ہے: نرم کرنا، وسیع کرنا اور کھولنا یعنی کیا ہم نے آپ کا سینہ وسیع نہیں کر دیا، یا کیا ہم نے اسلام کے لیے آپ کا سینہ نرم کر دیا۔ کفار کے طعن و تشنیع اور ان کی دل آزار باتوں سے آپ کو رنج ہوتا تھا اور آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور وسیع کر دیا۔

شرح صدر کی تفصیل:

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا: میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا، میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا، میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ، میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا، پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے، ایک نے دور سے کہا: کیا یہ وہی ہے اس نے کہا: ہاں، پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے، ان دونوں مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرادیا، پھر انھوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ، پھر انھوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا، پھر کہا، ٹھنڈا پانی لاؤ، پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا، پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو، پھر ایک نے دوسرے سے کہا، ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو، پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈرتھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے، پھر ان میں سے کسی نے کہا، اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا، پھر میں اپنی رضائی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی مصیبت نہ آجائے گی، انھوں نے کہا، میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا، حتیٰ کہ ہم میری والدہ تک پہنچا گئے، میری رضائی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا، میری والدہ اس

سے خوفزدہ نہیں ہوئیں اور فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔
(مسند احمد ج ۴ ص 184-185 طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث 1181:، دلائل النبوة للبیہقی ج ۲ ص ۷ مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۱۸۱، حافظ البیہقی نے کہا: امام احمد کی سند حسن ہے، البدایہ والنہایہ ج ۲

آپ کا شق صدر کتنی بار ہوا؟

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 582ھ اور حافظ محمود بن احمد مینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بعض علما نے معراج کی شق صدر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شق صدر صرف آپ کے بچپن میں (چار یا پانچ سال کی عمر میں) ہوا ہے، جب آپ بنو سعد میں تھے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ آپ کا شق صدر بعثت (اعلان نبوت) کے وقت بھی ہوا ہے اور معراج کی شب بھی ہوا ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف عادت امور سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے اور اس میں معجزہ کا اظہار ہے اور شق صدر کی حکمتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) بچپن میں آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کی نشوونما کامل ترین احوال میں ہو اور آپ شیطان سے معصوم رہیں، یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس (رض) سے روایت ہے کہ آپ کے سینہ سے جما ہوا خون نکال کر پھینک دیا اور کہا: یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا۔

(۲) بعثت کے وقت آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کے قلب میں وہ چیز ڈالی جائے، جس سے آپ کا قلب قوی ہو جائے اور وحی کو قبول کر کے۔

(۳) معراج کے موقع پر آپ کا شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے قلب میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی صلاحیت حاصل ہو۔
(عمدة القاری ج ۱۷ ص 30-31 فتح الباری ج ۷ ص 604-605)

فرمایا: اور آپ سے (پر مشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیا۔ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا تھا۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ”وزر“ کا مطلب:

اس آیت میں ”وزر“ کا لفظ ہے، بعض مفسرین نے اس کا معنی گناہ کیا ہے، چونکہ ”وزر“ کی نسبت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہے، اس لیے اس کا معنی گناہ کرنا صحیح نہیں ہے، سو یہاں اس کا معنی ہے، پر مشقت کاموں کا بوجھ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

عبد العزیز بن یحییٰ اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: ہم نے آپ سے نبوت کے بوجھ اور اس کے فریاض کی ادائیگی میں تخفیف کر دی تا کہ فراتس نبوت کو ادا کرنا آپ پر دشوار نہ ہو۔

حضرت عائشہ (رض) فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے ایام میں آپ پر وحی نازل ہوتی تو وحی منقطع ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲: صحیح مسلم رقم الحدیث:)

حضرت عائشہ (رض) کی روایت کردہ طویل حدیث کے آخر میں ہے:

حضرت خدیجہ (رض) آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ بن نوفل نے آپ کو تسلی دی اور کہا: آپ کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا تھا۔۔۔ پھر کچھ دنوں بعد ورقہ فوت ہو گئے اور وحی کا آثار رک گیا، حتیٰ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہت غم گین ہوئے (امام زہری فرماتے ہیں: ہمیں جو حدیث پہنچی ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ پر غم کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ آپ نے کئی بار خود کو پہاڑ کی چوٹیوں سے گرانے کا ارادہ کیا اور ہر بار جب بھی آپ خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تو آپ کے سامنے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آجاتے اور کہتے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بیشک آپ رسول برحق ہیں، پھر آپ کا اضطراب ختم ہو جاتا اور آپ کا دل ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ واپس چلے جاتے، پھر جب کافی دنوں تک وحی نہ آتی تو پھر آپ اسی طرح پہاڑ پر جاتے اور پہاڑ کی بلندی سے خود کو گرانے کا ارادہ کرتے اور جبرائیل آپ کے سامنے نمودار ہو کر اسی طرح کہتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۹۸۲:)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے، امام ابو نعیم نے اپنی مستخرج میں شیخ بخاری یحییٰ بن یحییٰ سے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے، اسماعیل نے بھی کہا ہے کہ یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے، امام مسلم، امام احمد، امام اسماعیلی اور امام ابو نعیم نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے اور یہ حدیث بلاغات زہری سے ہے اور متصل نہیں ہے (لہذا یہ حدیث منقطع ہے اور چونکہ امام بخاری کے شیخ یحییٰ بن یحییٰ اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے، اس لیے یہ حدیث شاذ ہے اور کیونکہ اس حدیث کا متن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر موجب طعن ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: اس روایت کا متصل نہ ہونا ہی معتمد ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص 383، ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

(۱) ”وَرَزُّهُ“ مراد یہ ہے کہ آپ کی قوم حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت کے خلاف جو کام کرتی تھی، آپ ان کاموں کو کمرہ جانتے تھے اور ان کی وجہ سے آپ کی طبیعت پر بوجھ تھا اور آپ خود ان میں تغیر کرنے پر قادر نہ تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ط (آل عمران: ۵۰) تم لوگ ملت ابراہیم کی پیروی کرو، جو باطل ادیان سے الگ ہیں۔ اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۲) نبوت کے فرائض منصبی کا جو آپ پر ثقل تھا، اس بوجھ کو اتار کر آپ کے فرائض منصبی میں تخفیف کر دی۔

(۳) امت کے گناہ بھی آپ کی طبیعت پر بوجھ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے شفاعت کا وعدہ فرما کر اور ”وَلَوْ يَعْطِيكَ“

ربک فترضی۔" (الضحیٰ: ۵) نازل فرما کر اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۴) اگر آپ کے گنہ ہوتے تو ان کے بوجھ سے آپ کی عمر ٹوٹ جاتی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنا کر اس بوجھ سے معصوم اور مامون کر دیا۔

(۵) اگر یہ سورت ابو طالب کی موت کے بعد نازل ہوئی ہے تو ان کی موت سے جو آپ کو شدید قلق ہوا تھا، اس بوجھ سے مراد وہ قلق ہے اور جب شب معراج سب نبیوں نے آپ کو خوش آہد ید کہا اور آپ کی تحسین کی اور آپ کا ذکر بلند فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(تفسیر گیر ج ۱ ص 207-ھ)

فرمایا: اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

رفع ذکر کی تفصیل:

(۱) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر لازم کر دیا ہے کہ وہ آپ کے اوپر ایمان لائے، حتیٰ کہ کسی شخص کا اللہ پر اور اس کی توحید پر ایمان لانا، اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ آپ کے اوپر ایمان نہ لائے اور نہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت مقبول ہوگی، جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت نہ کرے، قرآن مجید میں ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی پس بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۲) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اذان میں اقامت میں، نمازیں، تشہد میں، غرض ہر مقام پر اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر رکھا ہے۔

(۳) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر رسالت اور نبوت کے آپ کا ذکر نہیں کیا، پس فرمایا:

محمد رسول اللہ (فتح: ۲۹) اور فرمایا: "یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک" (المائدہ: ۶۷) اور فرمایا: "یا ایہا

النبی لم یحرم ما احل اللہ لک" (التحریم: ۱) اور اللہ تعالیٰ نے (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۸۲ھ)

(۴) علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ اذان، اقامت، تشہد اور جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ میں منبروں پر اور ایام تشریق، یوم عرفہ اور رمی جمار کے وقت اور صفا اور مروہ پر، اور خطبہ نکاح میں اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اللہ عزوجل کی عبادت کرے اور جنت اور دوزخ اور تمام مغیبات کی تصدیق کرے اور یہ شہادت نہ دے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہیں تو اس کی عبادت سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ کافر رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا اور آپ سے پہلے نازل کی ہوئی کتابوں میں آپ کا

ذکر کیا اور پہلے رسولوں کو آپ کی بشارت دینے کا حکم دیا اور ہر دین پر آپ کے دین کو غالب کر دیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسمان کے فرشتوں میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور زمین پر مومنین میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور ہم آخرت میں آپ کے ذکر کو بلند کریں گے اور آپ کو مقام محمود اور بلند درجات عطا کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۹۴ھ)

فرمایا: پس بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پس جب آپ (تبلغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوں۔ اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہوں۔

ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں:

الانشریح ۵: اور الانشریح ۶: میں لفظ ”العسر“ مکرر ہے اور یہ معرّفہ ہے اور لفظ ”یسر“ بھی مکرر ہے اور یہ نکرہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب معرّفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے یعنی ”العسر“ ایک ہے اور ”یسر“ دو ہیں ”اور“ ”العسر“ کا معنی ہے: مشکل اور ”یسر“ کا معنی ہے: آسانی، سو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں: پس جب کسی انسان کو اپنی مہم میں مشکلات درپیش ہوں تو اسے گھبرانا نہیں چاہیے اور ان آیتوں میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں رکھی ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت عمر اور حضرت علی (رض) نے کہا کہ ایک مشکل کبھی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکے گی۔ حافظ ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا کہ ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہنستے ہوئے خوش خوش باہر آئے، آپ نے فرمایا: ایک مشکل دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی، پھر آپ نے ان دو آیتوں کی تلاوت فرمائی۔

(المستدرک ج ۵ ص 528 طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث 395: المکتبۃ العربیہ، کنز العمال ج ۲ ص 14)

اس آیت میں دو آسانیوں سے مراد اسلام اور دین ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک آسانی سے مراد دنیا کی فتوحات ہوں اور دوسری آسانی سے مراد جنت کی نعمتیں ہوں۔

فرمایا: پس جب آپ (تبلغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوں۔

تبلغ کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کرنا:

قتادہ، ضحاک اور مقاتل نے کہا، جب آپ فرض نماز سے فارغ ہوں تو پھر کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ دعا کریں، آپ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ سوال کریں تو وہ آپ کو عطا فرمائے گا۔

شعبی نے کہا: جب آپ نماز میں تشہد پڑھنے سے فارغ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیا اور آخرت کی بہتری کے لیے دعا کریں۔

علی بن طلحہ نے کہا: اپنی فراغت کے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی نفلی عبادات کے ساتھ خاص کر لیں۔

وعدہ کی تاکید کیلئے آیا ہے۔ فَاِذَا (اِذَا) ف، حرف عطف، پس، اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط، جب (پس جب) فَرَعْتُ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر فَرَعْتُ فَرَعْتُ فَرَعْتُ، مصدر فَرَعْتُ فَرَعْتُ فَرَعْتُ، فارغ ہوتا، فرصت پانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (آپ فارغ ہو جائیں) فَاَنْصَبْتُ (ف، اَنْصَبْتُ) ف، حرف عطف، تو، اَنْصَبْتُ، فعل امر واحد مذکر حاضر اَنْصَبْتُ اَنْصَبْتُ اَنْصَبْتُ، مصدر اَنْصَبْتُ اَنْصَبْتُ اَنْصَبْتُ، محنت کرنا، آپ محنت کریں (تو آپ) عبادت میں) محنت کریں) و، حرف عطف (اور) اِلٰی رَبِّكَ (اِلٰی۔ رَبِّ۔ كَ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی طرف) فَاَزْعَبْتُ (ف۔ اَزْعَبْتُ) ف، حرف عطف، پس، اَزْعَبْتُ، فعل امر واحد مذکر حاضر اَزْعَبْتُ اَزْعَبْتُ اَزْعَبْتُ، مصدر اَزْعَبْتُ اَزْعَبْتُ اَزْعَبْتُ، متوجہ ہونا، راغب ہونا

(الحمد للہ سورہ انشراح مکمل ہو گئی)

[سورۃ النین]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۸ تا ۱۲

وَالَّذِينَ وَالزَّيُّنُونَ (۱) وَظُورِ سَيِّدِينَ (۲) وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۴) ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (۵) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۶) فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدَ الْبَلَدِ الْأَمِينِ (۷) أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ (۸)

ترجمہ:

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی! (۱) اور طور سینین کی! (۲) اور اس امن والے شہر کی! (۳) بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔ (۴) پھر ہم نے اسے تمام نیچوں سے نیچے درجے میں لوٹا دیا (۵) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ (۶) پس اس کے بعد کون سی چیز تجھے جزا کے بارے میں جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟ (۷) کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ (۸)

تو اسی:

اس سورت کا نام سورۃ النین ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں تین کا لفظ موجود ہے۔ جس سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔ اس سے پہلے ستائیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا اٹھائیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جن خاص انعامات سے نوازا گیا تھا، ان کا ذکر تھا۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قلب کو وحی الہی اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے لیے کھول دیا اور آپ کے حوصلہ کو اس قدر بلند اور قلب مبارک کو وسیع کر دیا کہ اس میں علوم و معارف اور حقائق و حکم کے سمندر سما گئے، اور

آپ کا نام بلند کر دیا۔ اور شان اس قدر اونچی کہ اس سے بڑھ کر کسی عظمت و بلندی کا تصور نہیں ہو سکتا، اب اس مناسبت سے اس سورت میں انجیر و زیتون جیسے عظیم المنفعۃ پھگوں اور درختوں اور طور سنہن اور بلدۃ الحرام جیسے متبرک اور مقدس مقامات کی قسم کھا کر انسان تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی زندگی میں واقع ہونے والے تغیرات سے بعد الموت اور مسئلہ مجازات کو ثابت فرمایا گیا،

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی! (۱) اور طور سنہن کی! الخ

”التین“ کا معنی اور اس کے طبی فوائد

التین ۱: میں ”تین“ اور ”زیتون“ کے الفاظ ہیں۔ ”تین“ کا معنی ہے انجیر، انجیر اور زیتون دو مشہور پھل ہیں، انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے، اس میں فضلہ اور فائدتو مادہ نہیں ہوتا، اس میں لطیف غذائیت ہوتی ہے، یہ زود ہضم ہے، نفع آور دوا ہے، طبیعت کو نرم کرتا ہے، بلغم کو تحلیل کرتا ہے، گردوں کو صاف کرتا ہے، مثانہ کی پتھری کو توڑتا ہے، جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فریہ کرتا ہے اور حدیث میں ہے یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ (بیضی مع الحنفی ج ۹ ص ۵۲۱ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

انجیر یونان، ترکی، اسپین اور فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ انجیر فیض کشاء ہے، انجیر کا دودھ بواسیری مسوں کا علاج ہے، اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بخود دور ہو جاتا ہے اور مساجھڑ جاتا ہے۔ بلغم کو پکا کر خراج کرتا ہے، اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے، پسینہ آور ہے، اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے، چونکہ یہ پیشاب آور ہے اس لیے گردہ اور مثانہ کی پتھری بھی نکالتا ہے۔

”زیتون“ کا معنی اور اس کے طبی فوائد

زیتون مشہور پھل ہے، یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے، مثلاً یونان، فلسطین اور اسپین وغیرہ، اس کا پھل قدرے کسید ہوتا ہے، اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغن زیتون کہتے ہیں، روغن زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے، قرآن مجید میں زیتون کے ورخت کا ذکر فرمایا ہے:

(المومنون ۲۰): اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے، جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے۔

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، سالن پر ”صغ“ کا اطلاق فرمایا ہے۔ ”صغ“ کا معنی رنگ ہے اور روٹی سالن کے ڈبوں سے رنگین ہو جاتی ہے، طور سینا اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوا ہے۔ زیتون کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

زیون کی مسواک کیا خوب ہے، وہ مبارک درخت کی ہے، وہ بدبو کو زائل کرتی ہے اور منہ کو خوش بو دار کرتی ہے، یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۸۲: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ حاشیہ الکشاف ج ۴؛ ص 773)

”دائین والزیون“ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال:

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ”الزین“ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی مسجد ہے، جو جودی پر بنی ہوئی تھی، اور زیتون سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔ ضحاک نے کہا: ”الزین“ مسجد حرام ہے اور ”الزیتون“ مسجد افضی ہے۔ ابن زید نے کہا ”الزین“ مسجد دمشق ہے اور ”الزیتون“ مسجد بیت المقدس ہے، قتادہ نے کہا: ”الزین“ دمشق کا پہاڑ ہے اور ”الزیتون“ بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور محمد بن کعب نے کہا: ”الزین“ اصحاب الکہف کی مسجد ہے اور ”الزیتون“ مسجد ایلیاء ہے، کعب الاحبر اور عکرمہ نے کہا، ”الزین“ دمشق ہے اور ”الزیتون“ بیت المقدس ہے، الفرما نے کہا: ”الزین“ حلوان سے ہمدان تک کے پہاڑ ہیں اور ”الزیتون“ شام کے پہاڑ ہیں، ان کو طور زینا اور طور تینا کہا جاتا ہے، عکرمہ سے ایک روایت ہے کہ ”الزین“ اور ”الزیتون“ شام کے دو پہاڑ ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ”الزین“ اور ”الزیتون“ سے مراد انجیر اور زیتون کے درخت ہیں اور ان سے مسجد یا شہر مراد لینا مجاز ہے اور بغیر ضرورت کے قرآن مجید کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔

فرمایا: اور طور سینین کی۔

”طور سینین“ کا مصداق:

مجاہد نے کہا ”طور“ سے مراد پہاڑ ہے اور ”سینین“ سریانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مبارک، قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: خوب صورت اور مبارک، نیز عکرمہ نے کہا: ”طور“ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ندا کی تھی۔ مقاتل اور کلبی نے کہا: ”سینین“ ہر اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں، یہ اہل مبط کی لغت ہے، اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ یہ پہاڑ شام میں اور ارض مقدسہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ برکت دی ہے، قرآن مجید میں ہے:

المسجد الاقصا الذی برکنا حوله (بنی اسرائیل: ۱) وہ مسجد قاصی جس کے ارد گرد ہم نے برکت دی ہے۔

فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

شہر مکہ کی قسم کھانے کی توجیہ:

اس آیت میں مکہ کو ”امین“ فرمایا ہے، کیونکہ جو جانور یا انسان مکہ میں داخل ہو وہ امن وال ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دمشق کے پہاڑ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پناہ کی جگہ ہے اور بیت المقدس کی قسم کھائی کیونکہ وہ انبیاء (علیہم السلام) کے قیام کی جگہ ہے، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پناہ کی جگہ ہے اور بیت المقدس کی قسم کھائی کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے قیام کی جگہ ہے، کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نشانی ہے اور شہر مکہ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مولد اور مہبط وحی ہے۔

فرمایا، بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا۔

”انسان“ کے مصداق میں اقوال اور اس کے بہترین حالت میں ہونے کی توجیہ؛

ایک قول یہ ہے کہ ”انسان“ سے مراد کافر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد الولید بن المغیرہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کلدہ بن اسید ہے، ان اقوال کی بناء پر یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس ”انسان“ سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی اولاد ہے۔

بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ انس کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے، کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے، اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے، منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔

قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان یا انسان میں علم، قدرت ارادہ کرنے، باتیں کرنے، سننے، دیکھنے، تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی اور یہ تمام رب تبارک و تعالیٰ کی صفات ہیں، گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے، حدیث میں ہے، حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے، حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 627: صحیح مسلم رقم الحدیث 2841)

علماء نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں صورت بہ معنی صفت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت کے معروف معنی سے پاک ہے اور کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں ہے۔

فرمایا: پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں اٹھا دیا۔ سو ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، سو ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے۔ کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔

مومنین کا ملین کا ارڈل عمر سے محفوظ رہنا:

سب سے نچلے طبقہ میں لوٹانے کا مطلب:

(۱) سب سے نچلے طبقہ سے مراد دوزخ ہے، یعنی کافر کو ہم نے دوزخ میں لوٹا دیا اور مومن کو جنت کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ دوسری آیت کے استثناء سے ظاہر ہے۔

(۲) کافر کو ہم نے اس کے اختیار رکھے ہوئے سب سے نچلے افعال اور اعمال کی طرف لوٹا دیا، جو شرک اور کفر ہیں اور مومن کو ہم نے اس کے اختیار سے کئے ہوئے سب سے بلند اور بالا اعمال کی طرف لوٹا دیا، جو توحید و رسالت پر ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔

(۳) انسان کو ہم نے ارڈل عمر کی طرف لوٹا دیا، جب اس کی قوی کم زور اور حواس معطل ہو جاتے ہیں۔

فرمایا: سو ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، سو ان کے لیے کبھی ختم ہونے والا اجر ہے۔ یعنی ہر انسان کو ارڈل عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، ماسوا مومنین صالحین کے ضحاک نے بیان کیا ہے کہ جب بندہ اپنی جوانی میں زیادہ نمازیں پڑھتا ہے اور زیادہ روزے رکھتا ہے اور زیادہ صدقات کرتا ہے، پھر جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور جوانی کی طرح نیک اعمال نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جوانی کے نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب بندہ سفر کرتا ہے یا بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی اقامت اور صحت کے ایام کے کئے ہوئے نیک اعمال کا اجر لکھ دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 2996:)

عکرمہ نے بیان کیا: جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہتا ہے، وہ ارڈل عمر کی طرف نہیں لوٹے گا (تاہم یہ کلیہ نہیں ہے۔) حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ اس کو مبارک ہو جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے نیک اعمال زیادہ ہوں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث 6329:، حلیۃ الاولیاء، ج ۶ ص ۱۱۱، مسند احمد ج ۴ ص 188)

فرمایا: سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے۔

یعنی ان دلائل کے ظہر ہونے کے بعد اے رسول مکرم! آپ کی کون تکذیب کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کی ایک بوند سے تدریجاً مکمل انسان بنا دیا، پھر اس کو جوان مرد بنایا، پھر ادھیڑ عمر تک پہنچایا، پھر تدریجاً اس کو کم زور کرتا رہا حتیٰ کہ اسے ناکارہ عمر تک پہنچا دیا اور اس جسمانی تغیر میں اس پر واضح دلیل ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے اور میدان حشر میں جمع کرنے پر قادر ہے۔

فرمایا کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔۔

حضرت علی اور حضرت ابن عباس (رض) جب یہ آیت پڑھتے: "اليس الله باحكم الحاكمين" (التین: ۸) تو

[سورة العلق]

آیت ۱ تا ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (۳) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۵)

ترجمہ:

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ (۱) اس نے انسان کو ایک جے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ (۲) پڑھ اور تیرا رب ہی سب سے زیادہ کرم والا ہے۔ (۳) وہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا۔ (۴) اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورة العلق ہے۔ دوسری آیت کریمہ میں علق کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ قرآن پاک کی وہ سورت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ پوری تو نہیں لیکن اس کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ تو نزول کے اعتبار سے اس کا پہلا نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں ارتقائے انسانی کا ذکر تھا، اس کی پستی و بلندی کا ذکر ہوا۔ یہاں پستی و بلندی کا راز بتایا جا رہا ہے، انسانیت کی ترقی کا راز علم میں ہے وہ علم جو انسان کو اللہ سے قریب کرے۔ ”اقرا باسم ربك الذي خلق“ جس کی ابتدا اور ”واسجد واقترب“ جس کی انتہا ہے۔ یہی علم، روح کی غذا ہے۔ اس کا سرچشمہ وحی الہی ہے۔

شان نزول:

اس کا شان نزول اس طرح ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبوت ملنے سے پہلے غار حرا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے تھے۔ یہ غار حرا جبل نور کی چوٹی پر آج بھی اسی شکل میں موجود ہے۔ پہلی کتابوں میں میں جبل نور کا نام فاران تھا۔ یہ کافی دشوار گزار پہاڑ ہے۔ اس پر چڑھنا کافی مشکل ہے۔ ہمت والے لوگ چڑھتے ہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھجوریں، پانی کی صراحی ستواور خشک جو بھی خوراک اس وقت میسر ہوتی تھی ساتھ لے کر کئی کئی دن اور راتیں وہیں عبادت کیا کرتے تھے، تو حضرت جبرائیل (علیہ السلام) جبل نور پر انسانی شکل میں تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑا تھا اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ وہ کلڑا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کیا اور اقرأ آپ پڑھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

وسلم) نے فرمایا انا بقراء میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سینے کے ساتھ لگا کر زور سے دبایا اور کہا اقرأ پڑھو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھر فرمایا انا بقاریء میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تیسری مرتبہ پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سینے کے ساتھ لگایا اور کہا اقرأ پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، سے لے کر مالم یعلم تک پہلی وحی نازل ہوئی ہے۔ (بخاری)

تفسیر:-

فرمایا: اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا، الخ

آغاز وحی و نزول قرآن:

نبوت سے پہلے حضرت محمد (ﷺ) مکہ کے قریب غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک جبریل امین آئے اور اس نے آپ کے سامنے اس سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں تلاوت کیں۔ نبی (ﷺ) نے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے۔

(عن عائشة (رض) قالت أول ما نبأ به رسول الله (ﷺ) من الوحي: فرجع بهار رسول الله (ﷺ) يزحف فواكه قد خَلَّ على خديجة فقال زملوني زملوني فزملوني حتى ذهب عنه الروع فقال لخديجة وأخبرها ما أخبرك لقد أخبرتني على نفسي فقالت خديجة كلا والله لا يخبرك الله أبدا إنك لتعصم الرحم وتصدق الحديث وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق ثم انطلقت به خديجة إلى ورقة بن نوفل ابن عمه خديجة فقالت له يا ابن عم اسمع مني إني أخيتك فقال له ورقة يا ابن أخي ماذا ترى فأخبره رسول الله (ﷺ) خبر ما رآى فقال له ورقة هذا الناموس الذي أنزل الله على موسى يأتى نبي فينزلها فجدها ليعبى أن يكون حيا إذا نحر جك قومك فقال رسول الله (ﷺ) أو نحر جى هم قال نعم ثم يأت رجل قطعه قبل ما جمعت به إلا عودى وإن يدركني يومك أنصرك نصرًا مؤزرًا ثم لم يلبس ورقة أن توفي وفتر الوحي) (رواه البخاري: باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله (ﷺ))

”حضرت عائشہ (رض) کے بارے اس طرح بیان کرتی ہیں کہ۔۔ رسول اللہ (ﷺ) اس وحی کے ساتھ واپس لوٹے تو آپ کا دل گھبرا رہا تھا۔ آپ خدیجہ (رض) کے پاس آئے اور ان سے فرمایا مجھے! کبیل اوڑھا دو۔ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا یہاں تک آپ سے خوف کی کیفیت دور ہو گئی۔ آپ نے حضرت خدیجہ (رض) کو سارا ماجرا بیان کیا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، انہوں نے آپ کو تسلی دی کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاج کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمان کو کھانا کھلاتے ہیں اور مصیبت زدہ اور ضرورت مند کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدیجہ (رض) آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو حضرت خدیجہ (رض) کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے ورقہ سے کہا، اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے آپ سے پوچھا اے میرے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ نبی (ﷺ) نے اسے پورا واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے کہا، یہ تو وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی دے کر بھیجا تھا۔ کاش! میں

تمہارے عہد نبوت میں جوان ہوتا اور کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ نبی (ﷺ) نے پوچھا۔ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں! کیوں نہیں جب بھی کسی کو رسالت سے نوازا گیا تو اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ جب لوگ تمہیں نکالیں گے اگر میں اس وقت تک زندہ رہا، تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور آپ پر وحی کا سلسلہ چند روز کے لیے منقطع رہا، مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں بالاتفاق پہلی وحی شمار ہوتی ہیں جیسے کہ صحیحین میں حضرت عائشہ (رض) کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا حصہ اس وقت نازل ہوا جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرم میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابو جہش نے ڈرا دھمکا کر آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ سورۃ کے آخر میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی ہے کہ بلا خوف و خطر نماز پڑھتے رہے اور ان دھمکیوں کی پروا مت کیجئے۔

فرمایا: اس نے انسان کو ایک جے ہوئے خون سے پیدا کیا، الخ

انسان کی پیدائش:

منی کے قطرے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے خون کا لوتھڑا بنا دیتا ہے پھر وہ سخت ہو کر بوٹی بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے انسانی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ پھر چار ماہ بعد اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں روح پھونک دیتے ہیں۔ پانچ ماہ بچہ بغیر سانس لیے ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے مرتا نہیں۔ مگر وہی بچہ پیٹ سے باہر آنے کے بعد ایسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں ہوا نہ ہو تو مر جاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کم و بیش پانچ ماہ تک ماں کے پیٹ کے میں زندہ رہتا ہے جہاں ہوا کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے، پھر اس کی تصویر بناتا ہے اور اس میں اس کی سماعت، اس کی بصارت، اس کی کھال، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں پیدا فرماتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مونث! پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! اس کی زندگی کتنی ہے؟ پس تمہارا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ اس صحیفہ کو لے کر نکل جاتا ہے، پس اللہ کے حکم پر کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ (صحیح رقم الحدیث 2645:)

دیگر احادیث میں اس طرح ہے: چالیس دن نطفہ رہتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت بن جاتا ہے، پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، پھر اس میں چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، پھر فرشتہ اس کا رزق، اس کی مدت حیات، اس کا عمل اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ احادیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث 6594: صحیح مسلم رقم الحدیث 2643: سنن ابوداؤد رقم الحدیث 4708: سنن ترمذی رقم الحدیث 2137: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 176: السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث 11246:)

فرمایا: وہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا، اٹھ لکھنے کی فضیلت اور لکھنے کے متعلق احادیث؛

قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اگر قلم نہ ہوتا تو احکام شرعیہ کو لکھ کر محفوظ نہ کیا جاتا اور نہ معاش کے معاملات کو لکھ کر منضبط کیا جاتا، اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا کہ ان کو قلم سے لکھنا سکھایا اور ان کو جہالت کے اندھیروں سے ہم کی روشنی میں طرف لایا، اگر قلم نہ ہوتا تو علوم کو مدون نہ کیا جاتا اور حکمتوں کو مقید نہ کیا جاتا، اور نہ اولین اور آخرین کی خبروں کو جمع کیا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آسمانی کتابوں کو محفوظ کیا جاتا اور نہ ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال مجتہدین کو مدون اور منضبط کیا جاتا، غرض یہ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو دین اور دنیا کے حصول علم کا دروازہ بند رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جو چیز بھی سنتا تھا، اس کو یاد رکھنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا: تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہر بات سن کر لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بشر ہیں، کبھی غصہ میں بات کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں، پھر میں لکھنے سے رک گیا اور میں نے اس واقعہ کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ذکر کیا، آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم لکھتے رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث 3646:)

حضرت رافع بن خدیج (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر آئے تو آپ نے فرمایا: میری حدیث بیان کرو اور جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم آپ سے بہت احادیث سنتے ہیں، پھر ان کو لکھ لیتے ہیں، آپ نے فرمایا: لکھتے رہو، کوئی حرج نہیں ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث

4410: مسند الشامیین رقم الحدیث 227: مجمع الزوائد ج 5 ص 151)

حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے مجھ پر عداوت جھوٹ باندھا وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے، میں نے صحابہ سے کہا: آپ لوگ کیسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث بیان کرتے ہیں، حالانکہ آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد سن چکے ہیں اور آپ لوگ احادیث بیان کرنے میں

منہم کہ رہتے ہیں تو صحابہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے: اے ہمارے بھتیجے! ہم نے جو کچھ آپ سے سنا ہے، وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص 152، حافظ البیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی متروک ہے) حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: علم کو قید کرو، میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: لکھنا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث 852، حافظ البیہقی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن المؤمل ہے، ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا، اور امام حمد نے لکھا: اس کی احادیث منکر ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص 152)

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت انس (رض) نے کہا: علم کو لکھ کر قید کرلو۔ حضرت عبادۃ بن ال صامت (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ، اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھ، جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ اب تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث 2155، مسند احمد ج ۵ ص 317) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اصل میں اقلام تین ہیں: (۱) قلم اول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا (۲) قلم ثانی فرشتوں کے اقلام ہیں، وہ قلم اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے ہیں، وہ ان قلموں سے تقدیر، مستقبل میں ہونے والے امور اور بندوں کے اعمال لکھتے ہیں (۳) قلم ثالث لوگوں کے قلم ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے ہیں جن سے وہ اپنی باتیں لکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو تحریر میں لاتے ہیں اور کتابیں اور رسائل لکھتے ہیں۔

فرمایا: انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس آیت میں انسان کے مصداق میں بھی اقوال ہیں:

علامہ الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ”انسان“ سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

علم ادم الاسماء کلھا (البقرہ: ۲) آدم کو تمام اسماء کا علم دے دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ”انسان“ سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کیونکہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وعلمک ما لم تکن تعلم (النساء: ۱۱۳) اور اللہ نے آپ کو وہ تمام چیزیں سکھا دیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۸۱ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

نے دیکھا اگر اس (منع کرنے والے) نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ (۱۳) تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے۔ (۱۴)

تفسیر:

فرمایا: ہرگز نہیں، بے شک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے۔ اٹھ
”طغیان“ کا معنی:

مفسرین نے کہا: آیت ۶: سے لے کر آخر سورت تک تمام آیات ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں، اس آیت میں ”لیطغی“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”طغیان“ ہے، اس کا معنی ہے: اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔

حضرت ابن عباس (رض) نے کہا: جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مشرکین نے ان کو سنا تو ابو جہل نے آپ کے پاس آ کر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کا یہ زعم ہے کہ جو مستغنی ہوتا ہے، وہ سرکشی کرتا ہے تو آپ ہمارے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادیں، شاید ہم اس سے کچھ سونا لے لیں، پھر ہم اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین کی پیروی کریں گے، تب آپ کے پاس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کو اختیار دیں، اگر یہ چاہیں تو ہم پہاڑ کو سونا بنادیں اس کے باوجود اگر انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو ہم ان پر وہ عذاب نازل کریں گے، جو اصحاب مائدہ پر نازل کیا تھا، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو علم تھا کہ وہ اس کو قبول نہیں کریں گے، اس لیے آپ نے ان کو ان کے اسی حاکم پر باقی رکھا۔

فرمایا، اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے۔

یعنی اپنے قبیلہ اور دیگر مددگاروں کے ہونے کی بناء پر اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیتا ہے اور اس کو جب مل جاتا ہے تو وہ اپنے کھانے، پینے، لباس اور سوار یوں میں بہت اضافہ کرتا ہے۔

فرمایا: بیشک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے۔

یعنی جب ابو جہل آخرت میں پہنچے گا تو اسے اپنے تکبر اور سرکشی کی سزا مل جائے گی۔

ابو جہل کی مذمت:

فرمایا: کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔

امام ابوالحق علی بن احمد واحدی متوفی 468ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت ابوہریرہ (رض) بیان بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا میں تمہارے سامنے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منہ خاک آلود کروں؟ لوگوں نے کہا: ہاں اس نے کہا: میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کے گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا، اسے بتایا گیا کہ دیکھو وہ سامنے نماز پڑھ رہے ہیں، وہ آپ کی گردن کو روندنے

کے لیے آگے بڑھا، پھر فوراً اٹھے پاؤں لوٹ آیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہا تھا، لوگوں نے اس سے پوچھا: اے ابوالحکم! کیا ہوا، کیوں واپس آگ گئے؟ اس نے کہا: میرے اور ان کے درمیان آگ کی خندق ہے اور اس میں ہول ناک چیزیں ہیں، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر یہ ذرا بھی میرے قریب آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے کھڑے کھڑے کر دیتے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ (الوسیط ج ۴ ص 529 دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ)

فرمایا: آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتا۔ یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کافر سے خطاب فرمایا ہے کہ اے کافر! یہ بتا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو نماز پڑھ رہے ہیں ان کا نماز پڑھنا عین ہدایت ہے اور وہ جو دین کی تبلیغ کر رہے ہیں اور لوگوں کو عذاب سے ڈرا رہے ہیں اور خوف خدا کا حکم دے رہے ہیں اور تو ان کو ان نیک کاموں سے ڈرا رہا ہے۔

فرمایا: آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے اور پیٹھ پھیرے۔

یعنی ابوجہل اللہ عزوجل کی کتاب کی تکذیب کرتا ہے اور ایمان لانے سے اعراض کرتا ہے۔

فرمایا: تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے۔

ابوجہل کے لیے عذاب کی وعید:

یعنی کیا ابوجہل نے یہ نہیں جانا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، اور اس کو اس کی شرارتوں اور خباثتوں کا علم ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

کَلَّمَ، حرف ردع و زجر (ہرگز نہیں) إِنَّ الْإِنْسَانَ - إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، بلاشبہ، الْإِنْسَانُ، انسان (بلاشبہ انسان) لَيَطْلُبُ (ل- یطْلُبُ) لام تاکید، یقیناً، یطْلُبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب یطْلُبُ، مصدر یطْلُبُ، سرکشی کرنا، وہ سرکشی کرتا (یقیناً وہ سرکشی کرتا ہے) اَنْ، مصدر یہ (کہ) زَاوَةً (ز- و) زَا، فعل ماضی واحد مذکر غائب یعنی مضارع زَاوٍ یَزِي، مصدر زَوِيَّةٌ، دیکھنا، وہ دیکھتا ہے، وَ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے آپ کو (وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے) اِسْتَعْتَفَى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِسْتَعْتَفَى، مصدر اِسْتَعْتَفَا، بے پرواہ ہونا، غنی ہونا (وہ غنی ہو گیا ہے) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) اِلَى رَبِّكَ (اِلی- رَب- ک) اِلی، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی طرف اِلَیْهِ) رَجَعَ رَجْعًا، مصدر رَجَعٌ، لوٹنا، پھر جانا) اَلْمَدِیْنَةُ (ا- مَدِیْنَت) اَ، حمزہ استفہامیہ، کیا، مَدِیْنَت، فعل ماضی واحد مذکر حاضر زَاوٍ یَزِي، مصدر زَوِيَّةٌ، دیکھنا، تو نے دیکھا (کیا تو نے دیکھا) اَللّٰہِی، اسم موصول واحد مذکر (اس کو) جو) مراد ابوجہل ہے۔ یَطْلُبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب یطْلُبُ، مصدر یطْلُبُ، روکنا، منع کرنا (وہ منع کرتا ہے) عَبَدًا (اِیکت بندہ) مراد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، اِذَا، اسم ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) صَلَّى، فعل ماضی واحد مذکر غائب صَلَّى، مصدر تَصَلَّی، نماز پڑھنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ نماز پڑھتا ہے) اَلْمَدِیْنَت (ا- مَدِیْنَت) اَ، حمزہ استفہامیہ، کیا، مَدِیْنَت، فعل ماضی واحد مذکر حاضر زَاوٍ یَزِي، مصدر زَوِيَّةٌ، دیکھنا، تو نے دیکھا (کیا تو نے دیکھا) اِنَّ، شرطیہ (اگر) کَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب کَانَ یُکُونُ

، مصدر کُتِبَ، ہونا، اِن کی وجہ سے ترجمہ (وہ ہو) عَلٰی الْفُلِّ (عَلٰی - اُنکے) عَلٰی، حرف جار، پر، اُنکے، مجرور، اسم مصدر، ہدایت (ہدایت پر) اُو، حرف عطف (یا) اُنکر، فعل ماضی واحد مذکر غائب اُنکر یا اُنکر، مصدر اُنکر، حکم دینا، اِن کی وجہ سے ترجمہ (وہ حکم دیتا ہو) بِاَلْفُلِّ (بِ - اُنکے) بِ، حرف جار، کا، اُنکے، مجرور، اِنشاء، مصدر سے اسم ہے، پر ہیزار کاری، اُنکے (پہ ہزار کاری کا) اُرْمِیْتُ (اُرْمِیْتُ - اُنکے) اُرْمِیْتُ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، رَمِیْتُ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر زائی بڑی، مصدر رَمِیْتُ، دیکھنا، تو نے دیکھا (کیا تو نے دیکھا) اِن، شرطیہ (اگر) کَذَبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَذَبَ، یُکَذِّبُ، مصدر مَکْذُوبٌ، جھٹلانا، اِن کی وجہ سے ترجمہ (وہ جھٹلاتا ہو) وَ، حرف عطف (اور) تَوَلَّى، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَوَلَّى، یَتَوَلَّى، مصدر تَوَلَّى، منہ پھیرنا، منہ موڑنا، اَلَمْ یَعْلَمْ (اَلَمْ یَعْلَمْ - اُنکے) اَلَمْ یَعْلَمْ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ یَعْلَمْ، فعل مضارع منفی مجزوم محمد یلم واحد مذکر غائب عِلْمٌ، مصدر عَلِمَ، جانتا، لَمْ کی وجہ سے ترجمہ، اس نے نہیں جانا (کیا اس نے نہیں جانا) بِاَنَّ اللّٰهَ (بِ - اُنکے) اَنَّ - اللّٰهَ، حرف جار، ترجمہ کی ضرورت نہیں، اُنکے، مجرور، حرف مشبہ بالفعل، یقیناً، اللّٰه، خالق کائنات کا ذاتی نام، اللّٰه (یقیناً اللّٰه بڑی، فعل مضارع واحد مذکر غائب زائی بڑی، مصدر رَمِیْتُ، دیکھنا (وہ دیکھ رہا ہے)

آیت ۱۵ تا ۱۹

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالْأُنَاسِ (۱۵) نَاصِيَةً كَآذِیۡنَۃٍ خَاطِئَةٍ (۱۶) فَلَيُنۡذِرُنَّ كَآذِیۡنَهُ (۱۷) سَنَذِرُنَّ الرُّسُلَیۡنَ (۱۸) كَلَّا لَا تُطۡعَمُوۡهُ وَاَسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ (۱۹)

ترجمہ:

ہرگز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ گھسیٹیں گے۔ (۱۵) پیشانی کے ان بالوں کے ساتھ جو جھوٹے ہیں، خطا کار ہیں۔ (۱۶) پس وہ اپنی مجلس کو بلا لے۔ (۱۷) ہم عنقریب جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ (۱۸) ہرگز نہیں، اس کا کہنا مت مان اور سجدہ کر اور بہت قریب ہو جا۔ (۱۹)

تفسیر:

فرمایا: ہرگز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ گھسیٹیں گے۔

یہ آیت ہر چند کہ ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن یہ تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور اس آیت سے ان تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانتے اور اس کے سامنے سرکشی کرتے ہیں اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اس آیت میں ”لَنَسْفَعًا“ کا لفظ ہے۔ ”سفع“ کا معنی ہے: کسی چیز کو پکڑ کر سختی سے کھینچنا اور ”ناصیۃ“ کا معنی ہے: پیشانی کے اوپر سر کے بال۔

فرمایا: اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلا لیں گے۔

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے گزرا، اس وقت آپ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل کہنے لگا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا میں نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو ابو جہل کہنے لگا: اے محمد! آپ مجھے کس

اسم فاعل واحد مؤنث، خطاکار، ((وہ)) پیشانی (جو) جھوٹی، خطاکار ہے) لَیْنِدُغْ (ف۔ل۔ی۔ن۔د۔غ) ف، حرف عطف، پس، ل، لام امر، چاہیے کہ، یَنْدُغْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب دَعَايِدُغُوْا، مصدر دَعَايِدُغُوْا، بلانا، پکارتا، وہ بلائے (پس چاہیے کہ وہ بلائے) نَادِيْ (ہ۔ن۔ا۔دِی، مضاف، مجلس، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنی (اپنی مجلس کو) سَنْدُغْ (س۔ن۔د۔غ) س، حرف استقبال، عنقریب، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، نَدُغْ، فعل مضارع جمع متکلم دَعَايِدُغُوْا، مصدر دَعَايِدُغُوْا، بلانا، پکارتا، ہم بلائیں گے (عنقریب ہم بلائیں گے) اَلْزَبَانِيَّةِ۔ زَبَنُج، مصدر سے ماخوذ (دوزخ کے فرشتے) واحد، زَبَنُجْ، کَلَّ، حرف ردع و زجر (ہرگز نہیں) اَلْأُتْلُجْ (ا۔ا۔ت۔ط۔ج۔ہ) ا، تَطْلُجْ، فعل نہی واحد مذکر حاضر اَطْلُجْ، مصدر اَطْلُجْ، اطاعت کرنا، تابعداری کرنا، کہنا ماننا، آپ کہانہ مانیں، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا آپ اس کا کہا نہ مانیں) و، حرف عطف (اور) اُنْجِدْ، فعل امر واحد مذکر حاضر سَجْدَہٗ لُجْدَہٗ، مصدر سَجْدَہٗ لُجْدَہٗ، سجدہ کرنا (آپ سجدہ کریں) و، حرف عطف (اور) اِقْرِبْ، فعل امر واحد مذکر حاضر اِقْرِبْ لِقْرِبْ، مصدر اِقْرِبْ، نزدیک ہونا، قریب ہونا، قرب حاصل کرنا (آپ قرب حاصل کریں)

(الحمد للہ سورہ علق مکمل ہو گئی)

[سورۃ القدر]

آیت ۱ تا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۱) وَمَا اَخَذْنَاکَ مَّآ لَیْلَةُ الْقَدْرِ (۲) لَیْلَةُ الْقَدْرِ حَقُّوْا مِنْ اَلْفِ سَهْوٍ (۳) تَنْزِیْلُ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ
 فِیْہَا یَاۡخُذْنَ رَسْمُہُمْ مِنْ کُلِّ اَمْرِ (۴) سَلَامٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۵)

ترجمہ:

یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا (۱) اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ (۲) قدر کی رات ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ (۳) اس رات میں فرشتے اور جبریل روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر حکم لیکر اترتے ہیں (۴) وہ رات فجر طلوع ہونے تک سراسر سلامتی ہے۔ (۵)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ القدر ہے۔ اس کی پہلی آیت میں قدر کا لفظ مذکور ہے۔ جس سے اس سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ پانچ آیات پر مشتمل ہے
 ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورۃ اقرائیں آغہ ز اور ابتداء بعثت کا ذکر تھا، اب اس سورت میں نزول قرآن کا زمانہ اور شب قدر کی فضیلت بیان کی

جاری ہے جس میں اللہ رب العزت نے قرآن جیسی نعمت اور عظیم کتاب ہدایت نازل فرمائی۔

یا یہ کہہ دیجئے کہ گزشتہ سورت میں انسان پر عنایات والطف خداوندی کا ذکر تھا اور اس کی ترقیات کا، اب اس مناسبت سے انسانی سعادت اور فوز و فلاح کی اصل اساس کتاب الہی اور قرآن حکیم کا نزول بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ شب قدر میں ہوا، جس میں عقائد، عبادات، معاملات، تہذیب نفس، اور سیاست مدینہ کے جملہ اصول و احکام موجود ہیں اور پھر یہ کہ انسان حصول سعادت میں جدوجہد کا محتاج ہے اور عملی زندگی ہی اس کو فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچاتی ہے امم سابقہ طویل طویل مدتوں تک، عبادات شاقہ کر کے بارگاہ رب العزت میں جو تقرب حاصل کرتی تھیں وہ اس امت کے لیے ایک رات کی چند گھنٹیوں میں ہی مقدر فرما دیا۔ (معارف کا ندھلوی)

شان نزول:

اس سورت کا شان نزول اس طرح تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملی کہ میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ ستر سے زائد عمر والے کم لوگ ہوں گے۔ یہ سبق صحابہ کرام (رض) کو یاد تھا۔

پھر ایک موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد اور عابد کا ذکر کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک مجاہد تھا کہ جس کا معمول تھا کہ رات کو تہجد پڑھتا اور دن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا اور دوپہر کو تھوڑا سا سوتا تھا، آرام کرتا تھا۔ یہ عمل اس نے چوراسی سال کیا۔ چوراسی سال کے تقریباً ایک ہزار مہینے بنتے ہیں۔ صحابہ کرام (رض) نے جب یہ بات سنی تو پریشان ہو گئے، سب غمگین ہو گئے اور سر جھکا لیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا ہوا ہے؟ ایک واقعہ سن کر غمگین ہو گئے ہو؟ کہنے لگے حضرت! آپ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ اور آج آپ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے چوراسی سال اس طرح گزارے کہ رات کو تہجد اور دن کو جہاد۔ ہماری تو عمریں ہی چوراسی سال نہیں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ پھر ان میں سے نابالغی کا وقت بھی گزر جاتا ہے۔

نابالغی کے زمانے میں آدمی جو عبادت کرتا ہے اس کا ثواب اس کے والدین کو ملے گا۔ اگر نابالغی میں عبادت نہیں کرتا تو اس پر شرعاً کوئی گرفت نہیں ہے۔ مگر عادت پڑے گی۔ اگر بچپن میں عبادت نہیں کرے گا تو عادت نہیں پڑے گی۔ اس لیے حدیث پاک میں حکم آیا ہے کہ سات سال کے بچوں کو نماز کا حکم دو اور دس کے ہو جائیں اور نہ پڑھیں تو ان کو مارو۔ اور بالغ ہونے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے آب و ہوا، خوراک، ماحول، صحت، ان چیزوں پر موقوف ہے۔ اگر لڑکے لڑکی کے بالغ ہونے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر میں لازماً بالغ ہو جائے گا۔ اس سے پہلے تیرہ سال یا چودہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔

تو خیر صحابہ کرام (رض) نے کہا حضرت ہماری تو عمریں ساٹھ سے ستر کے درمیان رہیں گی ان میں کچھ زمانہ نابالغی کا بھی ہے تو وہ بنی اسرائیل کا مجاہد تو نمبر لے گیا، اس کا درجہ تو بڑھ گیا اس لیے ہم پریشان ہوئے ہیں۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک رات ایسی دی ہے کہ جو ہزار مہینے یعنی چوراسی سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (ذخیرۃ الجنان)

تفسیر:

فرمایا: یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا: الخ

”لیلۃ القدر“ میں قرآن مجید کا آسمان دنیا کی طرف نازل ہونا:

”انزلناہ“ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے، ہر چند کہ اس سورت میں اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید کا معنی ہر پڑھنے والے کو معلوم ہے اور اس کا ذکر اس کے ذہن میں مرکوز ہے، درج ذیل آیات میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر ہے:

(البقرہ ۱۸۵:) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا۔

(الدخان ۳: ۱) حامیم۔ کتاب مبین کی قسم۔ ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔

اس آیت میں ”لیلۃ مبارکہ“ سے مراد ”لیلۃ القدر“ ہے۔ شعبی نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء ”لیلۃ القدر“ میں کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) امین (علیہ السلام) نے پورے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف بیت العزۃ میں نازل کیا، پھر حضرت حضرت جبرائیل (علیہ السلام) اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کرتے رہے اور یہ مدت تیس (۲۳) سال ہے۔

صحیح یہی ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف مکمل نازل ہوا، پھر امر اور نہی اور حلال اور حرام اور مواظب اور قصص اور لوگوں کے سوالات کے جوابات میں حسب ضرورت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر تیس (۲۳) سال تک تھوڑا تھوڑا کر کے حضرت جبرائیل کے واسطے سے نازل ہوتا رہا۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ پورا قرآن ساتویں آسمان سے آسمان دنیا کی طرف رمضان میں نازل ہوا، پھر اللہ تعالیٰ جس چیز کو نازل فرمانا چاہتا، نازل فرماتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۴ رقم الحدیث 30178: دارالکتب)

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ آسمانی کتابیں چوبیس رمضان کو نازل ہوئی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 30180:)

ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحیفہ یکم رمضان کی شب میں نازل ہوئے اور زبور چھ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 30182):
ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ توراۃ اس دن نازل ہوئی جب رمضان میں چھ دن رہتے تھے اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 30179):

بعض مقامات اور بعض اوقات میں عبادت کے اجر میں اضافہ:

اس رات میں جو فضیلت رکھی گئی ہے، ہم کو معلوم نہیں کہ وہ اس رات میں عبادت کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں فرشتوں کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے، یا اس رات میں طلوع فجر تک سلامتی کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں قرآن مجید کے نزول کی ابتداء کی وجہ سے فضیلت ہے یا فی نفسہ اس رات میں فضیلت رکھی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر عبادت کرنے کی فضیلت رکھی ہے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کے برابر ہے اور میری مسجد، مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنا، دوسری جگہ سو مسجد حرام کے ایک ہزار نمازیں پڑھنے کے برابر ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث 1406): ان مقامات اور جگہوں کو عبادت کے لیے خاص کر لیا گیا اور ان مقامات پر عبادت کرنے کے ثواب کو بڑھا دیا گیا، اسی طرح بعض اوقات کو بھی عبادت کے لیے خاص کر لیا گیا اور ان اوقات میں عبادت کے اجر و ثواب کو بڑھا دیا گیا، جیسے رمضان کے مہینہ میں نوافل کا ثواب فرائض کے برابر ہے اور فرائض کے ثواب کو ستر درجہ بڑھا دیا گیا، اسی طرح لیلۃ القدر کی عبادت کو ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ کر دیا گیا۔

لیلۃ القدر میں ”قدر“ کے معانی:

اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ ”قدر“ کا معنی تقدیر ہے: ”خلق کل شیء فقدرة تقدیراً۔“

(الفرقان: ۲)

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا مناسب اندازہ کیا اس رات میں اللہ تعالیٰ آئندہ سال کے لیے جو امور چاہتا ہے وہ مقدر فرما دیتا کہ اس سال میں کتنے لوگوں پر موت آئے گی، کتنے لوگ پیدا ہوں گے اور لوگوں کو کتنا رزق دیا جائے گا، پھر یہ امور اس جہان کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کو سونپ دیئے جاتے ہیں اور وہ چار فرشتے ہیں: اسرافیل، میکائیل، عزرائیل اور جبرائیل (علیہم السلام) حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: لوح محفوظ سے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال کتنا رزق دیا جائے گا اور کتنی بارشیں ہوں گی، کتنے لوگ زندہ رہیں گے اور کتنے مر جائیں گے، عکرمہ نے کہا: لیلۃ القدر میں بیت اللہ کا حج کرنے والوں کے نام اور ان کے آباء کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کسی نام کی کمی کی جاتی ہے اور نہ کسی نام کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں مستقبل میں ہونے والے امور کے متعلق فیصلے فرماتا ہے اور ان فیصلوں کو ان فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے جو ان کو نافذ کرتے ہیں۔

اس رات کو لیلۃ القدر فرمانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ”قدر“ کا معنی عظمت اور شرف ہے ”وما قدر واللہ حق قدرہ (الانعام ۹۱)“ انھوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کی بہت قدر و منزلت ہے، زہری نے کہا: اس رات میں عبادت کرنے کی بہت قدر و منزلت ہے اور اس کا بہت زیادہ اجر و ثواب ہے، ابو ذرق نے کہا: جس شخص کی کوئی قدر و منزلت نہ ہو، جب وہ اس رات کو عبادت کرتا ہے تو وہ بہت قدر اور عظمت والا ہو جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والی کتاب، بہت عظیم الشان رسول پر، بہت عظمت والی امت کے لیے نازل کی گئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بہت خیر اور برکت اور مغفرت نازل فرماتا ہے، سہل نے کہا: اس رات کو لیلۃ القدر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے رحمت کو مقدر کر دیا ہے۔

خلیل نے کہا، ”قدر“ کا معنی تنگی بھی ہے، جیسا قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

ومن قد علیہ رزقہ (الطلاق ۲) جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا۔ اس رات میں اتنی کثرت سے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ زمین ان سے تنگ ہو جاتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲۰ ص ۱۱۶ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ) فرمایا اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لیلۃ القدر کی تعیین کا علم تھا یا نہیں؟

امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابن عیینہ نے کہا: قرآن مجید کی جس آیت میں کسی چیز کے متعلق فرمایا: ”وما اورک“ اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دے دیا ہے اور جس کے متعلق فرمایا ہے: ”وما یدریک“ اس کا علم آپ کو نہیں دیا۔ (صحیح البخاری)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری (رض) سے لیلۃ القدر کے متعلق سوال کیا، جو میرے دوست تھے، انھوں نے کہا: ہم نے رمضان کے متوسط عشرہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اعتکاف کیا، آپ بیس رمضان کی صبح کو باہر آئے اور آپ نے ہمیں خطبہ دیا اور آپ نے فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی، پھر بھلا دی گئی، اب تم اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں، پس جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ لوٹ جائے، ہم لوٹ گئے اور ہم آسمان میں کوئی باد نہیں دیکھتے تھے، پھر اچانک بادل آیا اور بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور اس کی چھت میں کھجور کی شاخیں تھیں، اور نماز کی

اقامت کہی گئی، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے، حتیٰ کہ میں نے آپ کی پیشانی پر مٹی کا نشان دیکھا۔
(صحیح البخاری)

حضرت عبادہ بن الصامت (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے باہر آئے اس وقت دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے، آپ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے آیا تھا، پس فلاں اور فلاں آپس میں لڑ پڑے تو لیلۃ القدر کی تعیین اٹھالی گی اور ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے بہترہ، پس تم اس کو انیسویں شب، ستائیسویں شب اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔ (صحیح البخاری)

لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت:

شب قدر کی تعیین کے علم کو اٹھانے کی حکمت یہ تھی کہ اللہ کے بندے لیلۃ القدر کی تلاش میں رمضان کے آخری عشرہ کی ہر طاق رات جاگ کر عبادت میں گزاریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا عبادت میں جاگنا پسند ہے۔ اور تاکہ کوئی عادی مجرم اس رات کو بھی گناہوں میں گزار دے تو اس کے نامہ اعمال میں یہ نہ لکھا جائے کہ اس نے اس عظیم رات کی دانستہ بے توقیری کی ہے۔
فرمایا: قدر کی رات ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

لیلۃ القدر کے فضیلت:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے معتمد اہل علم سے سنا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سابقہ امتوں کی عمریں دکھائی گئیں تو آپ نے اپنی امت کی عمروں کو کم سمجھا اور یہ کہ وہ اتنے عمل نہیں کر سکیں گے جتنے لمبی عمر والے لوگ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا کی، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (موطاء امام مالک رقم الحدیث 721: باب لیلۃ القدر)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا، جو اللہ کی راہ میں ایک ہزار سال ہتھیار پہنے رہا، مسلمانوں کو اس پر بہت تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ”انا انزلنہ فی لیلۃ القدر۔ وما ادرک ما لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔“ (القدر ۳: ۱) (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث 19424: تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص 593)

امام ویلی نے حضرت انس (رض) سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو لیلۃ القدر عطا کی ہے اور اس سے پہلی امتوں کو عطا نہیں کی۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۲۲ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا تو اللہ سبحانہ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 2014؛ سنن نسائی رقم الحدیث 2206؛ مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۳)

فرمایا: اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر امر کے متعلق اترتے ہیں۔ الخ
فرشتوں کے نزول کی تفصیل؛

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس رات میں فرشتے نازل ہوتے ہیں، اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام فرشتے نازل ہوتے ہیں، بعض مفسرین نے کہا: وہ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ وہ زمین پر نازل ہوتے ہیں، کیونکہ بہت احادیث میں یہ وارد ہے کہ تمام ایام میں فرشتے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے ہیں، پس جب عام ایام میں فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں تو اس عظیم الشان رات میں تو فرشتے بہ طریق اولیٰ زمین پر نازل ہوں گے پھر اس میں اختلاف ہے کہ فرشتے کس لیے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) بعض نے کہا: فرشتے اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ بشر کی عبادت اور اطاعت میں اس کی کوشش کو دیکھیں۔

(۲) فرشتوں نے کہا تھا:

وما ننزل الا بأمر ربك (مریم: ۴۳) ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل ہونے کا حکم دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں اہل جنت کے پاس فرشتے نازل ہوں گے:

یدخلون علیہم من کل باب. سلم علیکم (الرعد: ۲۴-۲۳)

فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے۔ اور کہیں گے: تم پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میں فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دے کر یہ ظاہر فرمایا کہ آخرت کی عزت افزائی تو الگ رہی، اگر تم دنیا میں بھی میری عبادت میں مشغول رہو گے تو یہاں بھی اس رات میں فرشتے تمہاری زیارت کے لیے آئیں گے۔ روایت ہے کہ حضرت علی (رض) نے فرمایا: فرشتے اس رات کو اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ ہم پر سلام پڑھیں اور ہماری شفاعت کریں، سو جس کو ان کا سلام پہنچے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۳، دار احیاء التراث

العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

روح کے مصداق میں اقوال مفسرین؛

روح کے متعلق حسب ذیل اقوال امام رازی نے ذکر کئے ہیں:

- (۱) روح بہت بڑا فرشتہ ہے، وہ اتنا بڑا ہے کہ تمام آسمان اور زمینیں اس کے سامنے ایک لقمہ کی طرح ہیں۔
- (۲) روح سے مراد مخصوص فرشتوں کی ایک جماعت ہے، جس کو عام فرشتے صرف لیلۃ القدر کو ہی دیکھ سکتے ہیں۔
- (۳) وہ اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے جو نہ فرشتوں کی جنس سے ہے، نہ انسانوں کی جنس سے ہے، ہو سکتا ہے وہ اہل جنت کے خادم ہوں۔

(۴) اس سے مراد خاص رحمت ہے، کیونکہ رحمت کو بھی روح فرمایا ہے: قرآن مجید میں ہے: یوسف ۸۷: اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(۵) اس سے مراد بہت بزرگ اور مکرم فرشتہ ہے۔

(۶) ابو نعیم نے کہا: اس سے مراد کراما کاتبین ہیں، جو مومن کے نیک کام لکھتے ہیں اور برے کاموں کے ترک کرنے کو لکھتے ہیں۔

(۷) زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح سے مراد حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ہیں، ان کی خصوصیت کی وجہ سے ان کو عام فرشتوں سے الگ ذکر کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۳۴ و ارحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

من گل امر سے مراد:

یعنی سال بھر میں جو کام ہوتا ہے اس رات اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کرتا ہے اور فرشتے اور روح اس کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ دخان میں لیلہ مبارکہ کے ذکر کے بعد فرمایا فیھا یفرق کل امر حکیم امر امن عندنا اس میں ہمارے حکم کے مطابق ہر حکمت والے کام کا انتظام کیا جاتا ہے۔

فرمایا: وہ رات فجر طلوع ہونے تک سراسر سلامتی ہے۔

سراسر سلامتی کا مطلب:

- (۱) اس میں شر نہیں یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں
- (۲) جو فرشتے نازل ہوتے ہیں وہ ساری رات اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لیے امن و سلامتی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں

(۳) ایک مطلب یہ ہے کہ اس رات میں جتنے بھی فیصلے کیے جاتے ہیں وہ سب خیر و سلامتی پر مبنی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی فرد کی بلاکت یا کسی قوم کی تباہی کے متعلق فیصلہ کیا جائے تو وہ بھی اہل زمین کی خیر و سلامتی پر مبنی ہوگا۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

إِنَّا (إِن - نَا) حرف مشبہ بالفعل، بے شک، نا، ضمیر جمع متکلم، انْزَلْنَاهُ (انْزَل - نَاهُ) فعل ماضی جمع متکلم انْزَلَ نَزَلَ، مصدر انْزَالًا، انزال کرنا، ہم نے نازل کیا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کو ضمیر کا مرجع، انْزَلْنَا، ہے (ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے) فِی لَيْلَةِ الْقَدْرِ (فِی - لَيْلَةٍ - الْقَدْرِ) فِی حرف جار، میں، لَيْلَةٍ، مجرور، مضاف، رات، شب، الْقَدْرِ، مضاف الیہ، مصدر ہے بمعنی قدرت، عزت، شرف و منزلت، قدر کی (قدر کی رات میں، شب قدر میں) وَ، حرف عطف، اور، نَا، استفہامیہ بمعنی، اکی شے، کس چیز (اور کس چیز) اَوَّلَیْکَ (اَوَّلَی - کَ) اَوَّلَی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَوَّلَی یَزِیْرُ، مصدر اَوَّلَیْزَ، جانتا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا، استفہامیہ (کیا) لَيْلَةُ الْقَدْرِ (لَيْلَةٍ - الْقَدْرِ) لَيْلَةٍ، مضاف، رات، شب، الْقَدْرِ، مضاف الیہ، مصدر ہے، قدرت، اندازہ کرنا، عزت، شرف و منزلت، قدر کی (قدر کی رات، شب قدر) لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةٍ، مضاف، رات، شب، الْقَدْرِ، مضاف الیہ، مصدر ہے، قدرت، اندازہ کرنا، عزت، شرف و منزلت، قدر کی (قدر کی رات، شب قدر) خَيْرٌ (بہتر، اچھا) مِّنْ اَلْفِ شَسْرٍ - مِّنْ، حرف جار، سے، اَلْفِ، مجرور، مضاف، ایک ہزار، شَسْرٍ، مضاف الیہ، مہینہ، جمع، شَمُوْرٌ (ایک ہزار مہینوں سے) تَرَزَّلْ، اصل میں، تَنَزَّلْ، تھا، ایک "تا" تخفیف کیلئے حذف کردی گئی ہے، فعل مضارع واحد مؤنث غائب تَرَزَّلْ تَرَزَّلْ، مصدر تَرَزَّلْ، اترنا، اَلْمَلَائِكَةُ، فرشتے، جمع کا صیغہ ہے، اس لیے ترجمہ (وہ اترتے ہیں) ہوگا۔ اَلْمَلَائِكَةُ (فرشتے) واحد، اَلْمَلَكُ، وَ، حرف عطف (اور) اَلرُّوْحُ، حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو کہا جاتا ہے (روح الامین) فَبِئْسَ (فِی - بَا) فِی حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، لَيْلَةُ الْقَدْرِ، ہے (اس میں) بِاِذْنِ (ب - اِذْنِ) ب، حرف جار بمعنی، مِّنْ، سے، اِذْنِ، مجرور، حکم (حکم سے) رَزَقْنَاهُ (رَبِّ - رَزَقْنَاهُ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کے) مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ - مِّنْ، حرف جار بمعنی، بآء کے ساتھ، کُلِّ، مجرور، مضاف، ہر، اَمْرٍ، مضاف الیہ، مصدر ہے، کام، محلہ، حالت، حکم، امر کا لفظ تمام اقوال و افعال کیلئے عام ہے (ہر امر کے ساتھ) مراد ہر اس کام کی غرض سے جو اس رات سے اگلے سال تک کیلئے ہوتا ہے۔ عَلَّمَ - عَلَّمَ - عَلَّمَ، کا مصدر (سلامتی، امان، سلام) ہِیْ، ضمیر واحد مؤنث غائب (وہ) حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (حَتَّى - مَطْلَعِ - الْفَجْرِ) حَتَّى، حرف جار، تک، یہاں تک کہ، مَطْلَعِ، مجرور، مضاف، مصدر یسعی، طلوع ہونا، طُلُوعِ، اَلْفَجْرِ، مضاف الیہ، اسم فعل و مصدر، فجر کے، وقت فجر، صبح کی روشنی (فجر کے طلوع ہونے تک)۔

(الحمد للہ سورہ قدر مکمل ہو گئی)

[سورة البینة]

آیت ۱ تا ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (۱) رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً (۲) فِيهَا كُتِبَ الْقِسْمَةُ (۳) وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَةُ (۴) وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَكَذَلِكَ دِينُ الْقِسْمَةِ (۵)

ترجمہ:

وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔ (۱) اللہ کی طرف سے ایک رسول، جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔ (۲) جن میں لکھے ہوئے مضبوط احکام ہوں۔ (۳) اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی، جدا جدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آگئی۔ (۴) اور انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام ہے سورۃ البینہ۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا سواں نمبر ہے۔ اس سے پہلے ننانویں سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت القدر میں شب قدر کی عظمت و فضیلت کا ذکر تھا، اس مناسبت سے اب اس سورت میں قبولیت عبادت کی اساس بیان کی جا رہی ہے کہ وہ بندہ کا اخلاص اور قلب کی طہارت ہے اور اسی کو نام حنیفیت ہے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا شعار تھا، نیز یہ کہ سورۃ قدر میں لیلہ القدر کی فضیلت بیان کی گئی تھی تو اب اس سورت میں سعادت و شقاوت کے اصول بیان کئے گئے تاکہ ایمان و کفر اور ہدایت و گمراہی میں کسی کو التباس نہ رہے۔

تفسیر:

فرمایا: وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔ الخ

ان آیات کی مفسرین نے بھی تقریریں کی ہیں۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متونی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

البینہ ۱: میں اہل کتاب سے پہلے ”من“ تبغیضہ کا ذکر ہے اور مشرکین سے پہلے نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب کے متعدد فرقے تھے، ان میں سے بعض کافر تھے اور بعض کافر نہیں تھے اور مشرکین تمام کے تمام کافر تھے۔ اہل کتاب میں سے بعض وہ تھے، جو ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان رکھتے تھے اور جب آپ مبعوث ہو گئے تو پھر بھی وہ آپ پر ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو پہلے بھی کافر تھے اور بعد میں بھی کافر رہے اور جب ان کے متعدد فرقے تھے تو اہل کتاب سے پہلے ”من“ تبغیضہ کا ذکر کیا یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رہے مشرکین تو ان کی ایک ہی قسم تھی اور وہ سب کافر تھے۔

اس آیت میں ”بینہ“ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، جیسا کہ البینہ ۲: میں فرمایا: وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ”بینہ“ اس لیے فرمایا ہے کہ حق اور باطل کو آپ نے ہی بیان فرمایا ہے اور دنیا اور آخرت کی ہر اہم چیز آپ نے بیان فرمائی اور اپنی نبوت اور اسلام کی صداقت پر آپ نے ہی معجزات پیش کئے، سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے، اس کو بھی آپ نے پڑھ کر سنایا، سو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی نبوت پر حجت قاطعہ اور واضح دلیل آپ کی ذات گرامی ہے، اس لیے ان دونوں آیتوں کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جن بعض لوگوں نے کفر کیا، وہ اور مشرکین اپنے دین کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، حتیٰ کہ ان کے پاس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آجائیں اور آپ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں، جس میں معتدل احکام ہیں اور اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا، جب آپ مبعوث ہو گئے، ان میں سے بعض آپ پر ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے عناداً آپ کا انکار کیا اور کافر ہو گئے۔

البینہ ۱: کا دوسرا محسوس یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین دنیا سے اس وقت تک نکلنے والے نہیں ہیں، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آجائے اور واضح دلیل سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت ان کو عذاب کے فرشتے دکھائے جائیں گے اور وہ عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے اور اس وقت دنیا سے نکل جائیں گے۔

البینہ ۲: میں پہلی تقریر کے مطابق حجت واضح کا بیان ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں، اور دوسری تقریر کے مطابق جب حجت واضح سے مراد عذاب کے فرشتے ہوں تو پھر یہاں سے نیا کلام شروع ہو رہا ہے یعنی وہ اللہ کے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، پاک صحیفوں سے مراد قرآن مجید ہے، قرآن مجید ہر چند کہ ایک صحیفہ ہے لیکن اس کو تعظیماً جمع کے مطہرہ فرمایا اور تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ذکر کتب سابقہ میں بھی تھا، جیسا کہ فرمایا:

(الشعراء ۱۹۶:) کتب سابقہ میں بھی اس قرآن کا ذکر ہے۔ کتب سابقہ میں بھی اس قرآن کا ذکر ہے۔

(الاعلیٰ ۱۸: - ۱۹) یہ نصیحت پہلے صحیفوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں سابقہ صحائف میں ہے اور سابقہ صحائف قرآن مجید میں ہیں، پس جب آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کی تو گویا سابقہ صحائف کی تلاوت کی۔

البینہ ۳: میں فرمایا: ان میں معتدل احکام ہیں۔

اس آیت میں ”قیمۃ“ کا لفظ ہے ”قیمۃ“ کا معنی ہے: صادقہ، صواب پر مبنی، درست، معاش اور معاد کو درست کرنے والی، مراد یہ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابیں درست اور مستقیم تھیں، انسان کی زندگی کی اصلاح کرنے والی تھیں اور قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کے عقائد اور صنائع پر مشتمل ہے، یعنی اس کتاب میں بہت احکام شرعیہ ہیں جو معتدل ہیں اور حکمت کے موافق ہیں۔

البینہ ۴: میں فرمایا: اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا، جب ان کے پاس واضح دلیل آچکی تھی۔ اس آیت کے دو مطلب ہیں:

(۱) بعض اہل کتاب نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت میں اس وقت اختلاف کیا، جب ان کے نزدیک دلیل سے آپ کی نبوت ثابت ہوگئی، حالانکہ اس سے پہلے وہ اس پر متفق تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور ان کے وسیلہ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ بنی بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے، لیکن جب وہ بنی بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تو ضد، عناد اور تعصب کی وجہ سے انھوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

(۲) جس چیز میں انھوں نے اختلاف کیا، وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی خلقت میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کی نشانیاں ہیں، اگر وہ ان نشانیوں میں غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، اس جگہ ”البینہ“ سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں یا قرآن مجید یا انسان کی نفس خلقت ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص 499-500 موسستہ الرسالۃ ناشرون ۱۴۲۵ھ)

البینہ ۱۱: اور البینہ ۴: میں تعارض کے امام رازی کی طرف سے جوابات:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے ان آیات کی تقریر اس طرح کی ہے:

البینہ ۱: کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان کے پاس حجت واضح نہ آجائے اور حجت واضح سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، یعنی جب سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو جائیں گے تو وہ اپنے کفر کو چھوڑ دیں گے۔

البینہ ۴: کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو گئے تو ان کا کفر زیادہ ہو گیا اور ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے صاحب کشف نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ کفار کے دو فریق تھے، اہل کتاب اور بت پرست، سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبعوث ہونے سے پہلے اہل کتاب یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے دین کو ترک نہیں

کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی مبعوث ہو جائیں، جن کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور یہ وعدہ توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ہے اور جو نبی مبعوث ہونے والے تھے وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکایت کی کہ جب وہ رسول آگئے تو انھوں نے حق کو قبول نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک تنگ دست شخص بدکار ہو، اس سے کوئی دوسرا شخص کہے: تم بدکاری چھوڑ دو، تو وہ کہے: اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو میں بدکاری چھوڑ دوں گا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسے مال دے دیا تو اس نے پھر بھی بدکاری نہیں چھوڑی، خلاصہ یہ ہے کہ البینہ ۱ میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ وہ آخری نبی مبعوث نہ ہو جائیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے قول کی حکایت کی ہے اور البینہ ۴: کا خلاصہ یہ ہے کہ واقع میں اہل کتاب نے اس رسول کے آنے کے بعد بھی اپنے کفر کو نہیں چھوڑا، سو البینہ ۱: میں اہل کتاب کے قول کی حکایت ہے اور البینہ ۴: میں واقع کی حکایت ہے، سو ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام رازی نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ ”منفکین“ کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنے کفر کو ترک کر دیں گے بلکہ اس سے مراد ہے: سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فضائل اور مناقب کو ترک کرنا، اور البینہ ۱: کا معنی یہ ہے کہ یہ کفار سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فاضل اور مناقب کے ساتھ ذکر اس وقت تک ترک نہیں کریں گے، جب تک حجت واضح نہ آجائے یعنی پہلے اہل کتاب اور مشرکین آپ کا ذکر فضائل اور مناقب کے ساتھ کرتے تھے، لیکن جب آپ مبعوث ہو گئے تو انھوں نے عناد کی وجہ سے آپ کے فضائل کا ذکر کرنا ترک کر دیا۔

امام رازی نے یہ بھی جواب یہ ہے کہ البینہ ۱: میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کا مجموعہ اپنے کفر کو ترک نہیں کرے گا، حتیٰ کہ حجت واضح آجائے یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو جائیں اور البینہ ۴: میں یہ بتایا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے کے بعد یہ مجموعہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہا بلکہ ان میں سے بعض ایمان لائے آئے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہے اور ان کا تفرقہ ظاہر ہو گیا۔

فرمایا: اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط ست کا دین ہے۔

اخلاص کی اہمیت:

یعنی ان کفار کو توراۃ اور انجیل میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کو واحد مانیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، جیسا کہ ان آیت میں فرمایا ہے:

(الذاریات ۵۶:) اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

للہ الذین الخالص (الزمر ۳:) اللہ ہی کے لیے دین خالص ہے۔

(الزمر ۱۱): آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کروں۔
”خفاء کا معنی:

اس آیت میں ”خفاء“ فرمایا ہے۔ ”خفاء“ کا معنی ہے: مائل ہوتے ہوئے، یعنی تمام ادیان اور مذاہب سے انحراف کرتے ہوئے دین اسلام کی طرف مائل ہوتے ہوئے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے دین پر سعید بن جبیر نے کہا: حنیف کا معنی ہے جو شخص ختنہ کرے اور حج کرے، اہل لغت نے کہا: جو شخص اسلام کی طرف مائل ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ”خفاء“ کی تفسیر میں کہا: مجاہد نے کہا: ”خفاء“ کا معنی ہے: حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی اتباع کرتے ہوئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:
 (النحل ۱۲۳): پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کریں، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

گویا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم لوگوں کے مزاج میں تقلید کرنے کا عنصر ہے، سو اگر تم نے تقلید کرنی ہے تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی کرو، جن کے متعلق تمام اہل مذاہب کا اجماع ہے کہ وہ ان کے اصحاب نیک اور پاکیزہ تھے، قرآن مجید میں ہے:

(المختہ ۴): تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ تھا۔

سو اگر تمہیں کسی کی پیروی کرنے کا شوق ہے تو حضرت ابراہیم کی پیروی کرو، جنہوں نے تمام بتوں سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، بتوں سے بیزاری کی پاداش میں انہیں آگ میں ڈالا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوئے اور جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح سنی ”سبح قدوس“ تو وہ ان کو بہت اچھی لگی اور اس کو دوبارہ سننے کے لیے انھوں نے اپنا تمام ماں اللہ کی اہ میں دے دیا، خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی رضا میں اپنی جان، اپنی اولاد اور اپنے مال کو خرچ کر دیا، تو تم اگر عبادت کرنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی طرح عبادت کرو، اور اگر تم پوری طرح حضرت ابراہیم کی پیروی نہیں کر سکتے تو ان کے فرزند حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی پیروی کرو، جنہوں نے کم سنی میں اللہ کی رضا اور اپنے والد کے حکم کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر دیا اور اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ دی اور تم اس مرد کامل کی اتباع بھی نہ کر سکو تو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ کی اتباع کرو، انھوں نے کس طرح اپنے غم اور غصہ کے گھونٹ پئے، اپنے بچہ کی ولادت کی مشقت اور تکلیف برداشت کی، پھر جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان کو مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں اکیلا چھوڑ کر جانے لگے اور اشارہ سے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں تو وہ اس پر رضائی ہو گئیں اور اس مصیبت پر صبر کر لیا، غرض حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ان کے فرزند حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور ان کی اہلیہ حضرت

باجر سب کے سب تسلیم و رضا کے پیکر تھے اور ان سب کی زندگیوں میں ہمارے عمل کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اخلاص اور عبادت کا معنی:

اس آیت میں ”مخلصین“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”اخلاص“ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انسان جو نیک کام کرے، اس کا باعث اس فعل کی نیکی ہو اور جو فرض یا واجب ادا کرے، اس کا باعث اس فعل کی فرضیت یا وجوب ہو، وہ محض اپنے رب کی رضا کے لیے اس فعل کو کرے، نہ وہ فعل کسی کو دکھانا مقصود ہو نہ کسی کو سنانا مقصود ہو، اصل مقصود بالذات اللہ عز وجل کی رضا ہو، جنت کا حصول بھی بالتبع مطلوب ہو اور دوزخ سے نجات بھی بالتبع مطلوب ہو۔ تو راۃ میں لکھا ہوا ہے، جس فعل سے میری رضا کا ارادہ کیا گیا وہ فعل کم بھی ہو تو اللہ کے نزدیک بہت ہے اور جس فعل سے میری رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا وہ فعل اگر بہت بھی ہو تو میرے نزدیک کم ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے والد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے یا اپنی اولاد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص نہیں ہے، اس طرح اگر اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص کہاں سے ہوگا۔ بعض مفسرین نے ”مخلصین“ کی تفسیر میں کہا: وہ عبادت کا اقرار کرتے ہوئے نیک کام کریں اور بعض مفسرین نے کہا وہ اپنے دلوں سے بادت میں اللہ کی رضا کا ارادہ کریں، زجاج نے کہا: وہ صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں، کسی اور کو اس میں شریک نہ کریں اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

(التوبہ ۲۱): اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں۔

عبادت کا معنی تدلل ہے اور اصطلاح شروع میں اس کا معنی ہے: اللہ کے لیے انتہائی تعظیم اور اپنی انتہائی عاجزی اور تدلل سے کی ہوئی اطاعت، جس سے اللہ کے کسی حکم پر عمل ہو، بچہ کی نماز کو عبادت نہیں کہتے کیونکہ وہ اللہ کی عظمت کو نہیں جانتا، اس لیے اس کے فعل میں انتہائی تعظیم ہوگی، اسی طرح یہودی کی نماز بھی عبادت نہیں ہوگی کیونکہ اس میں انتہائی تعظیم تو ہے لیکن اس کی نماز اللہ کا حکم نہیں ہے، کیونکہ اسلام کے علاوہ باقی تمام شرائع منسوخ ہو چکی ہیں، اسی طرح جو لوگ جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں اور پوری طرح رکوع اور سجود نہیں کرتے، ان کی نماز بھی عبادت نہیں ہے کیونکہ ان کی نماز میں نہ انتہائی تعظیم ہے اور نہ اس طرح نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

لَمْ یُکُنْ، فعل ناقص مضارع منفی جہد بلم واحد مذکر غائب کان یُکُونُ، مصدر کوئنا، ہونا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ نہیں تھا) اَللّٰہِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) کَفَرُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب کَفَرُوا، مصدر کَفَرًا و کُفْرًا، کفر کرنا، مِنْ اٰہْلِ الْاَلْبِی (مِن - اٰہْلِ - الْاَلْبِ) مِنْ، حرف جار، سے، اٰہْلِ، مجرور، مضاف، اہل، والے، اَلْبِی، مضارع الیہ، کتاب، (اہل کتاب میں سے) وَ، حرف عطف (اور) اَلْمُشْرِکِیْنَ - اِشْرَاک، مصدر سے اسم قائل جمع مذکر (شرک کرنے والے، مشرکین) واحد، اَلْمُشْرِکِ، مُشْرِکِیْنَ - اِنْفَکَاک، مصدر سے اسم قائل جمع مذکر

(باز آنے والے) واحد، منکث، خفی، حرف غایت (یہاں تک کہ) تاتیتہم (تاتی - ہم) تاتی، فعل مضارع واحد مؤنث غائبہ تاتی، مصدر تاتی، آجانا، وہ آجاتی، ہم، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (وہ ان کے پاس آجاتی) التیتہ (واضح دلیل) رسول (ایک رسول) من اللہ (من - اللہ) من، حرف جار بمعنی، اِلیٰ، کی طرف سے، اللہ، مجرور، خالق کائنات کا ذاتی نام، اللہ (اللہ کی طرف سے) یثکون، فعل مضارع واحد مذکر غائب یثکون، مصدر یثکون، تلاوت کرنا، پڑھ کر سنانا (وہ پڑھ کر سنانا) صیغہ منطمرہ، صیغہ، موصوف، جمع مکسر، صیغہ، واحد، صیغہ منطمرہ، صفت، تظہیرہ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث، پاکیزہ (پاکیزہ صیغہ) فیما (فی - ہا) فی، حرف جار، میں، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، صیغہ منطمرہ، ہے (ان میں) کتب قہرہ، کتب، موصوف جمع مکسر، کتابیں، لکھی ہوئی تحریریں، لکھے ہوئے احکام، واحد، کتب، قہرہ، صفت، صیغہ صفت مرفوع مؤنث، درست، سچی، مضبوط، مستحکم (لکھے ہوئے مضبوط احکام) و، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہیں) تفرق، فعل ماضی واحد مذکر غائب تفرق تفرق، مصدر تفرق، جدا جدا ہونا، پھوٹ پڑنا، لویوں میں پٹنا (وہ جدا جدا ہوئے) اللہین، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اوتوا، فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب فی یوتی، مصدر یتا، دینا (وہ دیئے گئے) الکتب (کتاب) اللہ، حرف استثنا (مگر، سوائے) من بخرنا (من - بخر - نا) من، حرف جار، ترجمہ کی ضرورت نہیں، بخر، مجرور، بعد، نا، مصدر یہ، کہ (اس کے بعد کہ) جاء شتم (جاء ش - ہم) جاء ش، فعل ماضی واحد مؤنث غائب جاء شتم، مصدر شتم، آندہ وہ آئی، ہم، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (وہ ان کے پاس آئی) التیتہ، فاعل (واضح دلیل) حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہیں) اوتوا، فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب اوتوا، مصدر اوتوا، حکم دینا (وہ حکم دیئے گئے) اللہ، حرف استثنا (مگر، سوائے) یتعبدوا (ل - یتعبدوا) ل، لام تعلیل، یہ کہ یتعبدوا، فعل مضارع جمع مذکر غائب یتعبدوا، مصدر یتعبدوا، عبادت کرنا، وہ عبادت کریں (یہ کہ وہ عبادت کریں) للہ (اللہ کی) فاعلین، مضاف، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (خالص کرنے والے) واحد، فاعلین، و، حرف جار، کیلئے، ہا، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) اللہین (دین کو) محققا، موصوف (اور) یوتوا، فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب یوتوا، مصدر یوتوا، عبادت کرنا، وہ عبادت کریں اور وہ نماز قائم کریں اور وہ زکوٰۃ ادا کریں اور یہی درست دین ہے محققا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (اللہ کی طرف ہونے والے، سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار، سب سے کٹ کر اللہ کی طرف ہو جانے والے، یکسو) واحد، حقیقت، و، حرف عطف (اور) یثکون، فعل مضارع جمع مذکر غائب اقام، مصدر اقام، قائم کرنا (وہ قائم کریں) اقلوہ (نماز کو) و، حرف عطف (اور) یوتوا، فعل مضارع جمع مذکر غائب اقی یوتی، مصدر یتا، دینا، ادا کرنا (وہ ادا کریں) الزکوٰۃ (زکوٰۃ) و، حرف عطف (اور) ذلک وین القیمہ (ذلک - وین - القیمہ) ذلک، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اصل ترجمہ "وہ" یا "وہی" ہے، ضرور تا ترجمہ "یہی" کیا جاتا ہے، وین، مشار الیہ، مضاف، دین، القیمہ، مضاف الیہ، درست، مضبوط، سچا، مستحکم (یہی درست دین ہے)

آیت ۶۷

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي تَارِجَتِهِمْ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (۱) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (۲) جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٍ يَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَرَّضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (۳)

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں۔ (۶) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، وہی

مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ (۷) ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔ (۸)

تفسیر:

فرمایا: بے شک وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں۔ الخ

کفار اہل کتاب کے عذاب کو مشرکین کے عذاب پر مقدم کرنے کی توجیہ

البینہ ۶: میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور البینہ ۸: ۷ میں مومنین کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا ہے، پہلے کفار کے عذاب اور پھر مومنین کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا تاکہ مومنین اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں کو ترک کرتے رہیں، کفار کی وعید میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک یہ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

اگر کوئی شخص ساری عمر نماز نہ پڑھے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، لیکن اگر کوئی شخص نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک بال کی بھی توہین کرے تو اس کی تکفیر کر دی جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادات اتنی عزیز نہیں ہیں جتنی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت اور حرمت عزیز ہے اور اہل کتاب میں سے کفار اللہ تعالیٰ کو تو مانتے تھے اور اس کی عبادت بھی کرتے تھے لیکن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے توقیری کرتے تھے اور مشرکین اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کفار کا عذاب بیان فرمایا جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے توقیری کرتے تھے، پھر ان کا عذاب بیان فرمایا جو شرک کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور اس سے یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ موجب غضب یہ چیز ہے کہ اس کے رسول کی بے توقیری کی جائے، اس لیے اہل کتاب میں سے کفار کے عذاب کو پہلے بیان فرمایا اور مشرکین کے عذاب کو بعد میں بیان فرمایا۔

مومنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت کے دلائل؛

البینہ ۷: میں فرمایا: بیشک جو لوگ ایمان لائی اور انہوں نے نیک اعمال کئے، وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔ اس آیت سے علماء اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ مومنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں اور تمام مخلوق میں ملائکہ بھی دخل ہیں، لہذا

مومنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں، تاہم اس میں تفصیل یہ ہے کہ رسل بشر، رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عام مومنین صالحین سے افضل ہیں اور عام مومنین صالحین عام ملائکہ سے افضل ہیں،

اہل سنت و جماعت کے موقف پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے:

امام عبدالرحمن بن حمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: فرشتوں کا اللہ کے نزدیک جو مرتبہ ہے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن بندہ مومن کا جو اللہ کے نزدیک مرتبہ ہوگا، وہ فرشتوں کے مرتبہ سے ضرور بہت زیادہ عظیم ہوگا اور تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

(البینہ ۷): بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۴۳۲: روح المعانی)

اس کے علاوہ درج ذیل حدیث ہے: مخلوق میں سب سے زیادہ کون مکرم ہے آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتیں؟ ”ان الذین امنوا و عملوا الصلحت اولئک ہم خیرا البریۃ۔“ (البینہ ۷): (الدر المنثور ج ۸ ص 538، روح المعانی ج 30 ص،

فرمایا: ان کی جزا ان کے رب پاس ہے، جو دائمی جنتیں ہیں، جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ (جزائی) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

مومنین صالحین کو جزا میں دائمی جنت عطا کرنے ایک توجیہ:

مومنین صالحین کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اعمال صالحہ کرتے رہیں گے اور اگر وہ دوام اور خلود کی زندگی پاتے تو وہ انما ایمان پر قائم رہتے اور اعمال صالحہ کرتے رہتے، ان کی اس نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں دوام اور خلود عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مومنین صالحین کی جزا دائمی جنتیں ہیں، اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ ان کو جنت ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملے گی جبکہ قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ مومنین جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

(فاطر ۳): جس نے اپنے فضل سے ہم کو ہمیشگی کے مقام میں داخل کر دیا۔

پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے، البینہ ۸: سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین صالحین کو جنت ان کے اعمال کی وجہ سے ملے گی اور فاطر ۳: سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت اللہ سبحانہ کے فضل کی وجہ سے ملے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ جنت ملنے کے دو سبب ہیں: حقیقی اور ظاہری، حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ظاہری سبب مومنین صالحین کے نیک اعمال ہیں، فاطر ۳: حقیقی سبب کا ذکر ہے اور البینہ ۸: میں ظاہری سبب کا ذکر ہے، اس لیے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض

نہیں ہے۔

مومنین صالحین اور مومنین تائبین کو ایک سے زائد جنتیں عطا فرمائے گی تھیں:

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مومنین صالحین کی جزاء دائمی جنات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مومنین صالحین کو ایک سے زائد جنتیں ملیں گی، قرآن مجید میں ہے:

وَلَنُخَوِّفُ مَقَامَ رَّبِّ جَنَّتَن - (الرحمن: ۴۶): جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ نیز فرمایا:

وَمَن دُوْنَهُمَا جَنَّتَن - (الرحمن: ۴۷) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین صالحین کے لیے چار جنتیں ہیں، امام رازی نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی چار پلکیں ہیں اور جب وہ خوف خدا سے روتا ہے تو ان چار پلکوں سے آنسو گرتے ہیں تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اس کو چار جنتیں عطا فرماتا ہے، الرحمن: ۲۶: میں خوف خدا کا ذکر مقدم ہے اور البینہ: ۸: میں خوف خدا کا ذکر موخر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ (جزا) ان کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہے، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ چار جنتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا ان مومنین صالحین کے لیے جو اپنی زندگی کی ابتداء اور انتہاء میں یعنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی صورت یہ ہے کہ جب انسان کو اس کا نفس یا شیطان کسی گناہ پر ابھارے تو اسے خدا یاد آجائے اور وہ خوف خدا سے اس گناہ سے باز آجائے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

(الاعراف: ۲۰۱): بیشک جو وہ خدا سے ڈرتے ہیں جب شیطان ان کے دلوں میں برے کام کا خیال ڈالتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں، سو اچانک ان کی آنکھیں کھلی جاتی ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر تو چار جنتیں ان مومنین صالحین کو ملیں گی، جو گناہ کرنے سے پہلے اللہ سے ڈریں اور گناہ نہ کریں اور جو لوگ شامت نفس یا اغواء شیطان سے گناہ کر گزریں، ان کا کیا انجام ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ جو مومنین گناہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈر کر توبہ کر لیں اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کریں، ان کا بھی اللہ سبحانہ سے ڈرنے والوں میں شمار ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

(آل عمران: ۱۳۶-۱۳۵) رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مومنین گناہ کرنے کے بعد اللہ سے ڈر کر فوراً توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت:

تاہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا کریں، اگر از خود رونائے تو رونے کی کوشش کریں، اس کا

طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر انعامات اور احسانات کو یاد کریں، پھر اپنے گناہوں کے متعلق سوچیں اور اپنے دل میں نادام ہوں، پھر ندامت کے غلبہ سے آنکھوں میں آنسو لائیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، جو اللہ کے خوف سے رو دیا ہو حتیٰ کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۶۳۳) (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۱۰۷: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۱۴۴: مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۵)

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۶۳۹:)

اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا جنت مطا کرنے سے بڑا انعام ہے؛

نیز مومنین صالحین کے متعلق فرمایا: اللہ ان سے رضائی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

مومنین صالحین کو پہلے یہ انعام عطا فرمایا کہ ان کو دائمی جنتیں عطا کیں، اس کے بعد اس سے بڑا انعام یہ فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مومنین پر سب سے بڑا انعام ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا، اے اہل جنت!، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت کے لیے تائید ہیں، ہر قلم کی خیر تیرے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کیا با کہ ہم تجھ سے راضی نہ ہوں، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے، جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں عطا کیا، اللہ عز وجل فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز عطا کروں؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ سبحانہ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کرتا ہوں، میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹ صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۲۹: سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۵۵: السنن، الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۷۷۴۹:)

اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندوں کی رضا کا مطلب؛

اللہ تعالیٰ کے بندوں سے راضی ہونے اور بندوں کے اللہ سے راضی ہونے کے حسب ذیل محال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندوں نے دنیا میں جو نیک کام کئے اور اللہ سبحانہ کے احکام کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے راضی ہوگا۔ اور بندوں کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو نیک اعمال کی توفیق دی اور آخرت میں جو ان پر انعام اور اکرام کیا، بندے اس سے خوش ہو گئے۔

(۲) اللہ کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندوں نے اپنی نجات کے لیے جو نیک کام کئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمایا اور اس پر ان کو ثواب عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ان پر انعام ہے کہ اس نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔ اگر اللہ ان کو معاف فرمادیتا اور ان سے درگزر فرماتا تو یہ بھی اس کا کرم تھا اور اس کا کرم بالائے کرم یہ ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔ بندے اس سے راضی ہو گئے یعنی اس کے فضل اور اس کے لطف سے خوش ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پر مشقت کاموں کا مکلف کیا اور ان پر آفات اور مصائب ڈالے، اس کے مقابلہ میں جب آخرت میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا انعام اور اکرام دیکھا تو دنیا کی تمام سختیاں ان پر آسان ہو گئیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان سے رضائی ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی اور نیک کاموں پر ان کی تحسین کی۔ بندے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جو ان کے اعمال کی جزاء عطا فرمائی، اس پر شکر ادا کیا۔ رضا کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی قضاء پر دل کا خوش ہونا اور قلم تقدیر پر دل کا مطمئن ہونا۔ بندہ جسم اور روح کا مجموعہ ہے، جسم کی جنت، جنت الفردوس اور جنت عدن ہے اور روح کی جنت اس کے رب کی رضا ہے، بندہ پر ابتدائی انعام جنت ہے اور انتہائی انعام اس کے رب کی رضا ہے، پہلے اللہ کے راضی ہونے کا ذکر فرمایا، پھر بندے کے راضی ہونے کا ذکر فرمایا کیونکہ خالق کا ذکر بندوں کے ذکر پر مقدم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو تفسیریں:

اس کے بعد فرمایا: یہ (جزا) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔ بعض مفسرین نے کہا، اس کا معنی یہ ہے کہ جب ان کے دل میں کسی گناہ کا خیلا آئے تو وہ اللہ کے خوف سے اس گناہ سے باز رہتے ہیں اور بعض عارفین نے کہا، جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، پھر بھی اللہ سبحانہ کے خوف سے لرزہ بر اندام ہوتے ہیں، پتا نہیں ہماری یہ اطاعت اور عبادت قبول ہوگی یا نہیں، قرآن مجید میں ہے:

(المومنون ۶۰): وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں (کیا پتا یہ عمل قبول ہو یا نہ ہو)۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: یا رسول اللہ! آیا یہ ڈرنے والے وہ لوگ ہیں، جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اے صدیق کیسب بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اور وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کئے جائیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۱۷۵: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۱۹۸: مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹) اس آیت کے ساتھ جب درج ذیل آیت ملائی جائے تو اس میں علم اور علماء کی فضیلت پر دلیل ہے۔

(فاطر ۲۸): اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اور جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ (البینہ ۸):۔

کوئی مسلمان اپنے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کا دعویٰ نہ کرے؛

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی مسلمان کبھی بھی اس مرتبہ پر نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ سبحانہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جائے اور اس کو یہ علم ہو کہ وہ اہل جنت سے ہے، ماسوا انبیاء (علیہم السلام) کے کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ اہل جنت سے ہیں، اس کے باوجود وہ تمام مسلمانوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں، حدیث میں ہے: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

ان اتقوا الله واعلموا باللہ انما (بے شک مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۰: سنن نسائی رقم الحدیث ۳۲۱۶):

واللہ انی لارجو ان کون اخشاکم للہ واعلمکم بما اتقی (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۱۰): اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کا علم رکھنے والا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص 252 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس مسئلہ میں یہ حدیث بہت واضح ہے:

خارجہ بن زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ ام العلاء انصاریہ کہتی ہیں کہ جب مہاجرین کو تقسیم کیا گیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون آئے، ہم نے ان کو اپنے گھر میں ٹھہرایا، وہ بیمار ہو گئے اور اس بیماری میں فوت ہو گئے، ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئے تو میں نے حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق کہا، میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہارا اکرام کیا ہے تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کا اکرام کیا ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر میرا بپ فدا ہو، پھر اللہ کس کا اکرام کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ان کے اوپر تو موت آچکی ہے اور مجھے ان کے لیے خیر کی امید ہے اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا کہ لاکھ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، حضرت ام العلاء کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے پھر کبھی کسی کی ایسی تعریف نہیں کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۳۴۳: مسند احمد ج ۶ ص ۴۳۶)

سو کسی مسلمان کا خود کو جنتی کہنا جائز نہیں ہے۔

آپ کو از خود اپنا حال معلوم نہیں تھا، تاہم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا اور شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلَّذِینَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) کَفَرُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائبہ کَفَرُوا، مصدر کَفَرًا کفر کرنا (انہوں نے کفر کیا) مِنْ لَیْلِ الْاِثْبَنْ (مِنْ - لَیْلِ - الْاِثْبَنْ) مِنْ، حرف جار، سے، لَیْلِ، مجرور، مضاف، اِلَی، والے، الْاِثْبَنْ، مضاف الیہ، کتاب، (ال کتاب میں سے) وَ، حرف عطف (اور) اَلْمُشْرِکِیْنَ - اِشْرَاک، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (شرک کرنے والے، مشرکین) واحد، اَلْمُشْرِکِ رَفِی نَارِ بَهْتَم - نِی، حرف جار، میں، نَارِ، مجرور، مضاف، اِک، بَهْتَم، مضاف الیہ، جہنم کی (جہنم کی آگ میں) خَلِیدِیْنَ - خُلُوذ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (ہمیشہ رہنے والے) واحد، خَالِدٌ، فِیتَا (فِی - ہَا) فِی، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع ہے (اس میں) اُولَئِکَ ہُمْ شَرُّ الْاَبْرِیْیَہ ۰۰۶ وہ لوگ ہی بدترین مخلوق ہیں، اُولَئِکَ، اسم اشارہ جمع بعید (وہ لوگ) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہی) شَرُّ الْاَبْرِیْیَہ (شَرُّ - الْاَبْرِیْیَہ) شَرُّ، مضاف، بدترین، الْاَبْرِیْیَہ، مضاف الیہ، بَرٌّ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث، خلقت مخلوق، خلق (بدترین مخلوق) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلَّذِینَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اَسْتَوٰ، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَسْتَوٰ، مصدر لَمَّا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) وَ، حرف عطف (اور) عَمِلُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلُوْا، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَلْفَلٰحِیَّتِ - عَمَلًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (نیک) واحد، اَلْفَلٰحِیَّتِ، اُولَئِکَ، اسم اشارہ جمع بعید (وہ لوگ) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہی) خَیْرُ الْاَبْرِیْیَہ (خَیْرُ - الْاَبْرِیْیَہ) خَیْرُ، مضاف، بہترین، الْاَبْرِیْیَہ، مضاف الیہ، بَرٌّ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث، خلقت مخلوق، خلق (بہترین مخلوق) جَزَاؤُہُمْ (جَزَاؤُہُمْ - جَزَاؤُہُمْ) جَزَاؤُہُمْ، مضاف، جزاء بدلہ، صلہ، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا، (ان کا صلہ) عِنْدَ (پاس، ہاں، نزدیک) رَبِّہُمْ (رَبِّ - ہُمْ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، ہُمْ، مضاف الیہ ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے رب) جُثَّتْ عَذٰلِی - جُثَّتْ، مضاف، جھٹکیں، باغات، واحد، جُثَّتْ، عَذٰلِی، مضاف الیہ، مصدر، رہنا، بسنا، دائمی، رہنے بسنے، ہمیشہ رہنے کے، دائمی قیام کے، دائمی رہائش کے (دائمی قیام کے باغات) تَجَرَّی، فعل مضارع واحد مؤنث غائب تجرّی، مصدر جزئیات کا تجزیہ، بہنا (وہ بہتی) مِنْ تَحْتِہَا (مِنْ - تَحْتِہَا - ہَا) مِنْ، حرف جار، سے، تَحْتِہَا، مجرور، مضاف، نیچے، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع "جُثَّتْ" ہے (ان کے نیچے سے) اَلَا تَنْہَرُوْا (نہریں) واحد، تَنْہَرُوْا، خَلِیدِیْنَ - خُلُوذ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (ہمیشہ رہنے والے) واحد، خَالِدٌ، فِیتَا (فِی - ہَا) فِی، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "جُثَّتْ" ہے (ان میں) اَبَدًا، ہمیشہ زمانہ مستقبل غیر محدود - رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے - رَضِیَ اللہُ (رَضِیَ - اللہ) رَضِیَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَضِیَ رَضِیَ، مصدر رَضَوٰ اَوْ رَضَ، راضی ہونا، وہ راضی ہو گیا، اللہ، فاعل، اللہ (اللہ راضی ہو گیا) عَنْہُمْ (عَنْ - ہُمْ) عَنْ، حرف جار، سے، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان سے) وَ، حرف عطف (اور) رَضُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب رَضِیَ رَضِیَ، مصدر رَضَوٰ اَوْ رَضَ، راضی ہونا، وہ راضی ہو گئے) عَنْہُ (عَنْ - ہَا) عَنْ، حرف جار، سے، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع اللہ، ہے (اس سے) اُولَئِکَ لَیْسَ خَیْرٌ رَبِّہُ (رح) ۰۰۸ یہ (مقام) اس کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔ اُولَئِکَ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اصل ترجمہ، وہ، ہے، ضرور تا ترجمہ (یہ) کیا جاتا ہے لَیْسَ (لَیْسَ - مَن) لَیْسَ، حرف جار، کیلئے، مَن، مجرور، اسم موصول، جو (اس کیلئے جو) خَیْرٌ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَیْرٌ، مصدر خَیْرٌ وَ خَیْرٌ، ڈرنا، خوفزدہ ہونا (وہ ڈر گیا) رَبِّہُ (رَبِّ - ہَا) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب سے)۔

(الحمد للہ سورہ بیئہ مکمل ہو گئی)

[سورة الزلزلة]

آیت ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (۱) وَاُخْرِجَتِ الْاَرْضُ اَنْفَالَهَا (۲) وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا (۳) يَوْمَئِذٍ تُخْبِتُ اَنْحُبَارَهَا (۴) يَأْتِيَنَّكَ اَوْسَىٰ لَهَا (۵) يَوْمَئِذٍ يُصْعِقُ النَّاسُ اَسْمًا تَاَلِيْوُا اَحْمَا لَهُمْ (۶) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (۷) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۸)

ترجمہ:

جب زمین سخت ہلا دی جائے گی، اس کا سخت ہلا یا جانا۔ (۱) اور زمین اپنا بوجھ نکال باہر کرے گی۔ (۲) اور انسان کہنے لگے گا اے کیا ہو گیا ہے۔ (۳) اس دن (زمین) اپنی سب خبریں بیان کر دے گی (۴) اس لئے کہ تیرے رب نے اے حکم دیا ہوگا۔ (۵) اس دن لوگ الگ الگ ہو کر واپس لوٹیں گے، تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ (۶) تو جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔ (۷) اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔ (۸)

کوائف:

اس سورت کا نام سورة الزلزلة ہے۔ زلزال کا لفظ پہلی آیت کریمہ ہی میں موجود ہے۔ جس سے یہ نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا اسی نمبر ہے۔ اس سے پہلے اناسی سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت کا مضمون اہل سعادت و شقاوت کے اعمال و افعال اور ان کے انجام پر مشتمل تھا اور اصول سعادت اور حق تعالیٰ کے انعامات کے استحقاق کی بنیاد یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ خشیت خداوندی ہے اور (آیت) ”ذَلِكُمْ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ“۔ فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا تھا، اب اس سورت میں سعادت و شقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا جا رہا ہے کہ وہ قیامت ہے اور قیامت کا قائم ہونا، نظام عالم کا درہم برہم ہو جانا ہے اور وہی دن زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا رہے کس طرح میں احکم الحکمین کے دروبرو کھڑا ہوں گا

تفسیر:

فرمایا: جب زمین سخت ہلا دی جائے گی، اس کا سخت ہلا یا جانا، الخ

زلزلہ لغوی اور عرفی معنی:

زلزلہ کا معنی ہے: بھونچال، ہلا ڈالنا۔ ”زلزال“ کا معنی ہے، بہت زور سے جھرجھرائنا، لرزنا دینا، ہلا ڈالنا، امام راغب

اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے، اس میں تکرار حروف تکرار معنی کے لیے ہے یعنی بار بار جھڑ جھڑانا اور ہا ڈالنا۔ (المفردات ج ۱ ص 283 مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، 1418ھ)

زمین ہلزلہ کی کیفیت؛

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا، جس وقت حضرت اسرافیل پہلی بار صور میں پھنکیں گے، اس وقت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا، جس سے ہر چیز تھس تھس اور الٹ پلٹ ہو جائے گی۔

امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ نے کہا ہے: اس آیت میں ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ لوگوں نے کہا: جس قیامت سے ہمیں ڈرایا جا رہا ہے وہ کب آئے گی؟ اس کے جواب میں فرمایا: جب زمین پوری شدت سے ہلا دی جائے گی اور اونچے اونچے پہاڑ زمین بوس ہو جائیں گے اور زمین کہیں بھی اونچی نہیں رہے گی، قرآن مجید میں ہے:

(طہ 106: 107) پس وہ زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر دے گا۔ جس میں (اے مخاطب!) نہ تو کوئی کچی دیکھے گا نہ اونچ نیچ۔

زمین کا اپنا بوجھ باہر نکالنا؛

فرمایا: اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی۔ اس کی تفسیر میں یہ آیتیں ہیں:

(الانشقاق ۴: ۳) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور اس کے اندر جو کچھ ہے، اس کو باہر نکال دے گی اور خالی رہ جائے گی۔

زمین میں جو سر بلند پہاڑ ہیں، ان سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہم وار کر دیا جائے گا اور اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی، زمین میں جو مردے دفن ہیں، وہ سب آزاد ہو کر باہر نکل آئیں گے اور زمین میں جو خزانے ہیں، ان کو باہر نکال کر خالی ہو جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سونے چاندی کے ستونوں کی مثل زمین اپنے جگر کے کٹڑے اگل دے گی، قاتل ان کو دیکھ کر کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میں نے قتل کیا تھا، رشتے توڑنے والا کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میں نے رشتے توڑے تھے، چور ان کو دیکھ کر کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا، پھر سب اس مال کو چھوڑ دیں گے اور کوئی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۱۳: سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۲۰۸:)

فرمایا: اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟

ایک قول یہ ہے کہ جب پہلے صور میں پھونکا جائے اور تمام زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا تو ہر انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر، وہ زمین کو لرزتے ہوئے دیکھ کر یہ کہے گا: اس زمین کو کیا ہوا، یہ کیوں لرز رہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں انسان

سے مراد کافر ہے کیونکہ مومن کو تو پہلے سے معلوم تھا کہ قیامت کے وقت زلزلہ آئے گا۔

فرمایا: اس دن زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی۔

زمین کے خبر دینے کی کیفیت؛

یعنی زمین کے اوپر جو نیک یا بد اعمال کئے گئے ہیں، وہ ان سب کا بیان کر دے گی، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد

فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زمین کیا خبر دے گی؟ صحابہ نے کہا، اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا:

اس کی خبر یہ ہے کہ وہ ہر بندے اور بندی کے متعلق یہ بتائے گی کہ اس نے فلاں دن زمین کی پشت پر یہ کام کیا تھا اور فلاں

دن یہ کام کیا تھا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۴۲۹):

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: زمین کے خبر دینے میں تین قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ زمین کو حیوان ناطق بنا دے گا، پھر وہ کلام کرے گی (۲) اللہ تعالیٰ اس میں کلام پیدا کر دے گا (۳) اس سے

جو چیز صادر ہوگی وہ کلام کے قائم مقام ہوگی۔ (السنک والعیون ج ۶ ص 320 دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فرمایا: یعنی زمین جو خبریں دے گی، وہ اللہ کے حکم سے دے گی، ایک قول یہ ہے کہ زمین میں جو زلزلہ آئے گا اور زمین اپنا بوجھ

نکالے گی اور زمین جو خبر دے گی کہ اس کی پشت پر فلاں فلاں نیکی کی گئی ہے اور فلاں فلاں برائی کی گئی، یہ تمام امور اللہ تعالیٰ

کے حکم سے واقع ہوں گے۔

فرمایا: اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھادیئے جائیں۔

یعنی حساب کے بعد دائیں ہاتھ والے جنت کی طرف روانہ ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے دوزخ کی طرف روانہ ہوں گے،

ایک قول یہ ہے کہ وہ حساب سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹیں گے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص اپنے آپ کو

ملامت کر رہا ہوگا، جو نیکو کار ہوگا، وہ یہ کہے گا: میں نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں اور جو اس کے علاوہ ہوگا، وہ کہے گا: میں

نے گناہوں کو ترک کیوں نہیں کیا۔ (فردوس الاخبار رقم الحدیث 6501):

ایک قول یہ ہے کہ جس وقت لوگ قبروں سے نکلیں گے تو ان کو حساب کی جگہ پر لایا جائے گا تاکہ وہ اپنے صحائف اعمال میں

اپنے اعمال لکھے ہوئے دیکھ لیں اور اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیں اور وہ حساب کی جگہ سے مختلف ٹولیوں میں روانہ ہوں گے۔

فرمایا: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا، وہ اس کا صلہ دیکھے گا۔ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا۔

مومن اور کافر کے اعمال کے بدلہ کا ضابطہ؛

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) فرماتے ہیں : کفار میں سے جو شخص بھی ذرہ کے برابر کوئی نیک کام کرے گا، اس کو اس کی نیکی کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جائے گا اور اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر کوئی کافر کوئی برا کام کرے گا تو آخرت میں اس کو شرک کی سزا کے علاوہ وہ اس برائی کی سزا بھی دی جائے گی اور مومنین میں سے جو شخص بھی ایک ذرہ کے برابر کوئی برائی کریگا اس کو سزا نہیں دی جائے گی اور اس کی برائی سے درگزر کر لیا جائے گا اور اگر مومن نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کا آخرت میں اجر زیادہ کر دیا جائے گا۔

بعض احادیث میں ہے کہ ذرہ کا کوئی وزن نہیں ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم کے کسی عمل سے غافل نہیں ہے، خواہ وہ عمل صغیرہ ہو یا کبیرہ، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(النساء: ۴۰): بیشک اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ آدمی زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھائے تو اس کے ہاتھ پر جو خاک لگی ہو وہ ذرہ ہے، حضرت ابن عباس (رض) کا بھی یہی قول ہے۔

محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ کافر جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا، اس کا ثواب اس کو دنیا میں اس کے نفس، اس کے مال، اس کے اہل اور اس کی اولاد میں دے دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی اور مومن نے دنیا میں ذرہ برابر جو برائی کی ہوگی، اس کی سزا اس کو دنیا میں ملے گی۔ اس کے نفس، اس کے مال، اس کے اہل اور اس کی اولاد میں اس کو سزا دے دی جائے گی حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی برائی نہیں ہوگی۔

حضرت انس (رض) بیان کرتے ہیں : یہ آیت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس وقت نازل ہوئی، جب حضرت ابو بکر کھانا کھا رہے تھے، وہ کھانے سے رک گئے اور کہنے لگے : یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہم کو ہمارے اچھے اور برے عملوں کا بدلہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا : تم جو ناگوار چیزیں دیکھتے ہو وہ تمہاری ذرہ برابر برائی کا بدلہ ہے اور تمہاری ذرہ برابر نیکی کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۲۲۲ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴۲)

قرآن مجید میں ہے: (الشوریٰ: ۳۰): تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

المطرب بن حطب بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، اس نے کہا : یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ایک ذرہ کے برابر بھی؟ آپ نے فرمایا : ہاں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۳۵-۱۳۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

اِذَا ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) زلزِلَتْ، اصل میں، زلزِلَتْ، ہے، تا، کو زیر اگلے لفظ سے ملانے کیلئے دی گئی ہے، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب زلزِلَتْ یَزْلُزلُ، مصدر زلزَلَتْ وَزَلْزَالَ، ہلا دینا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ (وہ ہلا دی جائے گی) اَنَّا زَلْزَلْنَا (زمین) زَلْزَلْنَا (ہلا دینا) یَزْلُزلُ، مضاف، مصدر، سخت ہلایا جاتا، زلزَلْ، بھونچل ہوا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا، اپنے، ضمیر کا مرجع "اَنَّا زَلْزَلْنَا" ہے (اس کا سخت ہلایا جانا) وَ، حرف عطف (اور) اَخْرَجَتْ اَنَّا زَلْزَلْنَا (اَخْرَجَتْ - اَنَّا زَلْزَلْنَا) اصل میں، اَخْرَجَتْ، ہے، تا، کو زیر اگلے لفظ سے ملانے کیلئے دی گئی ہے، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَخْرَجَتْ تُخْرِجُ، مصدر اَخْرَجَا، باہر نکال دینا، اِذَا کی وجہ سے ترجمہ، وہ باہر نکال دے گی، اَنَّا زَلْزَلْنَا، فاعل ہے، زمین (زمین باہر نکال دے گی) اَنَّا زَلْزَلْنَا (ہلا دینا) اَنَّا زَلْزَلْنَا، مضاف، واحد، مفعول، ہلا دینا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنے، ضمیر کا مرجع، اَنَّا زَلْزَلْنَا، ہے (اپنے بوجھ) وَ، حرف عطف (اور) کَانَ اَنَّا زَلْزَلْنَا (کَانَ - اَنَّا زَلْزَلْنَا) فاعل، فعل ماضی واحد مذکر عاقل یَقُولُ، مصدر قَوَّلًا، کہنا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ، وہ کہے گا، اَنَّا زَلْزَلْنَا، فاعل، انسان (انسان کہے گا) تا، استفہامیہ (کیا) اَنَّا زَلْزَلْنَا (ہلا دینا) لَ، حرف جار، کو، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "اَنَّا زَلْزَلْنَا" ہے (اس کو) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ - اِذَا) یَوْمَ، مضاف، ظرف، دن، اِذَا، مضاف الیہ، اس (اس دن) تَحْجَرُ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب حَجَرْتُ حَجَرًا، مصدر تَحْجَرُ، بیان کرنا (وہ بیان کرے گی) اَنَّا زَلْزَلْنَا (ہلا دینا) اَنَّا زَلْزَلْنَا، مضاف، خبریں، واحد، خبر، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنی ضمیر کا مرجع، اَنَّا زَلْزَلْنَا، ہے (اپنی خبریں) یعنی انسان جو کچھ زمین پر کرتا رہا۔ پَانَّ (پ - اَنَّا) پ، حرف جار، سبب، اس وجہ سے، اَنَّا، مجرور، حرف مشبہ بالفعل، بے شک (اس وجہ سے کہ بے شک) رَبُّكَ (رَبَّ - ک) رَبَّ، مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) اَوَّلَى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَوَّلَى یُؤْخِذُ، مصدر یُؤْخِذُ، وحی کرنا، حکم دینا، ترجمہ بحوالہ قیامت (اس نے وحی کی ہوگی) اَنَّا زَلْزَلْنَا (ہلا دینا) لَ، حرف جار، کو، ہا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "اَنَّا زَلْزَلْنَا" ہے (اس کو) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ - اِذَا) یَوْمَ، مضاف، ظرف، دن، اِذَا، مضاف الیہ، اس (اس دن) یَعْزُزُ النَّاسُ (یَعْزُزُ - اَنَّا زَلْزَلْنَا) یَعْزُزُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَزَّزْتُ عَزًّا، مصدر عَزَّزْتُ، نکل جانا، آگے آنا، واپس لوٹنا، پانی پی کر لوٹنا، وہ واپس لوٹے گا، اَنَّا زَلْزَلْنَا، اسم جمع، لوگ (لوگ واپس لوٹیں گے) اَنَّا زَلْزَلْنَا (جد اجدا، الگ الگ) واحد، شَتَّ وَشَتَاتٌ یَزِيدُ اَنَّا زَلْزَلْنَا ۝۶ تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں (ل - یَزِيدُ) لَ، لام تعلیل ناصبہ، تاکہ، یَزِيدُ، فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب زَاوَى - زَاوَى، مصدر زَوَّيْتُ، دیکھنا، انہیں دکھائے جائیں (تاکہ انہیں دکھائے جائیں) اَنَّا زَلْزَلْنَا (ہم) اَنَّا زَلْزَلْنَا، مضاف، اعمال، واحد، مفعول، ہم، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے اعمال) فَنَ (ف - مَن) ف، حرف عطف، پس، مَن، شرطیہ، جو (پس جو) فَعَمَلُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (وہ عمل کرے گا) مِثْقَالَ ذَرَّةٍ - مِثْقَالَ، مضاف، اسم مفرد، اسم مفرد، برابر، ہم وزن، جمع، مِثْقَالٌ، مضاف الیہ، ایک ذرہ کے (ایک ذرہ ہو وہ خیر ہے - یَزِيدُ) یَزِيدُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب زَاوَى یَزِيدُ، مصدر زَوَّيْتُ، دیکھنا، وہ دیکھ لے گا، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے دیکھ لے گا) وَ مَن (و - مَن) وَ، حرف عطف، اور، مَن، شرطیہ، جو (اور جو) فَعَمَلُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (وہ عمل کرے گا) مِثْقَالَ ذَرَّةٍ - مِثْقَالَ، مضاف، اسم مفرد، برابر، ہم وزن، جمع، مِثْقَالٌ، مضاف الیہ، ایک ذرہ کے (ایک ذرہ کے برابر) شَرًّا (برائی، شر، برا) جس سے سب کو نفرت ہو - یَزِيدُ (ہ - یَزِيدُ) یَزِيدُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب زَاوَى یَزِيدُ، مصدر زَوَّيْتُ، دیکھنا، وہ دیکھ لے گا، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے دیکھ لے گا)۔

(الحمد للہ سورہ زلزال مکمل ہو گئی)

[سورة العاديات]

آیت ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا (۱) فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا (۲) فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا (۳) فَأَنْزَلَ بِهِ نَفْعًا (۴) فَوَسَطْنَ بِهِ جَنَّةً (۵)

ترجمہ:

قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پیٹ اور سینے سے آواز نکالتے ہوئے دوڑنے والے ہیں! (۱) پھر جو سم (ٹاپ) مار کر چنگاریاں نکالنے والے ہیں! (۲) پھر جو صبح کے وقت حملہ کرنے والے ہیں! (۳) پھر اس کے ساتھ غبار اڑاتے ہیں۔ (۴) پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورة العاديات ہے۔ عادیات کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، تاہم حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت قتادہ اور امام مالک سے منقول ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے۔ اس کا ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

سابقہ سورۃ زلزال میں انسان کے جزائے عمل کا ذکر تھا کہ جزائے عمل کا واقع ہونا لازم ہے۔ اس سے پہلی سورۃ البینہ میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ انسان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہیے اور حنیف بن کر رہنا چاہیے۔ بدنی اور مالی عبادات یعنی مال اور زکوٰۃ پر کاربند ہونا چاہیے۔ خدا کا خوف ہر وقت دل میں جاگزیں ہونا چاہیے۔

اس سورۃ مبارکہ میں ان بیماریوں کا ذکر ہے جو کہ مذکورہ بالا پر وگرم پر عمل درآمد میں مانع بنتی ہیں۔ ان میں سے ایک بیماری ناشکر گزاری ہے اور دوسری مال کی شدید محبت مقصد یہ ہے کہ ان دو بیماریوں کا علاج کرنا چاہیے۔ تاکہ قرآن پاک کے پروگرام پر عمل درآمد میں موجود رکاوٹ کو دور کیا جاسکے۔

شان نزول:

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک موقع پر صحابہ کی ایک جماعت کو بنی کنانہ کے کافروں کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بنی کنانہ کے کفار بڑے سخت لوگ تھے آپ نے لشکر کو بعض خصوصی ہدایات دیں کہ یہاں سے فلاں تاریخ کو روانہ ہونا اور فلاں تاریخ تک منزل مقصود تک پہنچ جانا۔ اس روز رات کے آخری حصے میں یعنی علی الصبح دشمن پر حملہ کرنا اور پھر فلاں تاریخ کو واپس آ جانا۔ جب صحابہ کرام کی جماعت سفر پر روانہ ہو گئی، تو راستے میں ایک ندی میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ لہذا انھیں ایک دن وہیں رکن پڑا، دوسرے روز جب ندی کا پانی اترتا تو صحابہ آگے روانہ ہو گئے۔ حضور (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق دشمن پر حملہ کیا اور پھر واپس روانہ ہو گئے۔ چونکہ واپسی میں ایک دن کی تاخیر ہو گئی اور صحابہ مقررہ تاریخ پر نہ پہنچ سکے تو منافقین نے پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ مسلمان اس مہم میں مارے گئے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں میں پریشانی کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ عادیات نازل فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی۔ (معالم العرفان)

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پیٹ اور سینے سے آواز نکالتے ہوئے دوڑنے والے ہیں! الخ

”العادیات ضحاً“ کا معنی

”عادیات“ کا لفظی معنی ہے: دوڑنے والیں، اس سے مراد تیز رفتار گھوڑے یا اونٹنیاں ہیں۔ ”عادیات“ ”عادیۃ“ کی جمع ہے اور ”عدو“ سے مشتق ہے، جس کا معنی دوڑنا ہے، یہ اصل میں ”عادات“ تھا واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا سے بدل دیا تو ”عادیات“ ہو گیا، جیسے ”غزو“ سے ”غازیات“ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس (رض) عطاء مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور مقاتل وغیرہم کا قول ہے کہ یہ مجاہدین کے گھوڑوں کی صفت ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود (رض) کا قول ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں، محمد بن کعب اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے ”العدیت ضحاً“ کے متعلق سوال کیا، میں نے کہا، اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں بہت تیز دوڑتے ہیں اور سرشام اس وقت واپس آتے ہیں جب لوگ کھانے کے لیے آگ جلاتے ہیں، وہ شخص میرے پاس سے ہو کر حضرت علی (رض) کے پاس گیا، اس نے حضرت علی سے بھی یہی سوال کیا اور آپ کو حضرت ابن عباس کا جواب بھی بتایا، آپ نے بتایا: جاؤ حضرت ابن عباس کو میرے پاس لے آؤ، پھر حضرت علی نے حضرت ابن عباس سے فرمایا: تم لوگوں کو ایسی بات کیوں بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے اللہ کی قسم! اسلام کا سب سے پہلا غزوہ، غزوہ بدر تھا، اس وقت ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے، ایک حضرت زبیر بن العوام (رض) کے پاس تھا اور دوسرا حضرت مقداد بن الاسود کے پاس تھا، اس صورت میں ”العدیت ضحاً“ کو گھوڑوں پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوگا، لہذا اس سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو عرفات سے مزدلفہ تک دوڑتی ہیں، پھر جب لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے ہیں تو وہ آگ جلاتے ہیں اور ”فالمغیرت ضحاً“ (العدیت: د) سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو صبح کو مزدلفہ سے منی کی طرف دوڑتی ہیں اور فاشن بہ نقعاً۔ (العدیث ۴:) سے مراد وہ غبار ہے جو ان اونٹنیوں کے قدموں تلے روندنے سے اٹھتا ہے۔

امام ابن جریر نے کہا، پھر حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر کے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا، اور

امام ابن ابی حاتم نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی نے یہ فرمایا کہ غزوہ بدر میں دو سے زیادہ گھوڑے نہ تھے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد گھوڑوں پر سواروں کا ایک خاص دستہ ہے، جو کسی جنگی مہم پر روانہ کیا گیا تھا، شعبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں غباراڑ نے کاذ کر ہے اور غبار گھوڑوں کے دوڑنے سے ہی اڑتا ہے، نیز امام عبدالرزاق نے کہا ہے کہ اس میں ان کے ہانپنے کاذ کر ہے اور چوپایوں میں سے سوائے کتے اور گھوڑے کے اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس کے قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ نصیحا کا معنی ہے: ہانپنا اور چوپایوں میں سے کتوں اور گھوڑوں کے سوا اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ (جامع البیان جز 30 ص 345-348 ملخصات تفسیر امام ابن ابی حاتم ج 10 ص 3457 ملخصاً تفسیر امام عبدالرزاق ج ۲ ص 317-318 ملخصاً فتح الباری ج ۹ ص 750-751)

”الموریات قدماً“ کا معنی؛

”الموریات“ جمع مونث اسم فاعل ہے، اس کا مصدر ”أیراء“ ہے، اس کا معنی ہے: آگ روشن کرنے والے، عکرمہ نے کہا: اس سے مراد مجاہدین کے وہ گھوڑے ہیں جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں تو ان کے سموں کی رگڑ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں، قتادہ نے کہا، اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جن کے سواروں کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکتی ہے، سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے، اس سے مراد سواروں کا وہ دستہ ہے جو دن بھر جہاد کرنے کے بعد شام کو واپس آ کر کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتا ہے۔

”قدماً“ کا معنی ہے: چتاق کو مار کر آگ نکالنا، پتھر پر پتھریا لوہے کو مار کر آگ نکالنا اور اس سے مراد ہے گھوڑوں کا نعل دار سموں کو پتھریلی زمین پر مارنا۔ ”قدح فیہ“ کا معنی ہے: کسی چیز میں نکتہ چینی کرنا۔ (جامع البیان جز 30 ص 348-349 معالم التنزیل ج ۵ ص 295)

”المغیرات مہجاً“ کا معنی؛

”المغیرات“ جمع مونث اسم فاعل ہے، اس کا مصدر ”أغار“ ہے، اس کا معنی ہے: مال غنیمت لوٹنے والے، چھابہم ار نے والے، اکثر مفسرین نے کہا، اس سے مراد ہے: گھوڑوں پر سواروں کے دستے جو صبح کے وقت دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں۔

علامہ القرطبی نے کہا: اس سے مراد اونٹوں کی وہ جماعتیں ہیں جو اپنے سواروں کو لے کر قربانی کے دن صبح کے وقت منیٰ کی طرف تیز تیز جاتی ہیں اور سنت یہی ہے کہ صبح سے پہلے روانہ نہ ہوا جائے، اور ”أغارۃ“ کا معنی ہے، بہت تیزی سے روانہ ہونا۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص 296، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1420ھ)

”فاثرن بہ نفعاً“ اور ”فاثرن بہ جماعاً“ کا معنی

”اثرن“ جمع مونث، غائب کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ”اثرۃ“ ہے، اس کا معنی ہے: براہِ غیبت کرنا اور گردوغبار اڑانا۔
 ”تقعا“ کا معنی ہے، تنگ، کنوئیں میں جمع شدہ پانی اور گردوغبار۔

عکرمہ سے اس کا معنی پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: گھوڑوں کے دوڑنے سے گردوغبار اڑا۔ (جامع البیان رقم الحدیث 29268، دار الفکر بیروت، 1415ھ)

”فوسطن بہ جمعا“ کا معنی ہے: جماعت میں گھس گئے، بیچ میں آگئے یعنی مجاہدین اپنے گھوڑوں کے ساتھ دشمن کی فوجوں میں گھس گئے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص 352، معالم التنزیل ج ۵ ص 296)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

وَالْفُورِیَّةُ (و۔ الْفُورِیَّةُ) ذ، حرف جار، قسمیہ، قسم ہے، الْفُورِیَّةُ، مجرور، مقسم بہ، عَزَّوْ، مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مونث، تیز دوڑنے والے (گھوڑے یا گھوڑیاں) واحد، عَزَّوْ، اصل میں، عَزَّوْ، ہے واو کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا سے بدل دیا (قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی) ضُبْجَا، مصدر ہے، اسم فاعل کی تاکید کیلئے ہے، گھوڑوں کے دوڑنے کے سبب ہانپنے کو کہتے ہیں، (ہانپنا، ہانپتے ہوئے) فَالْفُورِیَّةُ (ف۔ الْفُورِیَّةُ) ف، حرف عطف، پھر، الْفُورِیَّةُ۔ لَزَّوْ، مصدر سے اسم فاعل جمع مونث اُک روشن کرنے والے یا کرنے والیاں، مراد وہ گھوڑے جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں تو ان کے سموں سے اُک کی چنگاریاں نکلتی ہیں (چنگاریاں نکالنے والے) واحد، مُوَرِیَّةٌ، مصدر ہے، چمٹنا کو مار کر اُک نکالنا، پتھر پر پتھر مار کر یا لوہے کو مار کر اُک نکالنا، یہاں مراد گھوڑوں کا فعل دار ٹاپوں کو پتھریلی زمین پر مار کر اُک نکالنا ہے (اس مار کر) فَالْفُورِیَّةُ (ف۔ الْفُورِیَّةُ) ف، حرف عطف، پھر، الْفُورِیَّةُ۔ لَزَّوْ، مصدر سے اسم فاعل جمع مونث ٹوٹ پڑنے والے، چھاپے مارنے والے، حملہ کرنے والے (پھر حملہ کرنے والوں کی) ضُبْجَا، ظرف زمان (بوقت صبح، صبح کے وقت) فَالْفُورِیَّةُ (ف۔ الْفُورِیَّةُ) ف، حرف عطف، پھر، اُزْنَ، فعل ماضی جمع مونث غائب اُزْیْدُ، مصدر اُزْیْدُ اُزْیْدُ، اُزْیْدُ، اُزْیْدُ، ترجمہ بمعنی مضارع، وہ اُڑاتے ہیں (پھر وہ اُڑاتے ہیں) (پ۔ پ۔) ب، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، سے، ا، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس (موقع) پر) تَنَکَّأ، اسم منصوب (خاک، غبار) فَوْسَطُنْ (ف۔ وَسَطُنْ) ف، حرف عطف، پھر، وَسَطُنْ، فعل ماضی جمع مونث غائب وَسَطَلْ، مصدر وَسَطَلْ، درمیان میں ہونا، درمیان میں کھس جانا، ترجمہ بمعنی مضارع، وہ درمیان میں جاگھتے ہیں (پھر وہ درمیان میں جاگھتے ہیں) (پ۔ پ۔) ب، حرف جار بمعنی برقی، میں، ا، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس (حالت) میں) تَنَکَّأ، مصدر ہے (جماعت، فوج، لشکر)۔

آیت ۶۶

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (۱) وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ (۲) وَإِنَّهُ لَكَبُحْتٍ الْخَبِيرُ لَشَهِيدٌ (۳) أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ رُوحُهُ فِي الْقُبُورِ (۴) وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ (۵) إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ (۶)

ترجمہ:

یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (۱) اور یقیناً وہ خود بھی اس پر گواہ ہے۔ (۲) یہ دل کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے (۳) تو کیا وہ نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے باہر نکال پھینکا جائے گا۔ (۴) اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے

گا۔ (۱۰) بے شک ان کا رب اس دن ان کے متعلق یقیناً خوب خبر رکھنے والا ہے۔ (۱۱)

تفسیر:

فرمایا: یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکر ہے۔ الخ

”الکنود“ کا معنی اور انسان کا اپنے ”الکنود“ ہونے پر گواہ ہونا:

سابقہ پانچ آیتوں میں جو قسم کھائی تھی، الحدیث ۶: میں اس کا جواب ہے، اس آیت میں ”الکنود“ کا لفظ ہے، اس آیت کا معنی ہے: بیشک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکر ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: انسان طبعی طور پر ناشکر ہے اور ”الکنود“ کا معنی ہے: ”الکفور“ یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا، حسن بصری نے کہا: انسان مصائب کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابوامامہ باہلی (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”الکنود“ وہ شخص ہے جو خود کھاتا ہے اور اپنے رفقاء کو نہیں کھلاتا۔ (المجمع الکبیر رقم الحدیث 7778):

حضرت ابن عباس (رض) نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سنو! کیا میں تم میں سب سے برے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں، صحابہ نے کہا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! فرمایا: جو عطیہ کو صرف اپنے پاس رکھے اور اپنے خادم کو مارے۔ (نوار الاصول ص 267)

نیز حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: کندہ اور حضرموت کی لغت میں ”الکنود“ کا معنی ہے: نافرمان اور ربیحہ اور مضر کی لغت میں اس کا معنی ہے: ”الکفور“ یعنی بہت ناشکر اور کنانہ کی لغت میں اس کا معنی ہے، بہت بخیل، نیز حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: اس آیت میں اس سے مراد کافر ہے۔

ابوبکر الواسطی نے کہا: ”الکنود“ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اور ابوبکر الوراق نے کہا: ”الکنود“ وہ شخص ہے جو سمجھتا ہے کہ اس کو نعمت اس کی اور اس کے دوستوں کی وجہ سے ملی ہے، امام ترمذی نے کہا: ”کنود“ وہ شخص ہے جو نعمت کو دیکھے اور نعمت دینے والے کو نہ دیکھے ”ہلوع“ اور ”کنود“ وہ شخص ہے جس پر مصیبت آئے تو گھبرا جائے اور راحت آئے تو ناشکری کرے، ایک قول یہ ہے کہ وہ کینہ رکھنے والا اور حسد کرنے والا ہے، ایک قول ہے کہ وہ تقدیر سے جاہل ہے اور حکمت میں ہے: جو تقدیر سے جاہل ہے، اس نے اپنی عزت کا پردہ چاک کر دیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ”الکنود“ ناشکر اور منکر ہے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کی تفسیر صفات مذمومہ غیر محمودہ کے ساتھ کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص 142-143 دار الفکر بیروت،

فرمایا: اور بیشک وہ اس پر ضرور گواہ ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا: انسان اپنے نفس اور اپنے اعمال پر خواہ گواہ ہے۔

اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ناشکرے ہونے پر خود گواہ ہے، کیونکہ یہ چیز بالکل ظاہر ہے اور انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا یا اس لیے کہ آخرت میں وہ خود اپنے گناہوں کا اعتراف کر لے گا۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ناشکرے ہونے پر گواہ ہے اور یہ معنی راجح ہے کیونکہ اس کی ضمیر لرزہ کی طرف راجح ہے اور اس کا ذکر انسان کی بہ نسبت قریب ہے، اس آیت میں انسان کو اس کے معاصی پر زجر و تنبیح کی گئی ہے، کیونکہ آخرت میں اس کے اعمال کا شمار کیا جائے گا۔

فرمایا: اور بیشک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔

مال کی محبت کے متعلق احادیث:

اس آیت میں ”الْخَيْرُ“ کا لفظ ہے، یعنی وہ خیر کی محبت میں بہت سخت ہے اور قرآن مجید میں ”خَيْرُ“ کے لفظ سے مال کا بھی ارادہ کیا گیا ہے، جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

(البقرہ 180:) جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے، سو اگر اس نے ماں چھوڑا ہو تو اس پر وصیت کو فرض کر دیا گیا ہے۔

واذا مس الخیر منوعاً۔ (اور جب اس کو مال ملتا ہے تو وہ بخل کرنے والا ہے۔)

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے عرف میں مال کو خیر قرار دیتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عرف کے موافق فرمایا کہ انسان خیر کی یعنی مال کی محبت میں شدید ہے اور شدید سے مراد بخیل ہے۔

انسان کو مال سے جس قدر محبت ہے، اس کا ذکر ان حدیثوں میں ہے:

حضرت ابن (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو دوسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 6436، صحیح مسلم رقم الحدیث 1049، مسند احمد

ج ۶ ص 55 ج ۳ ص 247)

حضرت انس (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بحرین کا مال آیا، آپ نے فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جو اموال آتے تھے ان میں یہ مال سب سے زیادہ تھا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز پڑھنے گئے اور اس مال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، نماز پڑھانے کے بعد آپ اس مال کے پاس بیٹھ گئے، پھر آپ جس شخص کو بھی دیکھتے، اس کو اس مال سے عطا کرتے، اس وقت آپ کے پاس حضرت عباس (رض)

آئے، پھر انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے مال عطا کیجیے کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا، آپ نے ان سے فرمایا: آپ اس میں سے مال لے لیں، انھوں نے اپنے کپڑے میں مال ڈالنا شروع کیا اور اس مال کی چوٹی بنا دی اور اس کو اٹھانہ سکے، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کسی کو حنک دیں کہ وہ اس مال کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں! آپ خود اٹھائیں، انھوں نے کہا: اچھا تو پھر آپ اٹھا کر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے اس گٹھڑی سے مال کم کیا لیکن پھر اس کی چوٹی بن گئی، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی کو کہیے کہ اس کو اٹھا کر مجھ پر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے کہا، پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں، آپ نے فرمایا نہیں: آپ خود اٹھائیں، انھوں نے اس میں سے مال کم کیا، پھر اس کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا، پھر چلے گئے پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نظر ان کا تعاقب کرتی رہی، حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کی حرص پر تعجب ہو رہا تھا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں سے اس وقت اٹھے، جب وہاں پر ایک درہم بھی باقی نہیں رہا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۶۱۰)

مال کی محبت کے اثرات:

مفسرین نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

(۱) انسان مال کی محبت کی وجہ سے بخیل اور ممسک ہو گیا ہے۔

(۲) انسان مال کی محبت میں اور دنیا کو طلب کرنے اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے میں بہت شدید اوقوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں بہت خفیف اور ضعیف ہے۔

(۳) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اس کا دل بہت تنگ ہوتا ہے اور منقبض ہوتا ہے۔

بخیل کی مذمت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے، جنہوں نے لوہے کے دو کوٹ پہنے ہوئے ہوں، جو ان کے پستانوں سے ان کے گلوں تک ہوں، رہا خرچ کرنے والا تو وہ جوں جوں خرچ کرتا ہے، اس کے وہے کے کڑے ڈھیلے ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جسم سے ان کڑوں کے نشان ملنے جاتے ہیں اور بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرے تو لوہے کا ہر کڑا اس کے جسم کے ساتھ اور چمٹتا جاتا ہے، وہ اس کوٹ کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری)

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو وہ فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک فرشتہ دعا کرتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (خرچ کئے ہوئے) مال کا بدل عطا فرما اور

دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۴۴۲: (سنن ترمذی رقم الحدیث ۹۱۷۸:)

فرمایا: کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھالیے جائیں گے۔

”بعثر“ کا معنی

اس آیت میں ”بعثر“ کا غلط ہے، اس کا مصدر ”بعثرة“ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو الٹ پلٹ کرنا۔ ”بعثر“ کا معنی ہے وہ اٹھایا یا وہ کریدا گیا، وہ الٹ پلٹ کیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے: واذا القبور بعثرت۔ (الانفطار ۴:)

فرمایا: اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

دنیا میں اکثر اوقات انسان کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے، لیکن قیامت کے دن اس کے سینے کی تمام چھپی ہوئی باتیں اور اس کے پردے چاک کر دیئے جائیں گے۔

ظاہری اعضاء کے مقابلہ میں دل کے افعال کا معیار ہونا:

ظاہری اعضاء دل کے افعال کے تابع ہیں کیونکہ اس کے دل میں پہلے کسی کام کا شوق ہوتا ہے، پھر اس کام کی تحریک پیدا ہوتی ہے، پھر وہ اس کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس کے بعد ظاہری اعضاء حرکت میں آتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مذمت اور مدح میں دل کے افعال کو اصل قرار دیا ہے۔ مذمت کے اعتبار سے یہ آیت ہے:

اثم قلبہ (البقرہ ۲۸۳:) اس کا گناہ گار ہے۔

اور مدح کے اعتبار سے یہ آیت ہے:

وجلست قلوبہم (الانفال ۲:) ان کے دل اللہ سے خوف زدہ ہیں۔

نیز اس آیت میں سینوں کا ذکر فرمایا ہے اور مراد اس سے دل ہیں، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دل سینوں میں ہیں۔

فرمایا: بیشک ان کا رب اس دن ان کی ضرور خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ابدی و ادلی ہے:

اللہ تعالیٰ لوگوں کی خبر رکھنے والا ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کو از خود خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا علم توازی اور ابدی ہے اور انسان کے صحائف اعمال میں جو کچھ فرشتے لکھتے ہیں، وہ انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے۔ اور اس دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم جاری نہیں ہوگا اور اس دن کسی کے علم کا اظہار نہیں ہوگا، گویا اس دن وہی عالم ہوگا اور اس کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہوگا۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) الْإِنْسَانُ (انسان) لِرَبِّهِ (لِ- رَبِّ- ہ) لِ، حرف جار، کا، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پر درودگار، ہ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کا) لَکُونُوا (لِ- کُونُوا) لَ، لام تاکید یقیناً، کُونُوا، کُنُونُ، مصدر سے صفت مشبہ، بڑا ناشکرا (یقیناً بڑا ناشکرا) یہ آیت جواب قسم ہے۔ وَ، حرف عطف (اور) إِنَّ (إِنَّ- ہ) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) عَلٰی ذٰلِكَ- عَلٰی، حرف جار، پر، ذٰلِكَ، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس پر) تَسْبِيحًا (لِ- تَسْبِيحًا) لَ، لام تاکید، یقیناً، تَسْبِيحًا- تَسْبِيحًا وَتُحْمُودًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، گواہ، شاہد، موجود، حاض رہے (یقیناً گواہ) وَ، حرف عطف (اور) إِنَّ (إِنَّ- ہ) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) يَنْتَظِرُ الْيَوْمَ (لِ- يَنْتَظِرُ) لِ، حرف جار بمعنی، نفی، میں، محبت، مجرور، مضاف، محبت، اَنْتَظِرُ، مضاف الیہ، یہاں معنی مال ہے، مال کی (مال کی محبت میں) تَسْبِيحًا (لِ- تَسْبِيحًا) لَ، لام تاکید، یقیناً تَسْبِيحًا، تَسْبِيحًا مصدر سے صفت مشبہ، بہت سخت (یقیناً بہت سخت) اَلْاَعْظَمُ (اَلْ- اَلْاَعْظَمُ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، ف، حرف عطف، تو، لَکُمْ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب عَلِمَ اَلْاَعْظَمُ، مصدر عَلِمَ، جاننا، وہ نہیں جانتا (تو کیا وہ نہیں جانتا) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَنْتَظِرُ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب یَنْتَظِرُ، مصدر نَظَرَ، اکھیرنا، الٹ پلٹ کرنا، باہر نکال لینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ باہر نکال لیا جائے گا) نا، اسم موصول (جو) فی الثُّبُورِ (فی- الثُّبُورِ) فی، حرف جار، میں، الثُّبُورِ، مجرور، قبروں، واحد، اَلْقَبْرِ (قبروں میں) وَ، حرف عطف (اور) اَلْحَقْلُ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب اَلْحَقْلُ، مصدر اَلْحَقْلُ، حاصل کرنا، سامنے پیش کرنا، ظاہر کرنا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ (وہ ظاہر کر دیا جائے گا) نا، اسم موصول (جو) فی الثُّبُورِ (فی- الثُّبُورِ) فی، حرف جار، میں، اَلْقَبْرِ، مجرور، سینوں، واحد، صَدْرٍ (سینوں میں) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) رَبِّہُمْ (رَبِّ- ہُمْ) رَبِّ، مضاف، رب، پر درودگار، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا (ان کا رب) رَبِّہُمْ (پ- ہُمْ) پ، حرف جار کے متعلق، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کے متعلق) اَلْیَوْمِ (اَلْ- اَلْیَوْمِ) اَلْیَوْمِ، مضاف، ظرف، دن، اِذَا، مضاف الیہ، اس (اس دن) تَسْبِيحًا (لِ- تَسْبِيحًا) لَ، لام تاکید، یقیناً، تَسْبِيحًا، خبر، مصدر سے صفت مشبہ، خوب خبر رکھنے والا (یقیناً خوب خبر رکھنے والا)۔

(الحمد للہ سورہ عادیات مکمل ہو گئی)

[سورة القارعة]

آیت ۱ تا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْقَارِعَةُ (۱) مَا الْقَارِعَةُ (۲) وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ (۳) یَوْمَ یَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُورِ (۴) وَتَكُونُ الْجِبَالُ
 كَالْعُيُوشِ الْمُنْفُوشِ (۵)

ترجمہ:

وہ (دلوں کو) دہلا دینے والا واقعہ (۱) کیا ہے وہ دلوں کو دہلا دینے والا واقعہ؟ (۲) اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ (دلوں کو) دہلا دینے والا واقعہ؟ (۳) جس دن ہو جائیں گے لوگ بکھرے ہوئے (پتنگوں اور) پروانوں کی طرح (۴) اور ہو جائیں گے پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی طرح (۵)

کوائف:

قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں۔ قیامت، آخرت، الطامہ، آرزو، غاشیہ، الحاقہ۔ ان ناموں میں سے ایک قارعہ بھی ہے۔ اس سورت کا نام بھی قارعہ ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا تیسواں 30 نمبر ہے۔ اس سے پہلے انتیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں انسانی فطرت میں رچی ہوئی تین بنیادی خرابیوں کا بیان تھا، ناشکری مال و دولت کا حرص اور غفلت و لاپرواہی از منعم و مالک حقیقی، اب اس سورت میں روز محشر برپا ہونے والے ہوں ناک واقعات کا ذکر ہے تاکہ انسان اپنی غفلت سے باز آئے، اپنے رب کی نعمتوں کا شکر گزار ہو اور اس مرض سے بچے جو تمام تر خرابیوں کی جڑ ہے یعنی حرص و لالچ۔

تفسیر:

فرمایا: وہ (دلوں کو) دہلا دینے والا واقعہ، الخ

”القارعة“ کا معنی ہے:

اس کا عرفی معنی ہے: اچانک آنے والی مصیبت، اور بہت بڑا حادثہ، قیامت بھی لگاہانی مصیبت اور بہت بڑا حادثہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

ولایزال الذین کفروا تصیہم بما صنعوا قارعة (لرعد ۱: د) کفار کے کرتوتوں کے سبب ہمیشہ ان پر کوئی ناکہانی مصیبت آتی رہے گی۔

”القارعة“ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قیامت کے دن صور میں پھونکا جائے گا

تو ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئے گی، جس سے تمام لوگ دہل کر مرجائیں گے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو سورج، چاند ستارے اور پہاڑ وغیرہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اس سے بہت گرج دار آواز پیدا ہوگی، اس وجہ سے قیامت کو ”انقار عتہ“ فرمایا تیسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور سورج اور چاند کو پیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی، اون کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر اڑ رہے ہیں گے تو لوگ مارے خوف اور دہشت کے دہل رہے ہوں گے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ قیامت اپنے ہول ناک امور سے اللہ کے دشمنوں اور کفار کے دلوں کو ضرب شدید سے کھٹکھا رہی ہوگی۔

نیز فرمایا، آپ کیا سمجھے کہ ناکہانی مصیبت کیا ہے: اس کا معنی ہے: اس کی حقیقت کا آپ کو از خود علم نہیں ہے کیونکہ اس کی شدت اور ہول ناک کی طرف کسی کی رسائی نہیں ہے، کسی کی عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے نہ وہم پہنچ سکتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جو دہشت ناک امور واقع ہوں گے، ان کا عم سوائے اللہ تعالیٰ کی خبر دینے کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ فرمایا: (یہ وہ دن ہے) جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن لوگوں کے احوال:

پروانے از قبیل حشرات الارض ہیں، یہ شمع، لیمپ یا بلب وغیرہ کسی روشن چیز پر گرتے ہیں اور مرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح پروانے متفرق اور منتشر ہوتے ہیں، اسی طرح اس دن لوگ بھی حیران اور پریشان ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے اور تشبیہ اس چیز میں ہے کہ اس دن لوگ روشنی پر گرنے والے پروانوں کی طرح حیران اور مضطرب ہوں گے، قتادہ نے کہا: پروانوں کے ساتھ تشبیہ کثرت اور انتشار میں ہے اور ضعف اور ذست میں ہے اور کسی مربوط نظام کے بغیر ادھر ادھر بھاگنے میں ہے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کے احوال:

فرمایا: اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں: (فاطر ۲۷): اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں، سفید اور سرخ، ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سایہ۔ قیامت کے کھٹکھٹانے سے جو مہیب آواز پیدا ہوگی، اس کے اثر سے سربہ فلک پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح ہو جائیں گے تو سوچنا چاہیے کہ اس دل دہلانے والی آواز کو سن کر انسان کا حال ہوگا۔

قیامت کے دن پہاڑوں میں جو تغیرات ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے حسب ذیل احوال بیان فرمائے ہیں: (۴) ایک حال یہ ہے کہ پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے:

(الحاقہ ۴: ۴) اور زینوں کو پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ایک ضرب میں ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

(۲) پہاڑ قیامت کے دن بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے:

الزلزل ۸۸): (اے مخاطب!) تم پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ جما ہوا خیال کرتے ہو، حالانکہ (قیامت کے دن) وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

(۳) قیامت کے دن پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے:

(الزلزل ۱۴): قیامت کے دن زمینیں اور پہاڑ تھرتھرائیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔

(۴) قیامت کے دن پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے، جیسا کہ القارعة ۵: میں ہے۔

(۵) قیامت کے دن پہاڑ فریب نظر ہو جائیں گے۔

وسیرت الجبال فکانت سراباً۔ (النبا ۲۰): اور پہاڑ چلائے جائیں گے پھر وہ سراب (فریب نظر) ہو جائیں گے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

القَارِعَةُ۔ قَزَعٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (کھڑکڑا دینے والی، کھٹکھٹانے والی، سخت مصیبت، حادثہ، قیامت) جمع، قَارِعَاتٌ، نا القَارِعَةُ (نا۔ القَارِعَةُ) نا، استفہامیہ، کیا، القَارِعَةُ۔ قَزَعٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، کھڑکڑا دینے والی، سخت مصیبت، عظیم، حادثہ، قیامت، جمع، قَارِعَاتٌ (کیا ہے کھڑکڑا دینے والی) ذ، حرف عطف (اور) نا، استفہامیہ بمعنی، کئی شئی، (کس چیز) اُذْرِیکَ (اُذْری۔ ک) اُذْری، فعل ماضی واحد مذکر غائب اُذْری یُذْری، مصدر اُذْرَی، جاننا، معلوم کروانا، نگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) نا، استفہامیہ (کیا) القَارِعَةُ (کھڑکڑا دینے والی، ساعت قیامت) یَوْمٌ، ظرف زمان (اس دن) یُکُونُ، فعل ناقص مضارع واحد مذکر غائب کَانَ یُکُونُ، مصدر سَکُنَا، ہونا (وہ ہوگا) اَنْشَأَ، فاعل (لوگ) کَالْقَرِاشِ اَلْمُبْشُوثِ (ک۔ اَلْقَرِاشِ۔ اَلْمُبْشُوثِ) ک، حرف تشبیہ و حرف جار، مانند، کی طرح، جیسا، اَلْقَرِاشِ، مجرور، موصوف، پردانوں، پتھلوں، واحد، اَلْقَرِاشِ، اَلْمُبْشُوثِ، صفت، بُشْتُ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، بکھرے ہوئے (بکھرے ہوئے پردانوں کی طرح) ذ، حرف عطف (اور) اَلْجِبَالِ اَلْجِبَالِ (اَلْجِبَالِ۔ اَلْجِبَالِ) اَلْجِبَالِ، فعل ناقص مضارع واحد مؤنث غائب کَانَ یُکُونُ، مصدر سَکُنَا، ہونا، وہ ہوگا، اَلْجِبَالِ، جمع مکسر، پہاڑ، واحد، اَلْجِبَالِ (پہاڑ ہوں گے) کَالْبُیِّنِ اَلْمُنْفُوشِ (ک۔ اَلْبُیِّنِ۔ اَلْمُنْفُوشِ) ک، حرف تشبیہ و حرف جار، مانند، کی طرح، جیسا، اَلْبُیِّنِ، مجرور، موصوف، رنگین اون، جمع، اَلْبُیِّنِ، اَلْمُنْفُوشِ، صفت، نَفَسٌ، مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مذکر، دھنکی ہوئی (دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح)

آیت ۱۱۶

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ (۱) فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ (۲) وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (۳) فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (۴) وَمَا أَغْرَاكَ مَا هِيَةٌ (۵)
تِلْكَ حَامِيَةٌ (۶)

ترجمہ:

پھر جس کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے (۶) تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا۔ (۷) اور جس کے (نیک اعمال) کے پلڑے ہلکے ہوں گے (۸) تو اس کا ٹھکانا ہادیہ ہوگا (۹) اور تم کیا جانو کہ کیا چیز ہے وہ (ہادیہ)؟ (۱۰) وہ ایک بڑی ہی ہولناک دہکتی (بھڑکتی) آگ ہوگی (۱)

تفسیر:

فرمایا: پھر جس کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے، الخ

مومنین اور بخار کے اعمال کے وزن کی کیفیت:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی فرماتے ہیں:

فراء نے کہا: اس آیت میں ”موازنین“ کا لفظ ہے اور یہ ”موزون“ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ عمل ہے جس کی اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی اہمیت ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ ”موازنین“ ”میزان“ کی جمع ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: میزان کی ایک ڈنڈی ہے اور اس میں دو پلڑے ہیں، اس میں صرف اعمال کا وزن کیا جائے گا، مومن مطیع کی نیکیوں کو حسین صورت میں لایا جائے گا اور جب اس کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے پر رائج ہوگا تو اس کے لیے جنت ہے، اور کافر کی برائیوں کو بہت قبیح صورت میں لایا جائے گا، پھر اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہ جائے گا، پھر وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

حسن بصری نے کہا: میزان کے دو پلڑے ہیں، ان کی صفت نہیں کی جاسکتی، متکلمین نے کہا: صرف نیکیوں اور برائیوں کا وزن نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جن صحیفوں میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں، ان کا وزن کیا جائے گا یا نور کو نیکیوں کی علامت اور ظلمت کو برائیوں کی علامت قرار دیا جائے گا یا نیکیوں کے صحیفوں کو حسین صورتوں سے بدل دیا جائے گا اور برائیوں کے صحیفوں کو قبیح صورتوں سے بدل دیا جائے گا، پھر جب ان کا وزن کیا جائے گا تو ان کا ہلکا اور بھاری ہونا ظاہر ہو جائے گا اور اس وزن کا فائدہ یہ ہے کہ نیکیوں والا مومن سر محشر مسرور اور سرخرو ہوگا اور برائیوں والا کافر سر محشر ذلیل اور رسوا ہوگا۔ (تفسیر گبیر ج ۱ ص 268 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔

یعنی وہ ایسی زندگی ہوگی جس سے زندگی گزارنے والا راضی ہوگا۔

فرمایا: اور جس کی (نیکی کے) پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اس کا ٹھکانا ہادیہ ہوگا۔

ہادیہ کے معانی:

یعنی جس کی نیکیاں کم ہوں گی اور اس کی برائیاں زیادہ ہوں گی، اس کا ٹھکانا ہادیہ ہوگا، ہادیہ کے معانی حسب ذیل ہیں:

(۱) ہادیہ دوزخ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، یہ دوزخ کا گہرا گڑھا ہے، جس میں اہل دوزخ کو ڈال دیا جائے گا، اس

آیت میں ”ام“ کا لفظ ہے، جس سے مراد ٹھکانا ہے کیونکہ ماں کی گود اس کے بچوں کا ٹھکانا ہوتی ہے۔

(۲) ہادیہ سے مراد دوزخ کی جڑ ہے کیونکہ اہل دوزخ کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ ہادیہ کیا ہے؟ وہ سخت دکھتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ہاویہ اتنی سخت گرم ہے کہ اس کے مقابلہ میں باقی دوزخ گرم معلوم نہیں ہوگی۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

فَاتَا (فَ - تَا) فَا، حرف عطف، پس، تَا، حرف شرط و تفصیل، رہا، مگر، لیکن (پس لیکن) مَن، شرطیہ (وہ جس کا) تَخَلَّتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائبہ بِشَلْ بِشَلْ، مصدر تَخَلَّطَ، بھاری ہونا، وزنی ہونا (وہ بھاری ہو گیا) مَوَازِيْنُ (مَوَازِيْنُ - هُ) مَوَازِيْنُ، مضاف، میزان، پلڑے، واحد، میزانِ هُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے پلڑے) فَوُ (فَ - وَ) فَا، حرف عطف، تو، ہُو، ضمیر منفصل واحد مذکر غائب، وہ (تو وہ) فِی مِیْنَةِ زَاضِيَّةٍ - فِی، حرف جار، میں، عِشَّةٌ، مجرور، موصوف، عَاشَ - عِشْشَ، کا مصدر ہے، زندگی، عیش، گزران، زَاضِيَّةٌ، صفت، رِشْی، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث بمعنی پسند کرنے والی، پسندیدہ، دل پسند، خوشی، خوشگوار (پسندیدہ زندگی میں) وَ، حرف عطف (اور) تَا، حرف شرط و تفصیل (رہا، مگر، لیکن) مَن، شرطیہ اسم موصول (وہ جس کے) تَخَلَّتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب تَخَلَّتْ تَخَلَّتْ، مصدر تَخَلَّطَ وَ تَخَلَّطَ، ہلکا ہونا، کم ہونا (وہ ہلکا ہو گیا) مَوَازِيْنُ (مَوَازِيْنُ - هُ) مَوَازِيْنُ، مضاف، میزان، پلڑے، واحد، میزانِ هُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے پلڑے) فَاتَا (فَ - تَا) فَا، حرف عطف، تو، اُنْ، مضاف، ماں ٹھکانہ، هُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (تو اس کا ٹھکانہ) ہَاوِيَّةٌ (ہاویہ) دوزخ میں ایک درجہ کا نام ہے۔ یہ ایک نہایت ہی گہرا گڑھا ہے۔ وَ، حرف عطف (اور) تَا، استفہامیہ بمعنی، اُنْی شَیْءٌ (کس چیز) اَذَلِّیْکَ (اَذَلِّی - کَ) اَذَلِّی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَذَلَّی یَذَلِّی، مصدر اَذَلَّی، جانتا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے معلوم کروایا آپ کو) تَا، استفہامیہ (کیا) ہِیَہ - جِی، ضمیر واحد مؤنث غائب (وہ، اور) وَ، ساکنہ سکتہ ہے۔ نَا لَا حَامِیَۃَ نَا، موصوف، اَکْ، حَامِیَۃٌ، مفت، خُجْی، مصدر سے بمعنی دہکنے اور گرم ہونے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث، دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی (دہکتی ہوئی آگ)۔

(الحمد للہ سورہ قارہ مکمل ہو گئی)

[سورہ النکاثر]

آیت: ۸۲:۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْهٰکُمْ الشَّکَکُورُ (۱) حَقَّقْ رُزْقُکُمُ الْبَقَایَ (۲) کَلَّا سَوَفَ تَعْلَمُوْنَ (۳) کَلَّا سَوَفَ تَعْلَمُوْنَ (۴) کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَہِیْنِ (۵) لَکَرُوْنَ الْجَحِیْمَ (۶) کَلَّا لَکَرُوْهُنَّ اَعْلٰنَ الْیَہِیْنِ (۷) کَلَّا لَنُسْأَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (۸)

ترجمہ:

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ (۱) یہاں تک کہ تم (اسی تک و دو میں) جا پہنچے قبروں تک (۲) ہر گز نہیں عنقریب تم لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا (۳) پھر (سن لو!) ہر گز نہیں عنقریب تم لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا (۴) ہر گز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ یہ بات جانتے ہو تے (تو ایسا نہ کرتے) (۵) تم یقیناً دیکھ کر رہو گے دوزخ کو (۶) پھر یقین جانو کہ تم اسے بالکل یقین کے ساتھ دیکھ لو گے۔ (۷) پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ ان کا کیا حق ادا کیا) (۸)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ النکاح ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں نکاح کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت سولہویں نمبر پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے پندرہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

سورۃ القارعہ میں انسان کو قیامت پر پیش آنے والے ہول ناک حوادث سے آگاہ و خبردار کیا گیا تھا، اب اس سورت میں جو اسباب غفلت ہیں ان سے باخبر کیا جا رہا ہے کہ مال و دولت کی حرص انسان کو آخرت سے غافل اور دور کرنے والی چیز ہے، اسی مال و اولاد پر تفاخر و غرور بھی کوئی اچھی بات نہیں، انسان کو چاہیے ان فتنوں میں مبتلا ہو کر اپنے اصل مقصد یعنی فکر آخرت کو فراموش نہ کرے۔

ثان نزول:

مکہ مکرمہ میں دو برادریاں تھیں۔ بنو عبد مناف اور بنو سہم۔ یہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک برادری نے کہا ہم زیادہ ہیں۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں۔ اس پر اختلاف ہو گیا۔ سمجھ دار آدمیوں نے کہا کہ جھگڑانہ کرو ایک شہر میں رہنے والے ہو مردم شماری کر لو۔ مردم شماری کی گئی تو بنو عبد مناف کے افراد بڑھ گئے۔ انھوں نے نعرے بازی کی، خوشی منائی کہ ہم زیادہ ہیں۔ بنو سہم کو بڑا صدمہ ہوا کہ ہم تھوڑے نکلے۔ بنو سہم نے کہا کہ قبروں کو بھی شمار کرو۔ چنانچہ قبرستان گئے تو بنو سہم کے مردے زیادہ نکلے۔ انھوں نے وہاں نعرے بازی کی، خوشی منائی کہ ہم زیادہ ہیں۔ تو فرمایا۔ تمہیں غفلت میں ڈال دیا کثرت نے یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی یعنی مردوں کو بھی مردم شماری میں شامل کیا۔ (ذخیرۃ الجنان)

تفسیر:

فرمایا: ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ الخ
مال کی محبت:

انسان کو فرائض منصبی سے غافل کرنے والی چیزوں میں مال کی محبت، سرفہرست ہے یہاں پر اس بات کو نکاح کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اللھم النکاح اثم کو کثرت کی طلب نے غفلت میں ڈال رکھا ہے حتیٰ زرم المقابر یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کرو یعنی مر کر قبروں میں پہنچ جاؤ نکاح میں مال، اولاد، دنیا کا ساز و سامان اور جماعت سب کچھ شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ دنیا کے مال و دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر اپنے حقیقی مقاصد یعنی اپنے مالک کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے ان کو یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مال و دولت حاصل ہو، خاندان بڑا ہو، جتھا اور جماعت غالب آئے۔ فرمایا تم انھیں چیزوں کی طلب اور حرص میں مبتلا رہتے ہو اور یہی وہ چیز ہے۔

جو تمہیں فرائض منصبی سے غافل بناتی ہے۔ یہاں تک کہ تم مر کر قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔

حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد گرامی ہے۔ یقول ابن آدم مالی مالی یعنی اے آدم کے بیٹے میرا مال، میرا مال ہی کہتے رہتے ہو۔ حالانکہ تمہارا مال وہ ہے جو موت نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا۔ یا اپنے ہاتھ سے صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی فہو ذاحب و تار کہ تم اسے چھوڑ کر جانے والے ہو۔ مسلم ص 407 / ج ۲، ترمذی ص

339

ایسے مال کے وارث کوئی اور ہوں گے۔ آج تم جس مال کے لیے تنگ و دو کر رہے ہو اور میرا مال میرا کہتے ہو، وہ تمہارا نہیں تم اسے کام وہی آئے گا جو تم نے کھالیا پہن لیا یا آگے بھیج دیا۔ یہ مکان، جائیداد، کوٹھی، باغ موٹر تمہارے نہیں ہیں۔

میت کے تین ساتھی:

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے، تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں اہلہ، و مالہ، و عملہ یعنی اس کا مال، اہل و عیال اور عمل مردے کو دفن کے بعد دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور صرف ایک چیز اس کے ساتھ رہتی ہے۔ فرمایا مال اور اہل واپس آ جاتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ رہتا ہے (مسلم، ج ۲) مال اور اہل جن کی فکر میں انسان زندگی بھر ڈوبا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا، نہ اس کی ذات کی طرف، نہ صفات کی طرف، نہ احکام کی طرف، نہ افعال اور نہ اس کے دین کی طرف وہی مال اور اولاد اسے قبر میں چھوڑ کر واپس چلی آتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مال و دولت کی بہتات نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے اور انسان قبروں میں پہنچ جاتے ہیں۔

یہ لوگ قبروں میں پہنچ کر نہایت ہی افسوس اور بردامت کا اظہار کریں گے مگر وہاں ان کا افسوس کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ کاش کہ وہ اس دنیا میں اپنے حقوق و فرائض کو سمجھتے اللہ کی طرف رجوع کرتے، اس کے احکام کی پیروی کرتے، مال میں اس قدر منہمک نہ ہو جاتے تو آج انہیں حسرت و یاس کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

علم الیقین:

فرمایا: کلا سوف تعلمون بس مرنے کی دیر ہے۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم نے بہت غلط کام کیا۔ تاکیدا دوبارہ فرمایا ثم کلا سوف تعلمون تم بہت جلد جان لو گے کلا تو تعلمون علم الیقین اگر تم یقینی علم کے ساتھ جانتے کہ جزائے عمل ضرور واقع ہوگا اور اس کے مطابق اپنا عمل جاری رکھتے تو آگے چل کر کوئی دشواری لاحق نہ ہوتی۔ اس چیز کو بار بار سمجھایا گیا ہے کہ انسان کا مکلف ہونا جزائے عمل کے لیے متکلم ہے جس طرح پیدائش کے ساتھ موت لازم ہے۔ اسی طرح جزائے عمل بھی الزام ہے۔ اگر انسان غور فکر کرتا تو اسے ضرور یقینی علم حاصل ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ انسان اس طرف توجہ نہیں کرتا۔

فرمایا: لترون الحکیم تمہیں یقین اس وقت آئے گا، جب جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ حالانکہ یہ یقین تمہیں اس دنیا میں ہونا چاہیے تاکہ تمہیں خوف پیدا ہو اور تمہیں معلوم ہو کہ ”من یحمل مثقال ذرۃ خیر ابصرہ و من یحمل مثقال ذرۃ شر ابصرہ“ اگر

انسان غور کرے تو اسے جنت اور جہنم اسی دنیا میں نظر آجاتے ہیں۔ بشرطیکہ تم یقین کے ساتھ جانتے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم یقین سے محروم ہو، اسی لیے تم غفلت میں پڑے ہوتے ہو۔ جب جہنم سامنے نظر آئے گی، اس وقت تمہیں یقین آئے گا۔ اس وقت تم یقین کی آنکھ سے دیکھو گے اور افسوس کا اظہار کرو گے کہ ہم کس گمراہی میں مبتلا تھے۔ ثم لترونها عین الیقین۔ ”پھر البتہ تم اس کو یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔

انعامات الہی کے متعلق سوال؛

فرمایا؛ ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم پھر تم سے اس دن پوچھا جائے گا۔ کہ میرے عطا کردہ انعامات کی تم نے کیا قدر دانی کی تھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سلسلہ بڑا وسیع ہے، ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، کہ قیامت کے دن اللہ کے بندوں کو کھڑا کیا جائے گا۔ پھر ان سے چار باتوں کا سوال کئے بغیر ان کے قدم نہیں اٹھنے دیں گے۔ عن عمرہ اللہ تعالیٰ عمر کے متعلق سوال کریں گے فی ما افناه اسے کس چیز میں فنا کیا۔ عمر جیسی عظیم نعمت کو کیسے بسر کیا اور عن جسمہ فیما ابلاه پھر جسم کے متعلق سوال ہوگا۔ وعن علمہ کہ علم کے مطابق میں نے کیا کام کیا اور چوتھا سوال مال کے متعلق ہوگا۔ من این اكتسبه وفيما انفقہ یعنی مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے۔ ”ولا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل“ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ نیز یہ بھی کہ۔ ”ولا تبذروا فضلکم فی سبیل من سبیل“ اور تم اپنا فضل کسی سبیل میں نہ بھینچو۔ ”ولا تسرفوا، انه لا يحب المفسرفین“ اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جس طرح ناجائز طریقے سے کمانا حرام ہے اسی طرح حرام جگہ پر خرچ کرنا بھی وہال ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی مادی نعمتوں کے متعلق یہ سوال ہوں گے، اسی لیے فرمایا ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم

صحت اور فراغت؛

امام جعفر صادق کی تفسیر کے مطابق ہر مادی نعمت کے متعلق سوال ہوگا ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ نعمتان مخبون فیہما کثیر من الناس دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ دو چیزیں کون سی ہیں۔ الصحة والفراغ ایک تندرستی اور دوسری فراغت۔ انسان صحت و تندرستی کی حالت میں فضول کاموں میں لگا رہتا ہے۔ اچھے کام نہیں کرتا۔ مگر جب صحت جواب دے دیتی ہے۔ تو افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ مگر اس وقت کا افسوس کرنا کسی کام نہیں آتا۔ اسی طرح جب آدمی کو فراغت میسر ہوتی ہے، وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اچھے کام نہیں کر پاتا، مگر جب مشغول ہو جاتا تو پھر اچھے کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسی لیے فرمایا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی دو بڑی نعمتیں یعنی صحت اور فراغت میسر آتی ہیں۔ مگر ان سے بروقت فائدہ نہ اٹھا کر نقصان میں رہتے ہیں۔

کوئی نعمت حقیر نہیں؛

صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر نعمت کی تعظیم کرتے تھے اگرچہ وہ چھوٹی سے چھوٹی کیوں نہ ہو

لہذا کسی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ قدر کرنا چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نعمت کو صحیح مقام پر خرچ کرنے سے شکر یہ ادا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیشمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ جنہیں وہ شمار نہیں کر سکتا۔ ”وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوها ان الانسان لظلم کفار“ انسان تو ایک بال کا حق ادا نہیں کر سکتا خواہ ساری عمر بڑی سے بڑی عبادت کرتا رہے۔

قرآن اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارکہ:

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے دو بڑی عظیم نعمتیں ہیں۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک قرآن ہے اور دوسری حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارکہ ان دونوں نعمتوں کے متعلق بھی قیامت کو سوال ہوگا۔ تو نے قرآن پاک کے پروگرام کو مانا یا نہیں۔ اگر مانا تو اس کے مطابق عقیدہ درست کیا؟ اور اس پر عمل کیا؟ اسی طرح حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارکہ پر ایمان لائے یا نہیں؟ اور پھر آپ کا اتباع کیا یا نہیں۔۔۔ خود حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا کہ اللہ کے پیغمبر پہنچایا یا نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! بلغت وادیت و نصیحت حضرت! آپ نے خدا کا پیغام پہنچایا۔ امانت ادا کر دی، نصیحت کا حق بھی ادا کر دیا۔ (روح المعانی، ج ۱۵)

کھجور اور پانی:

ایک دفعہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابوہشیم بن المتیمان کے باغ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی تھے۔ ابوہشیم کہیں دور پانی لینے گیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی گھر میں موجود تھی۔ آپ کے دریافت کرنے پر اس عورت نے بتایا کہ اس کا خاوند پانی لینے کے لیے گیا ہوا ہے۔ اتنے میں وہ بھی پانی کا مشکیزہ اٹھائے آگیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیر متوقع طور پر اس کے گھر تشریف لائے اس شخص نے اپنے باغیچے میں مہمانوں کے لیے چٹائی بچھائی، پھر کھجوروں کا خوشہ توڑ کر لایا اور پیش کیا۔ آپ سب نے اس میں سے پکی پکی کھجوریں تناول فرمائیں، اور میٹھا پانی نوش فرمایا۔ اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ناصحانہ انداز میں فرمایا ہذا الذین نفسی بیدہ من النعیم الذی تسالکون عنہ یہ وہ نعمتیں ہیں۔ جن کے بارے میں قیامت کو سوال ہوگا۔ رطب طیب و ماء بارد یعنی یہ پاکیزہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں۔ (معالم العرفان)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

النَّيْمُ (اَلْی۔ کُم) اَلْی، فعل ماضی واحد مذکر عاقل بالی، غافل کرنا، غفلت کرنا، غافل کر دیا، کُم، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہیں (تمہیں غافل کر دیا) اَلْکَلْبُ، بروزن تفاعل مصدر ہے، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کیلئے مزید طلبی و سعی، ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس، حتی، حرف نایت اور انہما کیلئے (یہاں تک کہ رُزُئُکُم، اصل میں، رُزُئُکُم، تھا، وصل کیلئے، م، کو پیش دیا گیا ہے، فعل ماضی جمع مذکر حاضر زائدہ زوڑ، مصدر زیارۃ، زیارت کرنا، ملاقات کرنا، جا پہنچنا، جا دیکھنا (تم جا پہنچے) اَلْکَبَرُ (قبروں) واحد، اَلْبَجَرَةُ، تَکَا، حرف روع و زجر (ہرگز نہیں) سَوَفَ، حرف استقبال (عنقریب) فعل مضارع کے معنی کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے۔ تَقْلُوْن، فعل مضارع جمع مذکر حاضر عَلِمَ، تَعْلَمُ مصدر عَلِمَ جانا (تم جان لو گے) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) تَکَا، حرف روع و زجر (ہرگز نہیں) سَوَفَ، حرف استقبال

(عقرب) فعل مضارع کے معنی کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے۔ تَقْنُونُ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر عَلِمَ عَلِمُوا، مصدر عَلَّمَ، جانا (تم جان لو گے) عَلَّمَ، حرف رد و جر (ہرگز نہیں) لَوْ، شرطیہ (اگر) تَقْنُونُ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر عَلِمَ عَلِمُوا، مصدر عَلَّمَ، جانا (تم جان لیتے) عَلِمَ التَّقْنُونُ (عَلِمَ - التَّقْنُونُ) عَلِمَ، مضاف، مصدر، جانا، عَلِمَ، التَّقْنُونُ، مضاف الیہ، یقین کا، یقینی (یقینی علم، یقین کا جانا) تَرَوْنُ (لَ - تَرَوْنُ) لَ، لام تاکید، یقیناً، تَرَوْنُ، فعل مضارع موکد بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر زائی ماری، مصدر رَوَّیْتُہ دیکھنا، تم ضرور دیکھ لو گے (یقیناً تم ضرور دیکھ لو گے) اَلْحُحْمُ (جہنم) حُمَ، حرف عطف (پھر) تَرَوْنَهَا (لَ - تَرَوْنَهَا) لَ، لام تاکید، یقیناً، تَرَوْنُ، فعل مضارع موکد بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر زائی ماری، مصدر رَوَّیْتُہ دیکھنا، تم ضرور دیکھ لو گے، حُمَ، ضمیر کا مرجع، اَلْحُحْمُ، ہے (یقیناً تم ضرور اسے دیکھ لو گے) عَيْنِ التَّقْنُونِ (عَيْنِ - التَّقْنُونِ) عَيْنِ، مضاف، اَلْکَلْہ جمع، عَيَّوْا، التَّقْنُونِ، مضاف الیہ، یقین کی (یقین کی اَلْکَلْہ) حُمَ، حرف عطف (پھر) لَنْ تَلْنُ (لَ - تَلْنُ) لَ، لام تاکید، یقیناً، تَلْنُ، فعل مضارع مجہول موکد بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر سألَ سألُوا، مصدر سَوَّأَ، سوال کرنا، پوچھنا، تم ضرور پوچھ جاؤ گے (یقیناً تم ضرور پوچھ جاؤ گے) لَوْ مَنِيْہُ (لَوْ - مَنِيْہُ) لَوْ، مضاف، ظرف، دن، اِذْ، مضاف الیہ، اس (اس دن) عَنِ التَّعْنِيمِ (عَنِ - التَّعْنِيمِ) عَنِ، حرف جار کے بارے میں، التَّعْنِيمِ، مجرور، اسم معرفہ، نعت، راحت، عیش (نعت کے بارے میں)۔

(الحمد للہ سورہ نکاح مکمل ہو گئی)

[سورۃ العصر]

آیت ۱ تا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالْعَصْرِ (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اَكْفَرٌ (۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَّصَّوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّصَّوْا بِالصَّدَقٰتِ (۳)

ترجمہ:

قسم ہے زمانے کی (۱) انسان در حقیقت بڑے گھالے میں ہے۔ (۲) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔ (۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ العصر ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں عصر کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے بارہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا تیرھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیات ہیں۔

ما قبل سے ربط:

سابق سورۃ میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جو ساری عمر اسی دنیا کے مال و متاع جمع کرنے کی فکر میں گنوا بیٹھتے ہیں یہاں تک کہ موت کی گھڑی آجاتی ہے اور انھیں یہ سچنے کی فرصت کبھی نہیں ملتی کہ یہ عمر عزیز اللہ تعالیٰ نے انھیں کس مقصد بلند کی خاطر عطا فرمائی اور وہ اس کو کس بواہر ہوسے بے حاصلی میں برباد کر بیٹھے۔ اگر وہ جانتے کہ ایک دن تمام نعمتوں کی طرح زندگی کی

عظیم نعمت سے متعلق بھی ان سے سوال ہوگا کہ اس کو انھوں نے کس کام میں صرف کیا تو وہ ہرگز یہ حماقت نہ کرتے کہ جس چیز سے وہ ابدی بادشاہی حاصل کر سکتے تھے اس کو دنیا کے خرف ریزے جمع کرنے اور اپنے لیے ابدی لعنت کا سامان کرنے پر قربان کر دیتے۔ اب اس سورۃ میں بتایا ہے کہ زندگی کی اصل قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا چیز اس کو ابدی فلاح کی ضامن بناتی ہے اور کیا چیز اس کو دائمی خسران میں تبدیل کر دیتی ہے؟ کس طرح انسان اس کو اپنے لیے رحمت بنا سکتا ہے اور کس طرح یہ آپ سے آپ اس کے لیے قیمت اور عذاب بن جاتی ہے اگر وہ اس کو رحمت بنانے کی کوشش نہ کرے۔

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے زمانے کی، الخ

زمانہ کی قسم کھانے کی وجہ۔

(۱) زمانہ بہت عجیب و غریب چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں خشوی اور غم کا، اور صحت اور بیماری کا خوش حالی اور تنگ دستی کا ظہور ہوتا ہے، عقل حیران ہے کہ زمانہ کو موجود کہے یا معدوم کہے، معدوم اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ سال، مہینہ، ہفتہ، دن اور گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور زمانہ کم اور زیادہ ہوتا ہے اور جو چیز اس طرح ہو وہ معدوم نہیں ہوکتی اور موجود اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ یا ماضی ہے یا مستقبل، ماضی گزر چکا ہے وہ موجود نہیں ہے اور مستقبل ابھی آیا نہیں وہ بھی موجود نہیں ہے اور ربا ح ضرر تو وہ ناقابل تقسیم ہے۔

(۲) انسان ساری زندگی گناہ کرتا رہے اور عمر کے آخری لمحہ میں توبہ کر لے تو اس کو جنت مل جائے گی، جس میں وہ ابد الابد تک رہے گا، تو انسان کی پوری زندگی کا وہی قیمتی لمحہ ہے اور اس سے پہلے کی زندگی کو انسان محض ضائع کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(الفرقان ۶۲): اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہو۔

(۳) لوگوں کی عادت ہے کہ ان پر جو مصائب آتے ہیں یا ان کو جو نقصان ہتوے ہیں وہ ان کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس میں کوئی عیب نہیں ہے، عیب تو انسان میں ہے، وہ اپنے کرتوتوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہے اور اس نقصان کی نسبت زمانہ کی طرف کر دیتا ہے۔

(۴) زمانہ کے گزرنے سے انسان کی عمر کم ہوتی رہتی ہے، اگر وہ اس زمانہ میں نیک کام نہیں کرے گا تو اس کو سراسر نقصان ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا: بیشک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے۔ سو ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے۔

”العصر“ کی تفسیر میں اقبال

روایت ہے کہ ”العصر“ سے مراد دہر اور زمانہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: رب عصر کی قسم ہے، ابن کثیر نے کہا، اس سے مراد دن اور رات ہے، حسن بصری نے کہا: اس سے مراد زوال شمس سے لے کر غروب شمس تک کا وقت ہے،

قتادہ نے کہا، اس سے مراد دن کی ساعات میں سے آخری ساعت ہے، مقاتل نے کہا، اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ وہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص 302 دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1420ھ)

والعصر سے مراد عصر کی نماز ہے، اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہ ذکر کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز کی قسم کھا کر اس پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عصر کی نماز میں بہت فضیلت ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ“ (البقرہ 238:) تمام نمازوں کی حفاظت کرو، خصوصاً درمیانی نماز کی۔

(۲) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی عصر کی نماز کی بہت فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے:

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل اور اس کا مال ہلاک ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۲: صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۲۶: ۶۸۵)

حضرت بریدہ نے ایک ابراہمؓ کو یاد دلایا: عصر کی نماز جلدی پڑھ لو، کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: جس نے عصر کی نماز کو ترک کر دیا اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 553: مسند احمد ج ۵ ص 349-350)

حضرت جریر (رض) بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے، آپ نے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے، جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو، تم کو اسے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلے کی نمازوں میں کوتاہی نہ کرو، یہ نمازیں تم سے قضاء نہ ہو جائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۴: صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۳۳: سنن ترمذی رقم الحدیث ۴۷۲۹:)

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، پھر جو فرشتے تمہارے پاس رات میں تھے وہ اوپر جاتے ہیں ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے، وہ فرماتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۵: صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۳۲:)

(سنن ترمذی رقم الحدیث ۴۸۷: ۴۸۶)

(۳) عصر کے وقت نماز پڑھنا نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے کیونکہ اس وقت کاروباری لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اور جو عبادت بھاری ہو، اس کو ادا کرنے کا بہت ثواب ہوتا ہے۔

(۴) عصر کی نماز کے بعد دن کی عبادت ختم ہو جاتی ہے، سو اس وقت نماز پڑھنا مرتے وقت توبہ کرنے کے مشابہ ہے۔

(۵) عصر کا قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مقدس ہے، اس وقت جھوٹ بول کر سودا بیچنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناراضگی کا موجب ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین آدمیوں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ کا فالتو پانی ہو اور وہ اپنے پڑوسی کو دینے سے منع کرے، دوسرا وہ شخص جو کسی حاکم سے دنیاوی غرض کی خاطر بیعت کرے، اگر وہ اس کو دنیا میں سے کچھ دے تو وہ اس سے راضی ہو اور اگر وہ اس کو نہ دے تو اس سے ناراض ہو اور تیسرا وہ شخص ہے جو عصر کے بعد سودا فروخت کرے اور کہے: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، مجھے یہ چیز اتنے کی ملی ہے اور اس کی خریدار تصدیق کر دے اور اس نے جھوٹی قسم کھائی ہو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

(آل عمران ۷۷:) بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور پانی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض بیچ دیتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو صاف کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(تفسیر گبیر ج ۱۱ ص ۲۷۹ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: بیشک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے۔

تمام انسانوں کا خسارے میں مبتلا ہونا:

اس آیت میں ”الانسان“ پر الف لام کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ یہ الف لام استغراق کے لیے ہے جیسا کہ حضرت علی (رض) نے اس کی تفسیر میں فرمایا: بیشک ابن آدم ہلاکت اور نقصان میں ہے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۷۱) دوسرا یہ ہے کہ یہ الف لام عہد کا ہے اور مراد کفار ہیں۔

امام ابو اسحق احمد بن ابراہیم الشعلبی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب (رض) بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اس سورت کو پڑھا اور آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں، اس آیت کی کیا تفسیر ہے؟ آپ نے فرمایا: ”والعصر“ سے مراد ہے دن کا آخری حصہ۔ ”ان الانسان لفی خسر“ سے مراد ہے: ابو جہل بن ہشام۔ ”الا الذین

امتنوا“ سے مراد ہے: ابو بکر صدیق اور ”عملوا الصلحت“ سے مراد ہے: عمر بن خطاب۔ ”و تو اوصوا بالحق“ سے مراد ہے: عثمان بن عفان۔ ”و تو اوصوا بالصبر“ سے مراد ہے: علی بن ابی طالب۔

امام ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن عباس (رض) سے بھی بعینہ یہی تفسیر نقل کی ہے۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص 284، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام الحسن بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں ”الانسان“ سے مراد کافر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد مومنین کا استثناء فرمایا ہے، فرمایا ہے: بیشک انسان خسارہ میں ہے، اور خسارہ کا معنی ہے: انسان کا اصل مال ضائع ہو جائے یعنی انسان خود بھی ہلاک ہو جائے اور اس کی تمام عمر گناہوں میں ضائع ہو جائے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص 302 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

انسان خسارہ سے الگ نہیں ہو سکتا، کیونکہ خسارہ کا معنی ہے: اصل مال کا ضائع ہو جانا اور انسان کا اصل مال اس کی عمر ہے اور وہ بہت کم اپنی عمر کے ضائع ہونے سے بچ سکتا ہے کیونکہ انسان کے اپر جو ساعت بھی گزر رہی ہے، اس میں اگر وہ گناہوں میں مصروف ہے تو اس کے نقصان میں کوئی شک نہیں ہے اور اگر اس کی وہ ساعت مباح کاموں میں گزر رہی ہے، پھر بھی اس کا نقصان اس لحاظ سے ہے کہ اس کو ان کاموں پر ثواب نہیں ملا، اور اگر اس کی وہ ساعت اطاعت اور عبادت میں گزر رہی تو وہ جس کیفیت سے عبادت کر رہا ہے، اس سے عمدہ اور اعلیٰ کیفیت سے بھی عبادت کرنا ممکن ہے کیونکہ خشوع اور خضوع رہی تو وہ جس کیفیت سے عبادت کر رہا ہے، اس سے عمدہ اور اعلیٰ کیفیت سے بھی عبادت کرنا ممکن ہے کیونکہ خشوع اور خضوع کے درجات غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر زیادہ کے درجات غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر زیادہ معرفت ہوگی، اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوگا اور جتنا زیادہ خوف ہوگا، وہ اتنی زیادہ تعظیم سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور اعلیٰ عبادت کو ترک کرنا اور ادنیٰ عبادت کو اختیار کرنا یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے، پس واضح ہو گیا کہ ہر انسان کسی نہ کسی قسم کے خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے۔

اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر انسان اصل میں خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے، کیونکہ انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ آخرت سے محبت رکھے اور دنیا سے اعراض کرے اور وہ اسباب جو آخرت کے داعی اور محرک ہیں، وہ مستور اور غیر ظاہر ہیں اور وہ اسباب جو دنیا کی محبت کے داعی ہیں، وہ ظاہر ہیں، وہ انسان کے حواس خمسہ اور شہوت اور غضب ہیں، اس وجہ سے زیادہ لوگ دنیا کی محبت اور اس کو طلب کرنے میں مستغرق ہیں، اس لیے سب لوگ خسارے اور نقصان میں ہیں سوائے مومنین صالحین کے۔ (تفسیر گمیر ج ۱۱ ص ۲۸۰ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور انھوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔

اس آیت کا معنی ہے :

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کی اور اس کی اطاعت اور عبادت کا اقرار کیا اور نیک اعمال کئے یعنی فرائض اور واجبات کو ادا کیا اور سنن اور مستحب پر کاربند رہے اور معاصی کا ارتکاب نہیں کیا اور گناہ گبیرہ اور صغیرہ سے مجتنب رہے اور دوسروں کو بھی کتاب اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے رہے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

”وَتَوَّاصُوا بِالْحَقِّ“ کی تفسیر میں تین قول ہیں :

(۱) یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ دوسروں کو بھی توحید پر ایمان لانے کی تلقین کرتے رہے، (۲) قتادہ نے کہا: وہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے رہے، (۳) سدی نے کہا: وہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کی تلقین کرتے رہے۔

”وَتَوَّاصُوا بِالصَّبْرِ“ کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں :

(۱) قتادہ نے کہا: وہ اللہ کی فرمان برداری کی نصیحت کرتے رہے، (۲) ہشام بن حسن نے کہا: وہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے فرائض پر عمل کرنے کی تاکید کرتے رہے (۳) اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام کام کرنے کی خواہش پر صبر کرنے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی مشقت پر صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ (الکت والعیون ج ۶ ص ۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

دعوت تبلیغ کی اہمیت :

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمام لوگ خسارے میں ہیں، سوائے ان کے جو چار چیزوں سے متصف ہوں: ایمان اعمال صالحہ، لوگوں کو اطاعت اور عبادت کی وصیت کرنا اور لوگوں کو صبر کی تلقین کرنا، اس سے معصوم ہوا کہ انسان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور ان کو برائی سے روکے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

(آل عمران ۱۱۰): تم بہترین امت ہو، ان سب امتوں ہے جن کو لوگوں کے لیے ظاہر کیا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

وَالْخُسْرٰی (و۔ الخضر) حرف جار، قسم، الخضر، مجرور، مقسم بہ، زمانہ، دن کی آخری گھڑی، زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت (زمانہ کی قسم) إِنَّ الْإِنْسَانَ (إِنَّ۔ الْإِنْسَان) حرف مشبہ بالفعل، بے شک، الْإِنْسَان، إِنَّ، کا اسم منصوب، انسان، (بے شک انسان) لَفِي خُسْرٍ (ل۔ فِی۔ خُسْرٍ) لام تاکید، یقیناً، فِی، حرف جار، میں، خُسْرٍ، مجرور، مصدر بمعنی، اصل پونجی کا ضائع ہو جانا، گھانا، نقصان، خسارہ (یقیناً خسارے میں)

اَ، حرف استثنا (مگر، سوائے) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (ان لوگوں کے جو) اَمْسُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَمْسَیْتُ، مصدر لَمَّا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) و، حرف عطف (اور) عَمِلُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَصْلَاحًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (نیک، اچھے) وَاَحَدُ، اَلْفُصُولُ، و، حرف عطف (اور) تَوَاصَوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب تَوَاصَى، مصدر تَوَاصَى، ایک دوسرے کو وصیت یا تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت (تلقین) کی) اَلْحَقُّ (ب)۔ اَلْحَقُّ (ب) حرف جار، کی، اَلْحَقُّ، مجرد، حق (حق کی) و تَوَاصَوْا بِالْقَبْرِ (رج) ۰۰۳ اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت (تلقین) کی۔ و، حرف عطف (اور) تَوَاصَوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب تَوَاصَى، مصدر تَوَاصَى، ایک دوسرے کو وصیت کرنا، ایک دوسرے کو تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت (تلقین) کی) بِالْقَبْرِ (ب)۔ اَلْقَبْرِ، مجرد، صبر (صبر کی)۔

(الحمد للہ سورہ عصر مکمل ہو گئی)

[سورة الهزرة]

آیت ۱ تا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَنَزَّلَ لَكُم مِّمَّا لَمْ يُغْنِ عَنْكُمْ مَالُكُمْ وَمَا أُخْذَ الْكُفْرُ (۱) الَّذِي يَجْعَلُ مَالًا وَعَدَدُكُمْ (۲) يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ (۳) كَلَّا لَا بُدَّ لَكُمْ فِي الْخَطْمَةِ (۴) وَمَا أُخْذَ الْكُفْرُ (۵) كَلَّا لَا بُدَّ لَكُمْ فِي الْخَطْمَةِ (۶) كَلَّا لَا بُدَّ لَكُمْ فِي الْخَطْمَةِ (۷) كَلَّا لَا بُدَّ لَكُمْ فِي الْخَطْمَةِ (۸) كَلَّا لَا بُدَّ لَكُمْ فِي الْخَطْمَةِ (۹)

ترجمہ:

بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا (اور) منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو (۱) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ (۲) وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا (۳) ہرگز نہیں! اس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کرنے والی ہے۔ (۴) اور تمہیں کیا معلوم وہ چورا چورا کرنے والی چیز کیا ہے؟ (۵) وہ اللہ کی آگ ہے جسے خوب بھڑکا کر رکھا گیا ہے (۶) جو دلوں تک جا چڑھے گی۔ (۷) بیشک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی (۸) اس حالت میں کہ وہ اونچے اونچے ستونوں میں جگڑے ہوئے ہوں گے (۹)

کوائف:

اس سورت کا نام سورة الهزرة ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں ہمزہ کا لفظ موجود ہے۔ جس سے سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے اکتیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا نزول کے اعتبار سے بیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور نو آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورۃ العصر میں انسان کو اسے ایسے اصول کی ہدایت فرمائی گئی جن کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچا سکے اور انسانی حیات جس فوز و فلاح کے لیے عطا کی گئی اس کو حاصل کرنے میں خسران و محرومی سے محفوظ رہے، اب اس سورت میں ان بعض ناپاک اور بیہودہ خصلتوں کا بیان ہے جن سے انسان اپنی انسانیت ہی کو برباد کر ڈالتا ہے وہ طعن و تشنیع جیسی مذموم خصلتوں، لوگوں میں عیب تلاش کرنا، ان پر طنز کرنا ان کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہو جانا ہے ان مذموم خصلتوں کا حامل انسان اپنی انسانیت ہی برباد کرتا ہے تو پہلے عرضائع کرنے پر وعید تھی اور اس سے تحفظ کے اصول اربعہ کا بیان تھا، تو اب اصل انسانیت ہی کو تباہ کرنے والی خصلتوں کا بیان ہے تاکہ انسان ایسے ناپاک خصلتوں سے بچنے کی کوشش کرے، پھر یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جہاں ایک طرف ان خصلات سے انسانیت کو گندگی سے آلودہ کرنا لازم آتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور اس پر فریفتہ ہو جانا بھی انسانیت کو تباہ کرنے والی خصلت ہے ماں و دولت کی حرص انسان کو ہر خیر و فلاح سے محروم کرنے والی چیز ہے اور ساتھ ہی معاشرہ میں ہر نوع کی خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ ناپاک خصلات ان معاصی اور گنہوں کا موجب ہیں جو حقوق العباد سے تعقل رکھتے ہیں گناہوں میں حقوق اللہ کا برباد کرنا بھی بیشک بڑا گناہ ہے لیکن ان کی معافی کا امکان ہے، اس کے برعکس حقوق العباد کی معافی ممکن نہیں، ان خصلتوں سے انسان جماعتوں اور قوموں میں تفرقہ ڈالتا ہے جو بدترین جرم ہے، غیبت جیسی بدترین خصلت کا مرتکب ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا، اور زنا سے بھی زیادہ قبیح فرمایا، تو ان عادات و خصلات سے انسان کی وناست و ذلت کی کوئی حد باقی نہیں رہتی تو ان پر وعید فرمائی گئی ہے اور آخرت کے عذاب کا بھی ذکر فرمایا گیا تاکہ انسان ان باتوں سے پرہیز کرے،

شان نزول:

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سورت میں طعنہ زن اور عیب جو کے لیے جو وعید ذکر کی گئی ہے وہ ہر طعنہ زن اور عیب جو کے لیے ہے، یا مخصوص طعنہ دینے والوں کے لیے ہے، محققین نے کہا: یہ وعید ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہے، کیونکہ کسی آیت کے سبب کی خصوصیت عام حکم سے مانع نہیں ہوتی۔

دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ وعید اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بالخصوص طعنے دی تا تھا اور آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور یہ گروگوں کی بالعموم عیب جوئی کرتا تھا اور انھیں طعنے دیتا تھا، اور امام محمد بن اسحاق نے کہا: ہم ہمیشہ سے یہ سنتے رہے ہیں کہ سورۃ الحمزۃ امیہ بن خلف جمحی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ سورت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو پس پشت آپ کے عیب نکالتا تھا اور آپ کے منہ

پر آپ کو طعنہ دیتا تھا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۵۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ)
مجاہد نے کہا: یہ آیت ہر اس شخص کے متعلق عام ہے، جس میں یہ وصف پایا جائے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۳ دار احیاء
التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

تفسیر:

فرمایا: بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا، الخ
”الهمزة“ اور ”اللمزة“ کے معانی:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ان دونوں لفظوں کا معنی ہے: چغلی کھانے والے اور دوستوں کے درمیان فساد
ڈالنے والے اور بے عیب لوگوں میں عیب تلاش کرنے والے۔

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں
سب سے اچھے ہیں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو
اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے، پھر فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے برے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی
کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ اور فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ عیب سے بری ہوں ان میں عیب نکالتے ہیں۔
(مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۹ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۳)

اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ ”همزة“ چغل خور ہے اور ”لمزة“ عیب نکالنے والا ہے اور
ابو اعلیہ، انسان کے پس پشت اس کی برائی بیان کرے۔ (المجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۶۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔

ضحاک نے کہا: وہ مال اس لیے گن گن کر جمع کر کے رکھتا ہے تاکہ اس کی اولاد اس مال کی وارث ہو جائے اور اس سے
مقصود ان لوگوں کی مذمت کرنا ہے، جو اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے اور اس کو بچا بچا کر رکھتے ہیں۔
فرمایا: وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گا۔

سدی نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور یہ مال اس کے
کام آتا رہے گا۔

فرمایا: ہرگز نہیں! اس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چوراچورا کرنے والی ہے۔ الخ
”الحطمة“ کا معنی:

الهمزة ۴: میں ”الحطمة“ کا لفظ ہے، جس کا ترجمہ ہم نے چوراچورا کرنے والی کیا ہے۔

کتب لغت میں اس کے یہ معنی مذکور ہیں: ریزہ ریزہ چوراچورا جو چیز ٹوٹ پھوٹ کر چوراچورا ہو جائے یہ ”حطم“ سے

بنا ہے، جس کا معنی ہے : کسی چیز کو توڑنا اور کوٹنا۔ ”الحطمة“ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ (القاموس المحيط)
اس آیت میں فرمایا ہے : ہرگز نہیں! اس میں اس کافر کے گمان کا رد فرمایا ہے یعنی نہ وہ خود دنیا میں ہمیشہ رہے گا نہ اس کا جمع کیا ہوا مال باقی رہے گا اور اس کو رسوا کرتے ہوئے ”الحطمة“ میں جھونک دیا جائے گا۔ ”الحطمة“ دوزخ کی آگ کا وہ طبقہ ہے جہاں اس کو توڑ پھوڑ کر پیس ڈالا جائے گا، اس طبقہ کو ”الحطمة“ اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں جو کچھ بھی ڈالا جائے وہ اس کو توڑ پھوڑ کر چور اچور کر دیتا ہے۔

فرمایا : اور آپ کیا سمجھے کہ چور اچور کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟۔

یہ ”الحطمة“ کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اس طرح فرمایا ہے : مقاتل نے کہا : یہ دوزخ کا وہ طبقہ ہے جو ہڈیوں کو توڑ رہے گا اور گوشت کو کھا جائے گا، طعنہ زن اور عیب جو کہ اس طبقہ میں اس لیے ڈالا جائے گا کہ وہ بھی غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھا جاتا تھا، اس لیے اس کو ”حطمة“ میں ڈالا جائے گا، جو اس کی ڈیاں توڑ کر اس کا گوشت کھا جائے گی۔
فرمایا : وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہے۔

دوزخ کی آگ کی شدت:

یعنی یہ وہ آگ ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی۔ یہ دنیا کی جلائی ہوئی آگ کی طرح نہیں ہے، جو بالآخر بجھ جاتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلایا گیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : تمہاری آگ جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے، کہا گیا : یا رسول اللہ! یہ آگ بھی کافی تھی، آپ نے فرمایا : جہنم کی آگ تمہاری آگ پر نہتر درجہ زیادہ ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۲۶۵ : صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۳۸ : ۷۷)

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا، حتیٰ کہ وہ سرخ ہو گئی، اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہو گئی، اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا

حتیٰ کہ وہ سیاہ ہو گئی، پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۹۰ : سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۳۲۰ :)
حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا، پوچھا گیا : یا رسول اللہ! شقی کون ہے؟ فرمایا : جو اللہ (کی رضا) کے لیے کوئی طاعت نہ کرے اور اللہ (کے خوف سے) کوئی گناہ ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۲۹۸ : مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹)

فرمایا : جو دلوں تک جا چڑھے گی۔

مفارکے عذاب کی کیفیت:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے پیٹ میں داخل ہوگی، پھر ان کے سینہ تک پہنچ جائے گی، پھر ان نے دل پر چڑھ جائے گی اور انسان کے جسم میں دل سے زیادہ لطیف اور کوئی چیز نہیں ہے اور تھوڑی سی اذیت بھی دل میں بہت تکلیف ہوتی ہے، پس اس وقت کافر کا کیا حال ہوگا جب اس کو دوزخ میں جھونکا جائے گا، پھر دوزخ کی آگ اس کے دل پر چڑھ جائے گی، دل کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا ہے کہ شرک، کفر، تمام عقائد خبیثہ اور تمام بری نیات کافر کے دل میں ہوتی ہیں۔

فرمایا: وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی۔

ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، یعنی دوزخ میں کوئی بہت گہری جگہ ہے جیسے کوئی اندھا کنواں ہو اور اس میں کافروں کو جھونک دیا جائے گا، اور اس جگہ سے نکلنے کا کوئی دروازہ ہوگا لیکن وہ دروازہ ان پر بند کر دیا جائے گا، اس سے ان کی حسرت اور ناامیدی میں اور اضافہ ہوگا۔

جب کسی دروازے کے کواڑوں کو زور سے بند کر دیا جائے اور اس میں کٹھی لگا کر قفل لگا دیا جائے اور ان بند دروازوں کے کھلنے کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں: ”اصدت الباب“ اس سے ”موصدة“ بنا ہے، گویا ان کافروں کو حطمہ نامی ایک دوزخ کے طبقہ میں ڈال دیا جائے گا اور اس طبقہ کے دروازوں کو مضبوطی سے بند کر دیا جائے گا، ان کو کوئی کھول نہیں سکے گا اور اس دردناک عذاب سے نجات کی ان کے لیے کوئی صورت نہیں ہوگی۔

فرمایا: لمبے لمبے ستونوں میں۔

اس آیت میں ”عمد“ کا لفظ ہے، یہ ”عمود کی جمع ہے، اس کا معنی ستون ہے اور ”مدۃ“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: طویل لمبے یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی طرح بلند ہوں گے، نہ وہ بجھیں گے نہ ان کی ایذا رسانی میں کوئی کمی ہوگی۔

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ ان لمبے لمبے ستونوں سے ”حطمۃ“ کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا اور یہ آگ کے لمبے لمبے ستون اس قدر زیادہ ہوں گے کہ گویا وہی بند دروازہ ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ”حطمۃ“ کو ان پر اس حال میں بند کر دیا جائے گا کہ وہ آگ کے ان لمبے لمبے ستونوں سے باندھے ہوئے اور جکڑے ہوئے ہوں گے۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

ذَلَّ، اسم بمعنی (ہلاکت، عذاب) لُذِّلَ بِمُزَّةٍ (ل۔ لُز۔ مُزَّة) ل، حرف جار، کیلئے، کُن، مجرور، مضاف، ہر، مُزَّة، مضاف الیہ، صُور، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، طعن کرنے والا، عیب نکالنے والا، طعنہ دینے والا، (ہر بہت طعنہ دینے والے کیلئے) لُزَّ، لُزَّ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت عیب لگانے والا، ہنس پشت برائی کرنے والا، طعن کرنے والا) لُزَّی، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) جَجَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَجَّ جَجَجًا جمع کرنا، اکٹھا کرنا (اس نے جمع کیا) ناک، مفعول (مال) و، حرف عطف (اور) عَذَّوْهُ (عَذَّو۔ و) عَذَّو، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَذَّوْهُ، مصدر تَعَذَّرَ، گن گن کر رکھنا، اس نے گن گن کر رکھا، و، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، ضمیر کا مرجع "ناک" ہے (اس نے اسے گن گن کر رکھا) تَحَسَّبَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَحَسَّبَ، مصدر تَحَسَّبَ، خیال کرنا، سمجھنا، گمان کرنا، (وہ گمان کرتا ہے) اَنَّ، حرف مشبہ بالفعل (کہ بے شک) نَالَ (نَالَ۔ و) نَالَ، مضاف، مل، و، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا مال) اُفْلَدَ (اُفْلَد۔ و) اُفْلَدَ، فعل ماضی بمعنی مضارع واحد مذکر غائب اُفْلَدَ، مصدر اُفْلَدَ، ہمیشہ زندہ رکھنا، ہمیشہ کی زندگی دینا، ہمیشہ رہنا، وہ ہمیشہ زندہ رکھے گا، و، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا) تَلَّا، حرف رد و جر (ہر گز نہیں) یَبَّ بَبْنًا (ل۔ ی۔ یَبْنًا) ل، لام تاکید، بلاشبہ، یَبَّ بَبْنًا، فعل مضارع مجہول موکد بانون تاکید ثقلیہ واحد مذکر غائب یَبَّ بَبْنًا، مصدر یَبَّ بَبْنًا، وہ ضرور پھینک دیا جائے گا (بلاشبہ وہ ضرور پھینک دیا جائے گا) فِی الْخَطْمِ (فِی۔ فِی) فِی، حرف جار، میں، الْخَطْمِ، مجرور، عَظْم، مصدر سے مشتق ہے اس سے مراد دوزخ ہے، رونے والی، رزہ رزہ کرنے والی، چوراچورا کر دینے والی آگ، حَطَر (حَطَر میں) و، حرف عطف (اور) نَا، استفہامیہ بمعنی، اکی شئی (کس چیز) اُذْلِکَ (اُذْلِک۔ ک) اُذْلِی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اُذْلِی یَذْرِی، مصدر اُذْلِی، معلوم کروانا، خبر دینا، آگاہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے معلوم کروایا آپ کو) نَا، استفہامیہ (کیا) الْخَطْمِ، عَظْم، مصدر سے مشتق (دوزخ کے ایک حصے کا نام، رونے والی، رزہ رزہ کرنے والی، چوراچورا کر دینے والی آگ، حَطَر) نَا، استفہامیہ (کیا) نَا، استفہامیہ بمعنی، اکی شئی، اللہ کی (اللہ کی آگ) اُتَوَّهْدُ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (بھڑکانی ہوئی، آگ کی صفت) اُتَوَّی، اسم موصول واحد مؤنث (وہ جو) تَکَلَّلَ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب اُتَلَّلَ، مصدر اُتَلَّلَ، پہنچنا، چڑھ جانا، جھانک لینا (وہ پہنچے گی) عَلَی الْاَذَمَّةِ (عَلِی۔ عَلِی) عَلِی، حرف جار، ہر، اَلَاذَمَّةُ، مجرور، دلوں، واحد، فَوَازُ (دلوں پر) اُنَّ (ہا۔ اِنَّ)، حرف مشبہ بالفعل، یقیناً، ہا، ضمیر واحد مؤنث غائب، وہ، ضمیر کا مرجع "ناز" ہے، اُتَلَّلَ (یقیناً وہ) عَلَی (ہم) عَلِی، حرف جار، ہر، ہم، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) اُتَلَّلَ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (بند کی ہوئی) فِی عَمْدٍ مُّتَدَوِّہِ (فِی۔ عَمْدٍ۔ مُّتَدَوِّہِ) فِی، حرف جار، میں، عَمْدٍ، مجرور، موصوف، ستونوں، واحد، عَمُوذُ (ستونوں میں) مُّتَدَوِّہِ، صفت، تَمْدِید، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (لے لے لے لے) یعنی آگ بے لے ستونوں کی شکل میں بلند ہوگی۔

(الحمد للہ سورہ ہمزہ مکمل ہو گئی)

[سورة الفیل]

آیت اتمام

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (۱) أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ (۲) وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ (۳) تَرْمِيهِمْ
 بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ (۴) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ (۵)

ترجمہ:

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی دالوں کے ساتھ کیا کیا؟ (۱) کیا اس نے ان وگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کر دی تھیں؟ (۲) اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے (۳) جو پھینکتے تھے ان پر ہکی ہوئی مٹی کے پتھر (۴) چنانچہ انہیں ایسا کر ڈالا جیسے کھایا ہوا بھوسا۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام ہے سورة الفیل۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں فیل کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ فیل فیلتہ کی جمع ہے۔ فیلتہ کا معنی ہے ہاتھی۔ فیل کا معنی ہے بہت سے ہاتھی۔ یعنی وہ سورت جس میں بہت سے ہاتھیوں کا ذکر ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا انیسواں نمبر ہے اس سے پہلے اٹھارہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورۃ میں اللہ نے زر پرستی کی مذمت کی تھی اور اس کے برے نتائج سے آگاہ کیا تھا اور مسلمانوں کو خبردار کیا تھا۔ کہ ایسے نظام کو قبول نہ کریں۔ اب اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے ملوکیت اور شہنشاہیت کا رد فرمایا ہے کہ یہ نظام بھی باطل ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے یہ فاسد نظام ہیں اور اس کے بعد وہاں سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے قومیت پرستی کا رد فرمایا ہے۔ یہ سب بیماریاں ہیں، جو لوگوں کو تباہ کر رہی ہیں

تفسیر:

فرمایا: کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی دالوں کے ساتھ کیا کیا؟ الخ

اصحاب فیل کا واقعہ:

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ابرہہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تھا، اس نے صنعاء نامی شہر میں ایک کلیسا بنایا تھا اس نے شاہ حبشہ کو خط لکھا: میں نے آپ کے لیے ایک بہترین گرجا تعمیر کیا، میری خواہش ہے کہ آئندہ عرب کے لوگ کعبہ کو چھوڑ کر اس معبد میں حج اور طواف کیا کریں، جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنی کنانہ کے ایک شخص نے غضب میں آکر اس گرجا میں بول دیا

براز کر دیا، یہ دیکھ کر ابرہہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا: اگر میں نے کعبہ کو نہ گرایا تو میرا نام ابرہہ نہیں، وہ اسی وقت ہاتھیوں کی ایک فوج کے ساتھ کعبہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا، وہ مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ٹھہرا، اس نے اپنے ایک سردار کو حکم دیا کہ مکہ کے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرے، سو وہ سردار قریش کے اونٹ اور دوسرے مویشی چھین کر لے آیا، جن میں دو سو اونٹ حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے، اس کے بعد ابرہہ نے کسی کو بھیج کر انھیں بلوایا، ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب کی بہت عزت کی اور ترجمان کے ذریعہ ان میں یہ بات چیت ہوئی، ابرہہ نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ حضرت عبدالمطلب نے کہا: تم میرے اونٹ واپس کر دو، ابرہہ نے تعجب سے کہا تمہیں اونٹوں کی فکر ہے اور خانہ کعبہ کی کوئی فکر نہیں، جس کو میں گرانے آیا ہوں، حضرت عبدالمطلب نے کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے اپنے اونٹ مانگ رہا ہوں، خانہ کعبہ کا مالک اللہ ہے، وہ اپنا گھر خود بچائے گا، اس گفتگو کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں لوٹ آئے اور قریش سے کہا کہ تم لوگ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لے لو، اور خود چند آدمیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں گئے اور وہاں یہ دعا کی: اے اللہ! ہر شخص اپنا گھر بچاتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا، ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب اور ان کی تدبیر، تیری تدبیر پر غالب آجائے اور اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنا چاہتا ہے تو تو جو چاہتا ہے وہ کر۔

حضرت عبدالمطلب اس دعا کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کے درے میں پناہ گزین ہو گئے، دوسری صبح کو ابرہہ کعبہ کو گرانے کے لیے اپنی فوج اور ہاتھیوں کو لے کر روانہ ہوا، جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا اور بہت کوشش کے باوجود نہ اٹھا، پھر اس نے ہاتھی کا منہ دوسری طرف کیا تو وہ تیز بھاگنے لگا، پھر جب وہ اس کا منہ مکہ کی طرف کرتا تو وہ بیٹھ جاتا، آخر کار اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیجے ان کی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں، انھوں نے وہ کنکریاں برسانی شروع کر دیں، جس شخص پر وہ کنکریاں گرتیں، وہ ہلاک ہو جاتا، ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا، وہ کنکری اس کے سر میں گھسٹی اور اس کے مقعد سے نکل جاتی، یہ دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بھاگ نکلا اور اللہ تعالیٰ نے دشمن سے اپنا گھر بچالیا۔

(دلائل النبوة للشیخ ۱ ص ۱۲۱-۱۱۹ ملخصاً دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ تفسیر کبیر ج ۱۱)

پہندوں سے ابرہہ کے لشکر کو فنا کرنا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارباب تھا:

پہندوں کے کنکریاں مارنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر دلیل ہے اور اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شرف کا ظہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے لیے ایک خفاف عادت اور خلاف معمول امر ظاہر فرمایا اور نبی کی بعثت سے پہلے بھی معجزہ کا ظہور جاتے ہیں اور اس کو اصطلاح میں ارباب کہتے ہیں۔

کفار پر جو آسمانی عذاب آتے رہے ہیں، مثلاً قوم عاد کو آندھی سے ہلاک کر دینا اور کفار کی بعض قوموں کو زلزلوں سے ہلاک کر دینا، بعض دہریے ان کا انکار کرتے ہیں، لیکن یہ ہندوں نے جو اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لی ہوئی تھیں اور ان کے انھوں نے ابرہہ کی فوج پر اس طرح مارا کہ کنکری جس کے سر پر لگتا اس کی مقعد سے نکل جاتا اور ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا ہوا

تھا، جس کے سر پر وہ نکر مارا جاتا تھا اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں کوئی شعبہ یا کوئی حیلہ ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ کی طرح ہے کیونکہ جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا، اسی سال ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت ہوئی تھی اور اس کے چالیس سال بعد آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اس کے چھ دن بعد ہی مکہ میں یہ سورت نازل ہوئی، اگر بالفرض یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو مکہ میں آپ کے بہت مخالفین تھے، وہ سب آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور جب کسی نے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہو گیا یہ واقعہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ اور معروف تھا، لہذا یہ واقعہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر زبردست دلیل ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہو۔

”اصحاب الفیل“ سے انتقام لینے میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضیلت کے نکات

امام رازی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ نے یارب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ بلکہ لکھا ہے آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفار مکہ نے دیکھا کہ جو لوگ کعبہ گرانے آئے تھے، ان سے اللہ سبحانہ نے کس طرح انتقام لیا، پھر بھی انھوں نے بت پرستی نہیں چھوڑی، اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا، پھر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کر کے اس کا شکر ادا کیا اور اس کی اطاعت اور عبادت کی، پس گویا کہ آپ نے اللہ سبحانہ کا یہ انتقام دیکھا، سو آپ ان کفار سے بری ہو گئے اور میں نے سب لوگوں میں سے آپ کو پسند کر کے چن لیا، پس میں کہتا ہوں: ”ربک“ یعنی میں آپ کا رب ہوں اور آپ کا حامی اور ناصر ہوں نہ کسی اور کا اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ میں نے اصحاب الفیل سے جو یہ انتقام لیا ہے، وہ محض آپ کے اکرام اور آپ کی تعظیم کے لیے لیا ہے اور آپ کی آمد کی عزت افزائی کے لئے، پس جب میں نے آپ کی آمد سے پہلے آپ کی تکریم کی ہے تو آپ کے ظہور کے بعد میں آپ کی حمایت اور نصرت کیوں نہ کروں گا اور اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے یہ بشارت ہے کہ آپ ضرور فتح مند اور کامیاب اور سرخرو ہوں گے۔

ابرحہ کے فکر کا ہاتھیوں سے بھی درجہ ہوتا:

اس آیت میں ”اصحاب الفیل“ فرمایا ہے۔ ”ارباب الفیل“ (ہاتھیوں کے مالگوں) نہیں فرمایا کیونکہ ”اصحاب“ جب کسی چیز کی طرف مضاف ہو تو وہ مضاف الیہ کی جنس سے ہوتا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ ابرہہ اور اس کا لشکر ہاتھی کی جنس سے تھا یعنی جس طرح ہاتھی حیوان در بے عقل ہیں، اسی طرح ابرہہ اور اس کا لشکر بھی حیوانوں کی طرح بے عقل تھا، ورنہ وہ اللہ سبحانہ کے گھر کو گرانے کے لیے نہ آتا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب دو شخصوں میں مصابحت ہو تو ان میں سے ادنیٰ کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ کا صاحب ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صاحب ہیں، یہ نہیں کہ جاتا کہ آپ ان کے صاحب ہیں اور جو لوگ آپ کی صحبت میں رہے ان کو صحابہ کہا جاتا ہے، پس

ابرہہ اور اس کے لشکر کو و اصحاب الفل۔“ فرمایا یعنی وہ ہاتھیوں سے بھی اونٹنی درجہ کے ہیں کیونکہ جب انھوں نے ہاتھیوں کو مکہ کی طرف چلانا چاہا تو ہاتھی بیٹھ گئے اور ان کی ہزار کوشش کے باوجود وہ مکہ کی طرف ایک قدم بھی نہیں چلے، اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھیوں کو یہ معرفت تھی کہ خالق کی معصیت اور اس کے خلاف بغاوت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی اور ابرہہ اور اس کا لشکر اس معرفت سے خالی تھے، وہ خالق سے بغاوت کرنے اور اس کا گھر گرانے چلے تھے، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: **اولئک کالا نعام بل ہم اصل (الاعراف ۱۷۹):** یہ کفار جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔
فرمایا: کیا اس نے ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟۔

ابرہہ تو علانیہ فساد کرنے آیا تھا، پھر اس کو ”کید“ کیوں فرمایا؟

اس آیت میں ”کید“ کا لفظ ہے ”کید“ کا معنی ہے: کسی کو خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابرہہ اور اس کا لشکر خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانے تو نہیں آئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ”کید“ کیوں فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ انھوں نے علانیہ کہا تھا کہ وہ کعبہ کو گرانے آئے ہیں لیکن وہ دل میں کبہ کی تعظیم اور اس کی پذیرائی سے جلتے تھے اور حسد کرتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ جو تعظیم کعبہ کی جارہی ہے، وہ ان کے بنائے ہوئے کلیسا کی کی جائے۔

فرمایا: اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔

”ابابیل“ کا معنی:

اس آیت میں ”ابابیل“ کا لفظ ہے ”ابابیل“ کا معنی ہے: متفرق پرندے جو ساتھ مل کر اڑتے ہیں اور اڑنے میں ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں۔ ابو عبید نے کہا: اس کا معنی ہے: جماعت متفرقہ، اگر مختلف گھوڑے بھی جماعت کے ساتھ آئیں تو ان کو بھی ”ابابیل“ کہا جاتا ہے۔ ”ابابیل“ کے واحد میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: اس کا واحد نہیں آتا اور بعض نے کہا: اس کا واحد ”ابول“ یا ”ابیل“ ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو پرندے جھنڈ بنا کر آئے تھے، ان کی سونڈ بھی تھی اور

ان کے نیچے بھی تھے، یہ پرندے سبز، زرد یا سیاہ رنگ کے تھے اور یہ سمندر کی جانب سے آئیت ہے، ان کے منہ اور پنجوں میں کنکر تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۸۲ معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۸)
فرمایا: جو انھیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔

”بحیل“ کا معنی:

اس آیت میں ”بحیل“ کا لفظ ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ”بحیل“ کا لفظ فارسی میں سنگ و گل کا مجموعہ ہے، یعنی وہ کنکریاں مٹی کی بھی تھیں اور پتھر کی بھی تھیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۳۹۸):

قتادہ نے کہا : یہ سفید رنگ کے پرندے تھے، جو سمندر کی طرف سے آئے تھے، ہر پرندہ کے ساتھ تین پتھر ہوتے تھے، وہ پتھر اس کے بچوں میں تھے اور ایک پتھر اس کی چونچ میں تھا، جس کو بھی وہ کنکر لگتا تھا، اس کے جسم کے آر پار ہو جاتا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۴۰۱ :)

حضرت ابن مسعود (رض) نے فرمایا : جس شخص کے کسی جانب وہ کنکر لگتا تو اس کے مقابل جانب سے نکل جاتا، اگر سر پر لگتا تو اس کی مقعد سے نکل جاتا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۹)

فرمایا : سو انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

معصف کا معنی :

اس آیت میں ”عصف“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : بھوسا، بھوسی، چھلکا، کھیت کے پتے، وہ بھوسا جس کو ہمارے مویشیا استعمال کرتے ہیں، پودے کے پتے جس کے اطراف میں ڈنٹھل ہوں اور اس ڈنٹھل کے اطراف میں پتے ہوں، جیسے خوشے کے اوپر پتے ہوتے ہیں، کھائے ہوئے پھل کا چھلکا، گندم، جو وغیرہ کے دانے سے جب چھلکا الگ کر لیا جائے تو اس چھلکے کو بھوسا کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے۔ جانور جب بھوسے کو کھا لیتا ہے تو وہ جگالی کر کے اس کو مزید پیستا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح جانور کا کھایا ہوا بھوسا بالکل ریزہ ریزہ ہوتا ہے، اس طرح کنکریاں لگنے کے بعد ان کے اجسام بالکل گل کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔

ترمیم نحوی و تحقیق مرئی :

اَلَمْ تَرَ (اَلَمْ تَرَ) آ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، اَلَمْ تَرَ، فعل مضارع منفی جہد بلم واحد مذکر حاضر زای مذری، مصدر زَوَيْتَ، دیکھا، اَلَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، آپ نے نہیں دیکھا (کیا آپ نے نہیں دیکھا) اَیْنِف، استفہامیہ (کیا) فَعَلَ، فعل ماضی واحد مذکر ماضی بَعَثَلْ، فَعَلَ، مصدر فَعَلَ، کرنا (اس نے کیا) رَبَّنَا (رَبُّ - ک) رَبُّ، مضاف، رب، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) بِأَصْحَابِ الْفِئِلِ (بِ - أَصْحَابِ - الْفِئِلِ) ب، حرف جار، کے ساتھ، أَصْحَابِ، مجرور، مضاف، والوں، واحد، صَاحِبٌ، الْفِئِلِ، مضاف الیہ، ہاتھی (ہاتھی والوں کے ساتھ) اَلَمْ تَبْجَلْ (اَلَمْ تَبْجَلْ) آ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، اَلَمْ تَبْجَلْ، فعل مضارع منفی جہد بلم واحد مذکر غائب بَجَلْ، مصدر بَجَلْ، کر دینا، بنانا، اَلَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، اس نے نہیں کر دیا (کیا اس نے نہیں کر دیا) اَیْنِف (اَیْنِف - اَیْنِف) اَیْنِف، مضاف، چال، ضمیر، اَیْنِف، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کی، (ان کی مدد پر) فِئِی تَفْئِیلِ - فِئِی، حرف جار، میں، تَفْئِیلِ، مجرور، مصدر ہے، غلط، ناکام، اکارت، وَ، حرف عطف (اور) اَرْسَلْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَرْسَلَ، مصدر اَرْسَلَ، اس نے بھیجا (اَسْأَلُ - اَسْأَلُ) اَسْأَلُ، مضاف، اَسْأَلُ، مضاف الیہ، اَسْأَلُ، حرف جار، پر، اَسْأَلُ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) اَسْأَلُ اَبَائِیْلَ، اَسْأَلُ، پرندوں، واحد، جمع، مذکر، مَوْنُث، سب کیلئے آتا ہے، اَبَائِیْلَ، اَسْأَلُ، کی صفت، جَمْعُ، جَمْعُ، ہرے کے ہرے، اس کی واحد نہیں ہے (ہرندوں کے جَمْعُ کے جَمْعُ) اَسْأَلُ (اَسْأَلُ - اَسْأَلُ) اَسْأَلُ، مضاف، اَسْأَلُ، مضاف الیہ، مصدر رَمِیَا، پھینکا، اَسْأَلُ، جمع ہے، اس لیے ترجمہ، وہ پھینکتے تھے، اَسْأَلُ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (وہ ان پر پھینکتے تھے) اَسْأَلُ (بِ - جَمْعُ) ب، حرف جار، ترجمہ کی ضرورت نہیں، جَمْعُ، مجرور، پتھروں، پتھریاں، واحد، عَجَبُ (پتھریاں) مَرْنِ سَیْئِلِ - مَرْنِ، حرف جار، اصل ترجمہ "سے" ضرور ہا ترجمہ "کی" کیا جاتا ہے، سَیْئِلِ

، مجرور، سنگ گل کا معرب ہے، پکی ہوئی مٹی، کھنکر کنکر (کھنکر کی) فُجَعْلَمُ (ف - بَجَل - ہُم) ف، حرف عطف، پھر، بَجَل، فعل ماضی واحد مذکر عا تَبَجَلْ بَجَلْ، مصدر بَجَلًا، بنانا، کرنا، اس نے بنادیا، ہُم، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (پھر اس نے انہیں بنادیا) كَعَصِفَ يَكْصِفُ (ک - عَصِفَ - يَكْصِفُ) (ک، حرف جار و تشبیہ، مانند، کی طرح، جیسا، عَصِفَ، مجرور، موصوف، بھس، بھوسہ، يَكْصِفُ، صفت، اَكْلٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، کھایا ہوا (کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح)۔

(الحمد للہ سورہ فیل مکمل ہو گئی)

[سورۃ قریش]

آیت ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قُرَيْشٌ (۱) إِبِلًا فِيْهِمْ رَحْلَةٌ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (۲) فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ (۳) الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (۴)

ترجمہ:

چونکہ قریش عادی ہو گئے ہیں۔ (۱) یعنی وہ سردی اور گرمی کے موسموں میں (یمین اور شام کے) سفر کرنے کے عادی ہیں۔ (۲) تو اس لیے ان کو چاہیے کہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں۔ (۳) جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن عطا فرمایا۔ (۴)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ قریش ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں قریش کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے اٹھائیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا انتیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں اہل مکہ پر خداوند عالم کے اس خاص انعام و کرم کا ذکر تھا کہ مکہ والوں کو اور بیت اللہ کو ابرہہ کے حملہ سے محفوظ رکھا، اور اہل مکہ کی یہ حفاظت تکوینی حور پر صرف اس بناء پر تھی کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور قدسی ہونے والا تھا اب اس سورت میں اہل مکہ اور قریش پر مزید یہ انعام بیان کیا جا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے سفر کی سہولتیں عطا فرمائی تھیں اور موسمی اختلافات کے لحاظ سے گرمیوں اور سردیوں میں ان کے دو سفر ہوتے تھے کیونکہ مکہ تو وادی غیر ذی زرع تھا وہاں نہ کوئی پیداوار تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تو وہاں کے لوگ تجارتی سفر کے محتاج تھے یمین گرم ملک تھا تو سردیوں میں اس طرف کا سفر کرتے اور شام سرد ملک ہے تو موسم گرما میں شام کا سفر کرتے ان دونوں جگہوں کے باشندے

قریش مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے، اور ہر قسم کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے اس خیال سی کہ یہ لوگ اہل حرم اور بیت اللہ کے نگران ہیں حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا مگر قریش بڑے ہی سکون و چین سے اپنی زندگی گزارتے، اور جب تجارتی سفر کرتے خواہ یمن کی جانب، خواہ شام کی جانب تو ہر طرح محفوظ رہتے اور اعزاز و اکرام کیا جاتا۔ ان انعامات کو ذکر کرنے کی غرض یہی ہے کہ جس کعبہ اور رسول خدا کی برکت سے قریش پر اللہ کی یہ بیشمار نعمتیں ہیں، ان کو چاہیے کہ اس رسول پر ایمان لائیں، اور اس رب کی عبادت کریں جس نے ان تمام انعامات سے نوازا ہے۔

شانِ نبول:

ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ نے قریش کو سات چیزوں کے ساتھ فضیلت بخشی جو نہ ان سے پہلے کسی کو عطا فرمائیں اور نہ ان کے بعد کسی کو عطا فرمائے گا، خلافت، خانہ کعبہ کی درباری، حاجیوں کو پانی پلانا اور نبوت قریش میں ہے ہاتھی والوں پر ان کی مدد کی گئی انھوں نے سات سال تک اللہ کی اس طرح عبادت کی کہ ان کے سوا (ان سات سالوں میں) کسی نے اس کی عبادت نہ کی اور ان کے بارے میں قرآن پاک کی ایک ایسی سورت نازل ہوئی جن میں ان کے سوا کسی کا ذکر نہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، قریش کے مانوس کرنے کے سبب، جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب لوگوں کو چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ (مستدرک 2_536)

تفسیر:

فرمایا؛ چونکہ قریش عادی ہو گئے ہیں، اٹھ

قریش کے لیے الفت:

اسی موضوع کو اس سورۃ قریش میں آگے چلایا گیا ہے۔ فرمایا اصحاب فیل کی ذلت کی حکمت یہ تھی لیلیٰ قریش تاکہ لوگوں کے دلوں میں قریش کے لیے الفت پیدا ہو جائے اندرون اور بیرون ملک جہاں بھی قریش تجارت کے لیے جاتے تھے۔ لوگ ان سے مانوس تھے اور ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اصحاب فیل سے محفوظ رکھا۔ بلکہ اللہ ان کو نیست و نابود کر دیا تو مشرق و مغرب میں قریش کو مزید عزت حاصل ہو گئی تو یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ ہاتھی والوں کو شکست فاش قریش کے لیے الفت پیدا کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔

بعض فرماتے ہیں کہ لیلیٰ میں ”لام“ جار ہے اور اس کا تعلق فعل یا شبہ فعل سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلا لفظ ما کول شبہ فعل یعنی مفعول ہے۔ لہذا ”لام“ کا تعلق ما کول سے قائم ہو گیا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اصحاب فیل کی پامالی قریش کی الفت کی خاطر ہوئی۔

بعض فرماتے ہیں کہ ”لام“ سے مراد ہے العجبو یا تعجبو یعنی اے لوگو! تعجب کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو کیسا مانوس بنا دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ ”لام“ کا تعلق بعد میں آنے والے فعل فلیعبدوا کے ساتھ ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ قریش کو چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی گھر کی بدولت لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے الفت ڈال دی تھی۔ انھیں کفر اور شرک والی عبادت نہیں کرنی چاہیے بلکہ خلاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ جس نے ان کو خانہ کعبہ کی بدولت عزت عطا کی۔

قریش کا شجر نسب

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سلسلہ نسب میں بارہویں نمبر پر ایک بزرگ نضر بن کنانہ آتے ہیں ان کی اولاد قریش کہلاتی ہے۔ یہ اصل لفظ قرشی ہے۔ مگر تصغیر کے طور پر قریش آتا ہے۔ کسی چیز کی تصغیر یا تو تحقیر کے لیے ہوتی ہے یا تقلیل کے لیے اور یا تعظیم کے لیے یہاں پر لفظ قریش کی تصغیر تعظیم کے لیے وارد ہوئی ہے۔ جس سے خاندان قریش کی عظمت کا اظہار مقصود ہے۔ اس خاندان کے آگے بہت سے قبائل اور شاخیں ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جد امجد ہاشم قریش ہی کی شاخ میں سے ہیں۔

قریش کا پیشہ تجارت

ہاشم کے زمانے میں وادی مکہ ایک بے آب و گیاہ سرزمین تھی۔ خشک پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی اس وادی میں نہ پانی تھا اور نہ زراعت کا کوئی سامان کی زندگی بڑی تلخ تھی۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اسی وادی غیر ذی زرع میں اللہ کے محترم گھر کے پاس اپنی اولاد کو آباد کرنے کا حکم ہوا تھا جہی تو انھوں نے کہا تھا۔ ”ربنا انی اسكنت من ذریعتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم“ تو یہ وادی غیر ذی زرع آج تک ویسی کی ویسی بے آب و گیاہ ہے۔

چونکہ قریش کی اقتصادی حالت ان دنوں سخت خراب تھی۔ ہاشم نے انھیں مشورہ دیا کہ انھیں تجارت کا پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔ تجارت کے لیے ایک طرف یمن تھا اور دوسری طرف شام یہ دونوں قدیم زمانے سے تجارتی مرکز چلے آ رہے تھے۔ یمن کا علاقہ گرم تھا۔ اس لیے موسم سرما میں قریش کا تجارتی رخ اس طرف ہوتا تھا۔ شام کا علاقہ ٹھنڈا اور سرسبز تھا۔ اس لیے گرمی کے زمانے میں وہ شام کا سفر اختیار کرتے تھے۔ عرض ہاشم کا مشورہ قبول کر کے قریش نے تجارت میں بڑا نام پیدا کیا۔ انھیں بڑا منافع ہونے لگا۔ اس زر نے میں ان کے ہاں یہ بڑی اچھی ریت (عادت) تھی کہ قریش کا کل منافع ہر امیر و غریب خاندان پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ منافع کی مساوی تقسیم کی وجہ سے قریش میں خوشحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ سب سے زیادہ ضرورت اناج کی ہوتی ہے جو کہ انھیں جدہ کی قریبی منڈی سے دستیاب ہونے لگا۔ کیونکہ تباہ یا حرج جیسے زرخیز علاقوں کی گندم کی پیداوار جدے کی منڈی میں آتی تھی۔ اس طرح قریش غلے جیسی بنیادی ضرورت سے بھی بے فکر ہو گئے۔ الغرض یمن

وشام کے سفر میں قریش کی پذیرائی کو اللہم رحلتہ الشتاء والصیف سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قریش کا احترام:

عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ عرب قبائل بدوی زندگی بسر کرتے تھے تاہم قریش کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ بیت اللہ کے مجاور تھے عبدالمطلب کے زمانے میں اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی

حفاظت چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے معجزانہ طور پر کرائی۔ اس واقعہ کی وجہ سے قریش کی عزت میں اور اضافہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ یمن کے عیسائی بھی ان کے معتقد ہو گئے۔ شام کا علاقہ بھی عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔ اصحاب فیل کے واقعہ سے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ وہ بھی قریش کی عزت اور احترام کرنے لگے۔ قریش کا قافہ یہ کوئی آدمی کہیں بھی جاتا تھا۔ کوئی ان سے تعرض نہ کرتا تھا۔ چور ڈاکو تک انھیں پیر، پیرزادے اور خدام کعبہ سمجھ کر نہایت عزت سے پیش آتے تھے۔ قریش کو اللہ تعالیٰ نے خاندانی طور پر شرافت بخشی تھی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے ان اللہ عز وجل اصطفیٰ کنانہ من ولد اسماعیل (علیہ السلام) اللہ نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو۔ قریش کی اولاد میں سے خاص طور پر بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور پھر ہاشم کے خاندان میں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا۔ اسی طرح درجہ بدرجہ خاندانی طور پر فضیلت حاصل تھی۔

قریش کی قومیت پرستی:

قریش کی قدر و منزلت بڑھ جانے کا ایک معکوس اثر یہ ہوا کہ قریش میں خود پسندی پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے الفت پیدا کی تھی۔ مگر وہ اسے اپنی خاندانی برتری پر معمول کرنے لگے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں قومیت پرستی پیدا ہو گئی۔ وہ سمجھنے لگے کہ واقعی انھیں دنیا بھر کی قوموں پر برتری حاصل ہے۔ اگرچہ انھیں حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ مگر ان میں قومیت پرستی کی فاسدانہ ذہنیت پیدا ہو گئی۔ قریب قریب یہ وہی ذہنیت تھی جس کا ذکر گزشتہ سورۃ میں آچاک ہے۔ اس مقام پر اللہ نے ملوکیت کی تردید فرمائی ہے اور سرمایہ پرستی کو مفسدانہ ذہنیت قرار دیا ہے۔ جس طرح سرمایہ دار محض سرمایہ کو ہی اول و آخر سمجھتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ لوگوں کے حقوق ضائع کرتا ہے۔ اسی طرح قوم پرست بھی قومی برتری کے احساس میں مبتلا ہو کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کا رد فرمایا ہے۔ اصل چیز نہ سرمایہ ہے۔ نہ قوم اور نہ خاندان، بلکہ فلاح کا دار و مدار دین اور اخلاق پر ہے۔

قریش کو عبادت کی تلقین

اللہ تعالیٰ نے قریش کو قومیت پرستی کا علاج یہ تجویز فرمایا فلیعبدوا رب هذا البیت اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔ یعنی قومیت پرستی کی بجائے خدا پرستی اختیار کرو اور اپنے خاندان میں پیش پر فخر نہیں کرنا چاہیے، بلکہ یہ تو انعام الہی ہے۔ قابل فخر چیز

تو اللہ تعالیٰ کی عبودیت ہے۔ اسے اختیار کرنا چاہیے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود اپنے متعلق فرمایا اے انسانید ولد آدم یوم القیمۃ ولا فخر میں نوع انسانی کا سردار ہوں مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ اے انعام خداوندی سمجھتا ہوں۔ لہذا قریش کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت کریں۔ یہاں پر ربوبیت کی صفت بیان کی گئی ہے۔ جس سے قریش کو یاد دلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کے مقابلے میں ان کی کس طرح پرورش کی اور درجہ کمال تک پہنچایا۔ اگر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت پر فخر کرنے

لگیں اور قومیت پرستی کا شکار ہو جائیں، تو یہ مفسدانہ اور تباہ کن ذہنیت ہوگی قریش کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اسی طرح اگر کوئی پیر ہے یا مشائخ میں سے ہے۔ تو اس کو تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اللہ کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے اس کے لیے ایسے ذرائع پیدا کر دیئے اور اسے اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔

پیٹ کا مسئلہ:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے کی قریش کو تلقین کی تو ان کو ساتھ یہ بھی یاد کرادیا کہ اسی رب کی عبادت کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ الذی اطعمہم من جوع جس نے تمہیں بھوک میں کھانا بہم پہنچایا محض حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا کا اثر تھا۔ کہ قریش کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ ورنہ مکہ جیسی غیر ذی زرع وادی میں روزی کے اسباب کہاں تھے اللہ کریم نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جن کی وجہ سے انھیں ہر چیز میسر تھی اور آج بھی اور وہاں کے باشندوں کو فاقہ سے دو چار نہیں ہونا پڑتا۔ فرمایا: اور خوف سے امن عطا فرمایا۔

امن وامان کے فوائد:

پیٹ کا مسئلہ اور امن وامان کا مسئلہ ساری دنیا کے لیے اہم مسائل ہیں۔ جہاں امن وامان ہوگا۔ وہاں صنعت و تجارت بھی ہوگی۔ ورنہ نہ کوئی کارخانہ چلے گا، نہ تجارت ہوگی، نہ کسی کی جان محفوظ ہوگی نہ مال۔ امن کے بغیر نہ عبادت دلجمعی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ نہ حج کا سفر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لہذا امن کو دنیا میں بڑی اہم حیثیت حاصل ہے جو حکومت امن وامان میں غفلت برتنے گی، لوگوں کی اقتصادی حالت کی طرف توجہ نہیں دے گی اور اپنے تعیش میں لگی رہے گی، اس کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ہمارے ملک میں امن وامان کا مسئلہ ہمیشہ توجہ طلب رہا ہے۔ روزمرہ کے واقعات سامنے ہیں نہ کسی کی جان محفوظ ہے۔ نہ آبرو۔ الغرض پوری دنیا کے لیے امن وامان اور معیشت کے مسائل بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ (معالم العرفان)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

یا یٰٰلَہٰی عُزْرَیْش (اے ایلٰہ۔ عُزْرَیْش) ل، لام تعلیل، کسی کام کی علت بیان کرنے کے سبب، وجہ سے، ایلٰہ، مضاف، مصدر ہے، مانوس کرنا، الفت دلانا، عُزْرَیْش، مضاف الیہ، قریش (قریش کو مانوس کرنے کی وجہ سے) اَلْعُزْمُ (الف۔ ہم) اَلْفُ، مصدر، مضاف، مانوس کرنا، الفت

دلانا، ہم، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (انہیں مانوس کرنا) رَحَلَةُ الشَّيْءِ (رَحَلَةُ - اَكْتَشَا) رَحَلَةُ، مضاف، رَحَلٌ يَزْعُلُ، کا مصدر، سفر کرنا، سفر، اَكْتَشَا، مضاف الیہ، سردی کے، موسم سرما کے (موسم سرما کے سفر) د، حرف عطف (اور) اَلْضَّيْفُ - ضَافٌ يَصِيفُ، کا مصدر ہے، شَيْءٌ، کی ضد، گرمی کے موسم میں کسی مقام پر قیام کیلئے کتا ہے، اور گرمی کے موسم کیلئے بطور اسم بھی مستعمل ہے، گرمی (موسم گرما) فَلْيَجُودُوا (ف - ل - يَجُودُوا) ف، حرف عطف، تو، ل، لام امر، چاہیے کہ، يَجُودُوا، فعل مضارع جمع مذکر غائب يَجُودُ، مصدر عربی دُ، عبادت کرنا، وہ عبادت کریں (پس چاہیے کہ وہ عبادت کریں) رَبِّ هَذَا الْيَوْمِ (رَبِّ - هَذَا - الْيَوْمِ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، هَذَا الْيَوْمِ، مضاف الیہ، ہذا، اسم اشارہ واحد مذکر قریب، یہ، اس، الْيَوْمِ، مشار الیہ، گھر (اس گھر کے رب کی) اَللّٰوِی، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) اَطْعَمْتُمْ (اَطْعَمْتُمْ - اَطْعَمْتُمْ) اَطْعَمْتُمْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَطْعَمَ، مصدر اَطْعَمَ، کھانا دینا، اس نے کھانا دیا، ہم، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (اس نے انہیں کھانا دیا) مِّنْ جُوعٍ (مِّنْ - جُوعٍ) مِّنْ، حرف جار، بمعنی رُفِی، میں، جُوعٍ، مجرور، بھوک (بھوک میں) وَ اَمْنٌ مِّنْ خَوْفٍ (وَج - اَمْنٌ - مِّنْ خَوْفٍ) اور اس نے انہیں (دشمن کے) خوف سے امن دیا۔ د، حرف عطف (اور) اَمْنٌ (اَمْنٌ - اَمْنٌ) اَمْنٌ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَمَّنَ، مصدر اَمَّنَا، ایمان لانا، امن دینا، اس نے امن دیا، ہم، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (اس نے انہیں امن دیا) مِّنْ خَوْفٍ (مِّنْ - خَوْفٍ) مِّنْ، حرف جار، سے، خَوْفٍ، مجرور۔

(سورہ قریش مکمل ہو گئی)

[سورة الماعون]

آیت اتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُرَآیْتَ الَّذِیْ یُكْتَبُ بِالَّذِیْنَ (۱) فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدْعُ الْیَتِیْمَ (۲) وَلَا یَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ (۳) قَوْلٌ لِلْمُصَلِّیْنَ (۴)
الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (۵) الَّذِیْنَ هُمْ یُزَامُونَ (۶) وَیَسْتَعُونَ الْمَاعُونَ (۷)

ترجمہ:

کیا تم نے اسے دیکھا جو جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ (۱) یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۲) اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا، (۳) تو ایسے نماز پڑھنے والوں کے لیے تباہی ہے۔ (۴) جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں (۵) جو ریا کاری کرتے ہیں۔ (۶) اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ (۷)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الماعون ہے۔ آخری آیت کریمہ میں ماعون کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ اس سے پہلے سولہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا ستر ہواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور سات آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط؛

اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے، وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا، اور انعامات کو یاد دل کر ان کو رب البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی، تو اس سورت میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بیان کیے جا رہے ہیں جو ان کیلئے دین و دنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث بنے،

شان نزول؛

مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ یہ سورت عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئی (تفسیر بغوی 4-531،

ابن جریر کہتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب ہر ہفتے دو اونٹ خرچ کرتا اس کے پاس کوئی یتیم آتا اور کچھ مانگتا تو یہ اسے لاٹھی سے بھگاتا اس کے بارے میں اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِلَائِهِ، فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ لُتَيْمًا (ترجمہ۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے) (نيسابوری 375، قرطبی 20-210، تفسیر ابن کثیر 4-554)

تفسیر؛

فرمایا؛ کیا تم نے اسے دیکھا جو جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ الخ

الدین سے کیا مراد ہے؟

علماء مفسرین نے فرمایا ہے کہ ”الدین“ سے مراد انصاف کا دن یعنی قیامت کا دن ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد ملت اسلامیہ اور دین اسلام ہے۔ بہر حال قیامت کے دن اور ست اسلامیہ کے سچے اصولوں کو جھٹلانے والوں کا یہی مزاج ہو سکتا ہے کہ وہ ایک غریب اور یتیم کے ساتھ حسن سلوک اور مشفقانہ برتاؤ کرنے کے بجائے اس کو ذلیل و خوار کرتے ہیں اور اس کو خود بھی دھکے دیتے ہیں اور ہر شخص کے سامنے اس کو اس قدر نیچا اور ذلیل کر دیتے ہیں کہ ہر شخص اس کو دھکے دے کر اپنے قریب نہ بیٹھنے دے۔ ایسا شخص نہ تو خود ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اس راستے پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجبوروں، غریبوں اور یتیموں کے ساتھ وہ شخص سنگ دلی کا مظاہرہ کر سکتا ہے جس کو اس بات کا یقین ہی نہ ہو کہ اسے بھی ایک دن مر کر اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور لمحے لمحے کا حساب دینا ہے۔ جس کو آخرت، قیامت اور ملت اسلامیہ کے اصولوں کا لحاظ نہیں ہوتا وہی نمازوں میں سستی کا پللی کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ سستی شہرت اور وقت وادہ وادہ کے لیے ہوتا ہے تاکہ ہر شخص اس کی دریا دلی کا قائل ہو جائے۔ وہ زکوٰۃ تو کیا ادا کرے گا اپنے پڑوسیوں کو وہ معمولی چیزیں دینے سے بھی کنجوسی کرے گا جس کے دینے میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے یعنی وہ برتنے کی معمولی چیزوں سے بھی انکار کر دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت پر یقین ہی سے انسان کی مزاج، عقیدہ اور ذہن

میں تبدیلی آسکتی ہے۔ جس کو قیامت کا یقین ہی نہ ہو اور آخرت کی گرفت اور پکڑ کراکتا ہے اس میں انسانیت کی بھلائی اور محبت کے جذبے کے بجائے سنگ دلی کا مزاج پیدا ہو جاتا اور آخرت کی گرفت اور پکڑ کراکتا ہے اس میں انسانیت کی بھلائی اور محبت کے جذبے کے تحت کرتا ہے کہ اس کے حسن سلوک سے خود اس کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔
فرمایا: وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

اصل میں جس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جائے وہ بچہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ اور اس کا ہر فرد ایسے بچوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک اور اچھا معاملہ کے کیونکہ ملت کا ہر فرد پوری توجہ کا حق دار ہوتا ہے۔ اگر یتیم بچوں کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا اور اس ان کے اخلاق و کردار کی نگرانی نہیں کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ یہی بچے کلیں پورے معاشرے کی تباہی کا سبب بن جائیں۔ لیکن اس کی فکر صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جنہیں اپنے دین اور اپنی ملت سے محبت ہوتی ہے جو لوگ صرف اپنی ذات ہی میں گم رہتے ہوں ان کو صرف اپنی ذات کی فکر ہوتی ہے ان کی نظر قوم کے بچوں پر نہیں ہوتی۔
فرمایا: وہ مسکین کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا؛

یعنی نہ تو خود اس کو اس بات کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ بھوکوں اور فاقہ زدہ لوگوں کی امداد و اعانت کرے نہ اپنے گھر والوں اور دوست احباب کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ غریبوں اور مسکینوں کا خیال رکھیں۔ فکر آخرت سے بے نیاز یہ شخص فضولیات میں تو ہزاروں کی رقم خرچ کر دے گا لیکن کسی مسکین، محتاج اور فرق فاقہ سے بے حال شخص کے حال پر رحم نہیں کرے گا۔ اس کے برخلاف ہر وہ شخص جس کو اللہ و رول کے احکامات کا لحاظ ہو گا وہ خود بھی کھائے گا اور اس بات کا بھی خیال رکھے گا کہ اس کے پڑوسی یا رشتہ دار میں کوئی بھوکا تو نہیں ہے۔

فرمایا: ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو نمازوں سے غفلت اختیار کرتے ہیں۔

نماز سے فافل ہونے کا مطلب؛

مراد یہ ہے کہ نمازوں سے اس درجہ غفلت اختیار کرتے ہیں کہ نہ تو ان کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ کس حالی شان دربار میں حاضر ہیں۔ نہ خشوع و خضوع کا خیال رکھتے ہیں نہ وقت کی پابندی کا۔ کبھی نماز پڑھ لی کبھی نہ پڑھی۔ نماز پڑھی تو دو چار ٹھونگیں مار لیں۔ قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن اور منافق کی نماز میں بہت فرق ہے۔ مومن کی نماز میں اللہ کی عبادت و بندگی کو پورا پورا خیال ہوتا ہے۔ وقت کے اندر وہ نماز کو ادا کرتا ہے۔ نماز کے پورے آداب اور اصولوں کی پابندی کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی توفیق سے آج وہ اپنے اللہ کے عالی شان دربار میں حاضر ہے۔ وہ فکر آخرت کو سامنے رکھ کر نماز کو پڑھتا ہے۔ کسی طرح کی سستی، کالپی اور دکھاوا نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف منافق کی نماز کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ جب بھی دنیا کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس میں ذوق و شوق کے بجائے کالپی، سستی اور اکتاہٹ کا انداز نمایاں ہوتا ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ منافق آدمی کا یہ حال ہوتا ہے کہ عصر کے وقت بیٹھا

سورج کو دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سنگوں کے درمیان پہنچ جاتا ہے (یعنی سورج ڈوبنے لگتا ہے تو) تو اٹھ کر (مرغے کی طرح) دو چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔ جس میں وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم۔ مسند احمد)۔

حضرت ابن ابی وقاص (رض) سے ان کے صاحبزادے حضرت مصعب ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو نماز میں غفلت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کا وقت ٹال کر پڑھتے ہیں۔ (ابن جریر۔ بیہقی)۔

اسی طرح حضرت مصعب (رض) کی ایک دوسری روایت بھی ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے اس آیت پر غور کیا؟ کیا اس کا مطلب نماز کو چھوڑ دینا ہے؟ یا اسے مراد نماز پڑھتے ہوئے آدمی کا خیال ادھر ادھر چلا جاتا ہے۔ اور کیا ہم میں سے ایسا کوئی شخص بھی ہے جس کا خیال ادھر ادھر نہ بھٹک جاتا ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ اس سے مراد نماز کے وقت کو ضائع کرنا اور اسے وقت سے ٹال کر پڑھنا ہے۔ (ابن جریر۔ بیہقی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فی صلاتھم ساھون نہی فرمایا بلکہ عن صلاتھم ساھون فرمایا۔ یعنی وہ لوگ جو نمازوں سے غفلت اختیار کرتے ہیں۔ پڑھی نہ پڑھی۔ پڑھی تو وقت ٹال کر پڑھی، اوپر سے دل سے اکٹھا ہٹ کے ساتھ پڑھی اور پھر اس نماز میں بھی پورا دھیان نماز کی طرف نہیں بلکہ اپنے وجود اور کپڑوں سے کھیلنے میں گزر جاتا ہے۔

ساھون کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا۔ ساھون کیا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا الضمۃ الوقت۔ یعنی نماز کے وقت کو ضائع کرنا۔ یا وہ منافق مراد ہیں جو نماز پڑھتے ہیں لیکن اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور غفلت میں مبتلا رہتے ہیں۔ نمازوں کی پروا نہیں کرتے۔ اگر نماز جاتی رہے تو اس پر وہ ندامت تک کا اظہار نہیں کرتے۔ رکوع اور سجدوں کے آداب کا خیال نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کو پوری طرح ادا کرنے اور ان کے آداب کا لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین فرمایا، وہ لوگ جو ریاکاری کرتے ہیں۔

ریا کاری کا وبال؛

اصل میں مومن کے ہر کام میں ایک اخلاص ہوتا ہے۔ اس کے پیش نظر ایک ہی جذبہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے کام کرے جس سے اللہ راضی ہو جائے اور اس کی رضا خوشنودی حاصل ہو جائے۔ لیکن منافق کی پہچان یہ ہے کہ اس کا ہر کام دنیا کو دکھانے، نمود و نمائش اور ریاکاری کے لیے ہوتا ہے۔ دراصل دکھوائے اور ریاکاری کا عمل انسان کی ذہنی اور قلبی بیماری کا دوسرا نام ہے۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ لوگ اس کے حسن عمل کو دیکھیں اور اس کی تعریف کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ریاکاری کے اس بدترین جذبے سے محفوظ رکھے اور ہر وہ کار کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے۔

فرمایا: اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔

بخل اور بخل کی مذمت:

وہ عام استعمال کی چیزیں جیسے نمک، مرچ، مصالحہ، دیہ سلائی آگ اور کھانے پینے کی معمولی چیزیں جن کی عام طور پر ضرورت پڑتی رہتی ہے ریاکاری کرنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ایسی معمولی چیزوں کے دینے سے بھی کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کے دینے سے اس کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ مثلاً پڑوس میں ایک خاتون کھانا پکا رہی ہیں۔ ان کے پاس سب کچھ ہے مگر نمک ختم ہو گیا یا مرچ مصالحہ ختم ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں ہے کہ وہ فوری طور پر منگوا سکے اس حالت میں اگر وہ ان معمولی چیزوں میں سے کسی چیز کو مانگ لے تو یہ نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ ان چیزوں کے دینے میں کسی قسم کا نقصان ہے۔ اصل میں اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ جس کا آخرت پر یقین کامل ہوتا ہے وہ کبھی ایسی گری ہوئی حرکتیں نہیں کر سکتا کیونکہ ہماری اخلاقی زندگی میں فکر آخرت ایک فیصلہ کن طاقت کا نام ہے۔

ترکیب نحوی و تہن صرئی:

اَرَمَتْ (ا۔ رَمَتْ) ا، ہمزہ استفہامیہ، تعجب کیلئے، یہ، رَمَتْ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر راۓ بڑی، مصدر رَمَتْ، دیکھا، آپ نے دیکھا (کیا آپ نے دیکھا) اَلَّذِی، اسم موصول واحد مذکر (اس کو جو) یَلْتَوِبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب کَتَبَ یَلْتَوِبُ، مصدر یَلْتَوِبُ، جھٹلانا (وہ جھٹلاتا ہے) اَلَّذِیْنِ (پ۔ اَلَّذِیْنِ) پ، حرف جار، کو، اَلَّذِیْنِ، مجرور، جزاء، دین، شریعت، اطاعت کرنا ((روز) جزا کو) فَذَلِکَ (ف۔ ذَلِکَ) ف، حرف عطف، تو، ذَلِکَ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، وہی (تو وہی) اَلَّذِی، اسم موصول واحد مذکر (جو) یَدْعُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب دَعَا یَدْعُ، مصدر دَعَا، دھکے دینا (وہ دھکے دیتا ہے) اَلَّذِیْنِ، یتیم (یتیم کو) و، حرف عطف (اور) نَا یَحْضُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب حَضَّ یَحْضُ، مصدر حَضَّ، ترغیب دینا، آمادہ کرنا (وہ ترغیب نہیں دیتا) عَلٰی کَلَامِ اَلَّذِیْنِ (عَلٰی۔ کَلَامِ۔ اَلَّذِیْنِ) عَلٰی، حرف جار، پر، کَلَامِ، مجرور، مضاف، مصدر، کھانا کھلانا، اَلَّذِیْنِ، مضاف الیہ، مسکین، محتاج (مسکین کو کھانا کھلانے پر) فَعَلْ (ف۔ فَعَلْ) ف، حرف عطف، پس، فَعَلْ، اسم مرفوع، ہلاکت، رسوائی، جاتی (پس ہلاکت ہے) اَلَّذِیْنِ (اَلَّذِیْنِ) ل، حرف جار، کیلئے، اَلَّذِیْنِ، مجرور، تَعْلِیْقُ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، نماز پڑھنے والے، نمازیوں، واحد، مُضْطَرِی (نمازیوں کیلئے) اَلَّذِیْنِ، اسم موصول جمع مذکر (جو) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) عَنْ صَلَاتِهِمْ (عَنْ۔ صَلَاتِهِمْ) عَنْ، حرف جار، سے، صَلَاتِهِمْ، مجرور، مضاف، نماز، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنی (اپنی نماز سے) سَابِغُونَ۔ سَبَّوْا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (غافل، غفلت کرنے والے) اَلَّذِیْنِ، اسم موصول جمع مذکر (جو) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) مَرَاتِدُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب مَرَّ مَرَّ، مصدر مَرَّ، منع کرنا، روکنا، کسی کو کسی چیز کے دینے سے انکار کرنا، مانگے نہ دینا، مانگتے پر نہ دینا، دینے سے محرز کرنا (وہ مانگنے پر نہیں دیتے ہیں) اَلَّذِیْنِ، عام استعمال کی معمولی چیزیں، رُطُوۃ۔

(الحمد للہ سورہ ماعون مکمل ہو گئی:)

[سورۃ الکوثر]

آیت ۱ تا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (۱) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاُكْبَرُ (۳)

ترجمہ:

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ (۱) تو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کیجئے اور قربانی کیا کیجئے۔
 (۲) یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔ (۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الکوثر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں کوثر کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا پندرھواں نمبر ہے۔ اس سے پہلے چودہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔
 ماقبل سے ربط:

سورۃ ماعون میں حکمت اعتقاد یہ عملیہ کے جملہ اقسام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے جو اعمال و اخلاق باعث عیب ہیں ان کی مذمت بھی کر دی گئی تھی تو اب اس سورت میں خیر کثیر کا ذکر ہے جس کے باعث انسانی حیات عظمت و بلندی کے مقام تک پہنچتی ہے اور اس خیر کثیر کی شاخیں اور نہریں اس طرح پھیل جاتی ہیں کہ قیامت تک نسل انسانی ان کے ذریعہ ہر قسم کی سیرابی اور شدابی حاصل کرتی رہے اور اس پر پھل و پھول لگے رہیں۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی اس نے رسول اللہ کو مسجد سے نکلنے دیکھا یہ مسجد میں داخل ہو رہا تھا، دونوں کی ملاقات ہوئی دونوں نے آپس میں کچھ بات چیت کی اس وقت مسجد میں کچھ سرداران قریش بھی تھے جب یہ مسجد میں داخل ہوا تو انھوں نے کہا تو کس شخص سے بات چیت کر رہا تھا اس نے کہا یہ یعنی نبی ابتر سے اس سے پہلے رسول اللہ کے حضرت خدیجہ سے پیدا ہونے والے صاحبزادے حضرت عبداللہ وفات پا گئے تھے اور یہ لوگ جس کا کوئی بیٹا نہ ہوا ہوا سے ابتر کہتے تھے اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی، یزید بن رومان بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل جب بھی رسول اللہ کا ذکر کرتا تو کہتا اسے چھوڑ دو تو یہ تو ابتر ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں جب یہ ہلاک ہو جائے گا اس کا ذکر بھی ختم کر دیا جائے گا اور تمہیں اس سے سکون مل جائے گا اس بارے میں اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی، اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ (تفسیر قرطبی 20-222، تفسیر بغوی 4)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ عاص بن داہل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے گزرتا اور کہتا کہ میں تجھ سے دشمنی رکھتا ہوں اور تو اولاد سے محروم آدمی ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ بیشک تمہارا دشمن ہی دنیا و آخرت کی بھلائی سے محروم ہوگا۔ (نیسا پوری 377، تفسیر طبری 30-212، ابن کثیر 4-559) تفسیر؛

فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، الخ

کوثر خیر کثیر؛

کوثر سے مراد حوض کوثر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قیامت کے دن عطا فرمائیں گے۔ آپ کی امت کا جو مومن اس حوض پر پہنچ جائے گا۔ اسے اس سے پینا نصیب ہوگا۔ جس کی وجہ سے اسے ہمیشہ کے لیے راحت اور سرور حاصل ہو جائے گا۔ یقینی طور پر کوثر، کثیر کے مادے سے ہے جس کا معنی خیر کثیر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ کہ کوثر کا معنی ہے الخیر الکثیر یعنی بہت زیادہ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسمانی اولاد بھی عطا فرمائی۔ اگرچہ آپ کے بیٹے نہیں ہیں، مگر بیٹیاں تو ہیں اور یہ اولاد پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ نے حضرت امام حسین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا۔ کہ حسین سبط من الاسباط ہیں۔ یعنی آپ قبیلوں میں سے ایک بڑا قبیلہ ہیں اللہ تعالیٰ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد کو اس قدر کثرت سے پھیلائیگا۔ اور معنوی اولاد یعنی آپ پر ایمان رکھنے والوں کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی تعداد دنیا میں کتنی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی ہے۔ خود حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ قیامت والے دن سب سے زیادہ پیروکار میرے ہوں گے جنت میں داخل ہونے والے لوگوں میں بھی تمام نبیوں سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امتیوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ یہ آپ کے معنوی اولاد ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا آل محمد کل تقی۔ ہر مومن متقی میری آل میں شامل ہے (حدیث ضعیف) گویا آپ کی معنوی اولاد شمار سے باہر ہے۔ اتنی کسی دوسرے نبی کو نصیب نہیں ہوگی۔

قرآن کریم خیر کثیر ہے؛

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم بھی کوثر یعنی خیر کثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم جیسی دولت عطا کی۔ اس میں حکمت کا مکمل کورس بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن پاک میں موجود ہے۔ ”ومن یوت الحکمۃ فقہ اوتی خیراً کثیراً“ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دیا گیا۔ یعنی بہت زیادہ بھلائی دی گئی۔

قرآن پاک ایسا خیر کثیر ہے۔ کہ اس قرآن پاک کا فیض نسلاً بعد نسل اور طبقاً بعد طبق دنیا میں پھیلتا رہے گا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جو آدمی دنیا میں جس قدر قرآن کریم سے فیضیاب ہوگا۔ اسی نسبت سے اس کو حوض کوثر پر پانی نصیب ہوگا۔ لہذا تمام اہل بیان کو قرآن کریم کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔

اس کے علاوہ علوم و فنون، سلطنت، خزانے اور نماز کو بھی خیر کثیر میں شامل کیا گیا ہے یہ تمام چیزیں خیر کثیر کے تحت آتی ہیں

اور سب سے بڑھ کر قرآن پاک ہے۔ جو شخص اس پر ایمان رکھے گا۔ اسے خدا کا کلام تسلیم کرے گا۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی اشاعت میں حصہ لے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ باقی چیزیں قرآن پاک کے مقابلے میں قبیح نہیں ہیں۔ ان سب چیزوں پر قرآن پاک کو ہی فوقیت حاصل ہے۔

فرمایا: تو آپ اپنے پروردگار کے لیے نمر ز پڑھا کیجئے اور قربانی کیا کیجئے۔

فلاح کے دو اصول نماز و قربانی:

اس شکر کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ یعنی نماز پڑھو، اور قربانی کرو۔ یہ دو عظیم اصول بیان فرمائے۔ نماز تعلق مع اللہ کا ذریعہ ہے:

پہلا اصول یہ بیان فرمایا فصل ربک اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کی رضا کا سب سے اہم ذریعہ اور عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے۔ اس کے ذریعے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ تعلق باللہ کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ اگر تعلق باللہ درست ہوگا۔ تو باقی نظام بھی درست ہوں گے اور اگر یہی بگڑا ہوگا تو پھر کوئی نظام صحیح نہیں ہوگا۔ نہ نظام حکومت درست ہوگا نہ تجارت نہ کاروبار، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نماز کے ذریعے ہی صحیح ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد کہا فصل ربک اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیں۔ تاکہ خدا کی نعمتوں کا شکر بھی ادا ہو۔ اور اشاعت قرآن کا فریضہ بھی ادا ہوتا رہے جو کہ اس کے برکات کو عوام تک پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

قربانی قرب الی اللہ کا ذریعہ ہے:

فلاح کا دوسرا اصول فرمایا و اخر یعنی قربانی کریں۔ خراونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عید الاضحیٰ کے خطبے میں فرمایا۔ آج کے دن ہمارے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ نماز پڑھیں ثم نرجع فخر پھر پلٹ کر قربانی کریں گے۔ قربانی محض گوشت کھانے کا نام نہیں، بلکہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ "لن ینال اللہ لمحوا ولادماءہا اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ لکن ینالہ تقویٰ منکم۔" بلکہ تمہارا تقویٰ بارگاہ رب العزت میں پہنچتا ہے۔ قربانی انسان کے عقیدہ توحید کی علامت ہے۔ مشرکین اپنے معبودان باطلہ کے نام پر قربانی کیا کرتے تھے۔ جو کہ شرک اور بہت بڑا جرم ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک مومن اللہ کے نام پر قربانی دیتا ہے جس سے اس کے ایمان اور عقیدہ توحید کا اظہار ہوتا ہے۔

واخر کا معنی بعض نے نماز میں سینے کے نیچے ہاتھ باندھنا بھی کیا ہے۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ بعض نے اس کا معنی سینہ قبلہ کی طرف پھیرنا کیا ہے۔ مگر یہ بھی ضعیف روایت ہے۔ اس مقام پر و اخر کا صحیح معنی قربانی کرنا ہی ہے۔

فرمایا: یھینا آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔

دشمن کی ناکامی:

اس سورۃ کی ابتداء میں انعامات کا ذکر کیا۔ پھر نماز اور قربانی کا حکم دیا تاکہ انعامات کا شکر یہ ادا ہو سکے۔ اب تیسری آیت میں اس پس منظر کا جواب ہے جس میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دو صاحبزادگان کی وفات کی وجہ سے کفار طعنہ زنی کرتے تھے کہ نعوذ باللہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابتر یعنی بے نسل ہیں۔ اسی کے جواب میں ارشاد ہے۔ ان شائیک ہوالبتربیشک آپ کا دشمن آپ کے ساتھ بغض و عناد رکھنے والا ہی ابتر ہے۔ یعنی اے نبی کریم! آپ ابتر نہیں ہیں آپ کی صوری اولاد بھی خوب پھیلے گی۔ اور آپ کا دین بھی قیامت تک قائم رہے گا۔ البتہ آپ کے دشمن کی نہ اولاد باقی رہے گی اور نہ اس کا دین باقی رہے گا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں، جہاں آپ کی صوری اولاد کا کوئی فرد نہ ہو اور آپ کی معنوی اولاد یعنی آپ کے پیروکاروں کا تو شمار ہی نہیں کر دنیا میں ان کی تعداد کس قدر ہے اور ادھر طعن کرنے والے مشرکین مکہ کی نہ صوری اولاد موجود ہے اور نہ معنوی آج ان کا نام و نشان تک دنیا میں باقی نہیں۔ مفسرین ان کا ذکر قرآن پاک کے سیاق و سباق میں کر دیتے ہیں۔ ورنہ ان کے کسی کام یا اخلاق یا دین کی بناء پر وہ دنیا سے بالکل مٹ چکے ہیں۔ جو لوگ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ابتر کہتے تھے، وہ خود ہر لحاظ سے ابتر ثابت ہو چکے ہیں۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے مقام محمود برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے نبی (علیہ السلام) کے متعلق فرمایا ورفعنا لک ذکرک ہم نے دنیا میں آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ ایسا بلند کیا کہ پانچ وقت نماز میں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ وہاں آپ کی ذات اقدس پر درود پاک پڑھا جاتا ہے۔ دشمن بھی آپ کا نام لیتے ہیں تو نہایت احترام کے ساتھ تاریخ میں بھی آپ کے کارہائے نمایاں کا ذکر عزت و احترام سے کیا جاتا ہے۔ یہ تو دنیا کا حال ہے اور پھر جب آخرت کی منزل آئے گی تو پتہ چلے گا کہ بلند پایہ مقام محمود پر اللہ تعالیٰ آپ کو مبعوث فرمائے گا۔ عسیٰ ان یمشک ربک مقاماً محموداً۔ اسی لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میرے لیے وسیلہ کی دعا کیا کرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اجر دے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ مقام محمود پر اللہ تعالیٰ مجھے ہی فائز کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ مقام میرے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیمۃ ولا فخر میں تمام بنی نوع انسانی کا سردار ہوں۔ مگر یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کا انعام ہے۔ (معالم العرفان)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

إِنَّا (نا) اِنّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، نا، ضمیر جمع حکم، ہم (بے شک ہم) اَعْطَيْنَاكَ (اَعْطَيْنَا۔ ک) اَعْطَيْنَا، فعل ماضی جمع حکم اَعْطَىٰ یَعْطِی، مصدر اَعْطَا، عطا کرنا، وینا، ہم نے عطا کی، ک، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (ہم نے آپ کو عطا کی) اَلْوَحْیُ۔ کَثْرَةُ، مصدر سے ماخوذ (خبر کثیر، کوثر) جنت میں ایک نہر اور حوض کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عطا فرمائی۔ فَضْلٌ (ف۔ ض۔ ل) ف،

حرف عطف، پس، صل، فعل امر واحد مذکر حاضر ضلیّ، مصدر تصنیع، نماز پڑھنا (آپ نماز پڑھیں) بَرَّیک (ل۔ ربت۔ ک) ل، حرف جار، کیلئے، ربت، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کیلئے) وَأَنْخَزَ (و۔ انخز) و، حرف عطف، اور، انخز، فعل امر واحد مذکر حاضر نحر، مصدر نحر، قربانی کرنا، ذبح کرنا، آپ قربانی کریں (اور آپ قربانی کریں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) شَاحَتْک (شائی۔ ک) شائی، مضاف، شَاءَ، مصدر سے اسم قاعل واحد مذکر، دشمنی رکھنے والا، دشمن، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا دشمن) اَبُو، ضمیر واحد مذکر غائب (وہی) لَکَا بَرُّ، بَرُّ، مصدر سے صفت مشبہ (وہم کٹا، جس کی اولاد نہ ہو، لا اولد)۔

(الحمد للہ سورہ کوثر مکمل ہو گئی)

[سورۃ الکافرون]

آیت ۶۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ (۱) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (۲) وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (۳) وَلَا أَكُنَا عَابِدًا مَا عْبَدْتُمْ (۴) وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (۵) لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (۶)

ترجمہ:

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (۱) نہ تو میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ (۲) اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ (۳) اور نہ میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم کرتے ہو۔ (۴) اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں (۵) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ (۶)

تواضع:

اس سورت کا نام سورۃ الکفر ون ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں کافرون کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس سے پہلے سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا اٹھا دھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چھ آیات ہیں۔

ما قبل سے ربط:

سورۃ کوثر میں خیر کثیر کی بشارت سنائی گئی تھی اور یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ خداوند عالم نے یہ طے کر دیا تھا کہ اس کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہی دین غالب ہوگا۔ اور پیغمبر خدا ہی کامیاب ہوں گے اور جو بھی کوئی بغض اور دشمنی رکھے وہی ناکام ذلیل اور تباہ ہوگا، اب اس سورت میں دنیا کے تمام گمراہوں اور باطل ملت کی پیروی کرنے والوں کو جو باطل کو فروغ دینے کے لیے بڑی ہی محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں کھلے عام اعلان کیا جا رہا ہے، اب حق پرستوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو مایوس ہو جانا چاہیے وہ ان کی سازشوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے۔

اور معبود حقیقی کی پرستش کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رخ نہ کرے گا، جبکہ اہل باطل حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو پھر اس احمقانہ تصور اور توقع کا کیا مطلب ہے کہ اہل حق اپنے عقیدہ اور طریقوں سے کچھ ہٹ جائیں۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کہا کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ کے امیر ترین شخص ہو جائیں گے اور آپ جس عورت سے شادی کرنا چاہیں گے اس سے آپ کی شادی کر دیں گے، بس آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو ہم آپ کے سامنے ایک اور پیشکش کرتے ہیں، آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا، آپ ایک سال تک ہمارے معبودوں یعنی لات اور عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال تک ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، آپ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم نازل ہوتا ہے، پھر اس کے جواب میں سورۃ کافرون نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البشایان رقم الحدیث ۲۹۵۶۳، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۵۱۸):

آپ نے ان کی پیشکش کو از خود رد نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا کیونکہ آپ کو نور نبوت سے یہ معلوم تھا کہ اس سلسلہ میں پوری سورت نازل ہونے والی ہے۔

سعید بن جبہ بیان کرتے ہیں کہ الولید بن مغیرہ، العاص بن وائل، الاسود بن المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملے اور انھوں نے کہا: یا محمد! آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، ہم آپ کے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم اور آپ تمام معاملات میں مشترک ہو جائیں، پھر اگر ہمارا موقف آپ کے موقف سے زیادہ صحیح ہو تو آپ ہمارے موقف سے حصہ لے چکے ہوں گے اور اگر آپ کا موقف ہمارے موقف سے زیادہ صحیح ہو تو ہم آپ کے موقف سے حصہ لے چکے ہوں گے، تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون نازل فرمائی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۵۱۹، جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۴)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت ان ضدی اور سرکش کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ہرگز ہرگز کبھی بھی ایمان

نہیں لائیں گے اور وہ بت پرستی کو ترک کر کے توحید اور اسلام کی طرف رجوع نہیں کریں گے، کیونکہ ایسا نہیں تھا کہ ہر کافر کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرے گا، کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک وقت میں کافر ہو اور دوسرے وقت میں اسلام لے آئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ سورت صرف ان ہی کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ تادم مرگ کافر ہی رہیں گے اور اسلام نہیں لائیں گے اور واقع میں ایسا ہی ہوا اور اس میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کے ثبوت پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے خبر دی تھی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مر گئے۔ اس سورت میں آپ کی رسالت کی دلیل کے علاوہ یہ بھی دلیل ہے کہ کفار مکہ جو آپ کو اپنے دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہے تھے، وہ مایوس ہو جائیں کیونکہ آپ کبھی بھی ان کے بتوں کی طرف موافقت کرنے والے نہ تھے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ۶۴۱ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تفسیر:

فرمایا: آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (۱) نہ تو میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ (۲) اے کافر اور اسلام اکٹھے نہیں ہو سکتے؛

اس سورۃ میں حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب فرما کر حکم دیا جاتا ہے۔ قل یا ایہا الکفر وں اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کافروں سے صاف کہہ دیجئے لا اعبدا ما تعبدون ولا اتم عبدون ما اعبد یعنی اے کافرو میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا۔ نہ تو فی الحال اور نہ آئندہ کبھی مستقبل میں۔ خدائے واحد کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد و صمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو جس کی میں عبادت و بندگی کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے ولا انا عبد ما عبدتم ولا اتم عبدون ما اعبد یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کر سکتا۔ نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دیے جاسکتے۔ نہ اب اور نہ آئندہ یعنی توحید اور شرک کبھی متحد نہیں ہو سکتے اور ان میں کبھی کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ آگے توحید اور شرک کا انجام ارشاد ہے۔ لکم دینکم ولی دین تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ یعنی تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا، جو دین قیم اللہ نے مجھے مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم نہایت خوش ہیں اور تم نے اپنے لیے بد بختی سے جو روش پسند کی ہے وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر فریق کو اس کی راہ اور روش کا نتیجہ مل کر رہے گا میرا فرض تبلیغ دیں ہے اگر تمہیں اپنی بہتری منظور ہو تو اس ہدایت کو قبول کرو ورنہ تم جانو تمہارا کام تمہیں اپنے کئے کی خود سزا بھگتنی پڑے گی۔ میں تو نہایت پختگی سے اپنی بات پر قائم ہوں۔ الغرض اس سورۃ میں کفار کی طرف سے پیش کی ہوئی مصالحت کی صورتوں کو بالکل رد کر کے اعلان برأت کیا گیا۔

کفار سے مصالحت کی حدود کا تعین:-

یہاں ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ خود قرآن کریم میں دسویں پارہ سورۃ انفال میں ارشاد خداوندی ہے۔ وان جھو المسلم فاجنح لھا یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے یعنی معاہدہ صلح کر لیجئے اور جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ کا معاہدہ صلح مشہور و معروف ہے۔ اس اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے یہ جواب دیا کہ اس سورۃ کافرون کو منسوخ کہہ دیا اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ آیت لکم دینکم ولی دین کو قرار دیا کیونکہ بظاہر یہ احکام جہاد کے منافی ہے کہ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ مگر اس اشکال کا دفع کرنے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں جو تحقیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس سورۃ میں لکم دینکم کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے دی گئی بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو قرآن کریم کے ارشاد لنا اعمالنا ولکم اعمالکم (پ ۲ رکوع ۶) کا حاصل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے۔ اس لیے رائج اور صحیح جمہور مفسرین کے نزدیک یہی ہے کہ یہ سورۃ منسوخ نہیں۔ جس قسم کی مصالحت سورۃ کافرون کا نزول کا سبب بنی وہ جیسے اس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم میں آئی ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاہدہ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی وہ جیسے اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات صرف موقع اور محل کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک حدیث میں فرما دیا ہے۔ جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے اور وہ یہ ہے الا صلحا اھل حراما و حرم حلالا یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں ان سب میں کفر و اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض سورتوں میں تو اصول اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ ایسی صلح سے سورۃ کافرون نے اعلان برأت کر دیا اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدہ یہود (یا صلح حدیبیہ سے) اس کی عملی صورت معلوم ہوئی اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو۔ یا کفر و اسلام کی حدود و آپس میں ملتبس ہوئی ہوں اسلام سے زیادہ کوئی مذہب و اداری۔ حسن سلوک، صلح و مصالحت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے قانون اور اصول دین یا ضروریات دین میں کسی صلح یا مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن جلد ۸)

ترمیم نحوی و تحقیق صرفی:

فَلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر کالذی قول، مصدر قول، کہنا (آپ کہہ دیجئے) یَا اَیُّهَا الْکَافِرُونَ (یا، اے کافر، اے، اے کافر، جب منادی مذکر پر "ال" داخل ہو تو، یا، کے ساتھ اَیُّہا لگا دیتے ہیں، الْکَافِرُونَ، منادی، کفار، واحد، اَکْثَرُ (اے کفار) اَلْعَبْدُ، فعل مضارع متنی واحد متکلم عَبدٌ، مصدر عِبَادۃ، عبادت کرنا (میں عبادت نہیں کرتا)، اِنا، اسم موصول (ان کی جن کی) تَعْبُدُونَ،

فعل مضارع جمع مذکر حاضر عِبَدَ، مصدر عِبَادَةٌ، عبادت کرنا (تم عبادت کرتے ہو) ؤ، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہ) اَنْتُمْ، ضمیر منفصلہ جمع مذکر حاضر (تم) عِبُدُوْا۔ عِبَادَةٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (عبادت کرنے والے) واحد، غَابِذٌ، نا، اسم موصول (اس کی جس کی) اَعْبَدَ، فعل مضارع واحد شکلم عِبَدَ، مصدر عِبَادَةٌ، عبادت کرنا (میں عبادت کرتا ہوں) ؤ، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہ) اَنْتَا، ضمیر واحد شکلم (میں) غَابِذٌ۔ عِبَادَةٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (عبادت کرنے والا) جمع، غَابِذُوْا، نا، اسم موصول (ان کی جن کی) عِبَدْتُمْ، فعل ماضی جمع مذکر حاضر عِبَدَ، مصدر عِبَادَةٌ، عبادت کرنا (تم نے عبادت کی) ؤ، حرف عطف (اور) نا، نافیہ (نہ) اَنْتُمْ، ضمیر منفصلہ جمع مذکر حاضر (تم) عِبُدُوْا۔ عِبَادَةٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (عبادت کرنے والے) واحد، غَابِذٌ، نا، اسم موصول (اس کی جس کی) اَعْبَدَ، فعل مضارع واحد شکلم عِبَدَ، مصدر عِبَادَةٌ، عبادت کرنا (میں عبادت کرتا ہوں) کُنْ، ل۔ کُنْ، حرف جار، لیے، کُنْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے لیے) دِئْتُمْ (دِئْتُمْ، دِئْتُمْ، دِئْتُمْ، مضاف، دین، کُنْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تم کا، تمہارا (تمہارا دین) ؤ، حرف عطف (اور) لِی (لِی۔ لِی) لِ، حرف جار، لیے، ی، مجرور، ضمیر واحد شکلم، میرے (میرے لیے) دِئْتُمْ، اصل میں، دِئْتُمْ، ہے (دِئْتُمْ۔ دِئْتُمْ) دِئْتُمْ، مضاف، دین، ی، مضاف الیہ، ضمیر واحد شکلم، محذوف ہے، میرا (میرا دین)

(الحمد للہ سورہ کافرون مکمل ہو گئی)

[سورۃ النصر]

آیت ۱ تا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا

(۳)

ترجمہ:

جب آجائے اللہ کی مدد اور فتح (۱) اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں (۲) تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت مانگو یقیناً جو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ (۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ النصر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں نصر کا لفظ موجود ہے۔ اسی سے سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا ایک سو چودھواں نمبر ہے۔ اس سے پہلے ایک سو تیرہ سورتیں نازل

ہو چکیں تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

اس سے قبل سورۃ کافرون میں اس امر کا حکم تھا کہ مشرکین کی سازشوں سے مسلمانوں کے قدم جادہ استقامت سے کسی درجہ میں متزلزل نہ ہونے چاہئیں ان کو وضع اعلان کی صورت میں کہہ دیا جائے کہ ان کی خواہشات اور کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں گی اور اس امر کی کوئی امکان نہیں کہ حق اور باطل میں کوئی باہمی سمجھوتہ ہو اگر کفار مکہ شرک اور کفر سے باز آنے کو تیار نہیں تو پھر حق پرست اور مسلمان کیونکر ایمان و توحید کے تقاضوں سے دست بردار ہو سکتا ہے اس مرحلہ پر تو بس یہی اعلان کرنا پڑے گا۔

(آیت) ”لکم دینکم ولی دین“۔ تو اس مناسبت سے اس سورت میں فتح و نصرت کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے غلبہ دین اور ظہور اسلام کی خبر دی گئی، اور چونکہ یہ بات اس نعمت کو متضمن تھی کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غرض بخت الحمد للہ مکمل ہو گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امت کے کام سے فارغ ہو گئے اس لیے اب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کلیۃ خالق ہی کی طرف رخ کر لیجئے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تمام تر مشغولیت، انہماک الی اللہ ہو جائے حتیٰ کہ یہ انہماک اور رجوع الی اللہ عملاً و اشتغلاً مکمل ہوتے ہوئے اصلاً و ذاتاً بھی رجوع الی اللہ ہو جائے جس کی صورت دنیا سے رحلت کر کے رفیق اعلیٰ کے ساتھ حق ہو جانا ہے۔

ثالث، نزول:

یہ آیت نبی کے غزوہ حنین سے واپسی پر نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد آپ دو سال تک حیات رہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ غزوہ حنین سے واپس لوٹے تو اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ، اَلِیْ اٰخِرَالسُّورَةِ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا اے علی اور فاطمہ کہو اللہ کی نصرت اور فتح آگئی۔ (نیسا بوری)

378، تفسیر ابن کثیر 4_561، تفسیر قرطبی 20_229

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ روق بڑی عمر والے بدری مجاہدین صحابہ کے ساتھ مجھے بھی شامل فرمایا کرتے تھے کسی نے کہا ان جیسے تو ہمارے بچے ہیں ان کو ہماری مجلس میں نہ بلایا کریں، ایک مرتبہ میری برتری ظاہری کرنے کے لیے امیر المومنین نے ان حضرات سے پوچھا کہ سورۃ اذا جاء نصر اللہ۔ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو تو مختلف حضرات نے اپنی اپنی رائے پیش کی پھر آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا تم کیا کہتے ہو تو میں نے کہا اس سورت میں رسول اللہ کے وصال کی خبر دی گئی ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا میں بھی اسی سورت کے بارے میں یہی جانتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس سورت کے نازل ہونے کے وقت اکثر رموز شناس صحابہ سمجھ گئے تھے عنقریب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم میں سے اٹھ جانے والے اور ہمیں داغ مفارقت دینے والے ہیں چنانچہ صدیق اکبر اس سورت کو سن کر زار و قطار رونے لگے لوگوں نے کہا یہ خوشی کا مقام ہے اللہ نے نصرت اور فتح کی خبر دی اور قوموں کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے بعض نے کہا یہ حضرت قدیم رازدار ہے کوئی تو یہ رمزے ہے جو یہ سمجھ گیا ہے۔ نبی نے ابو بکر

نے آنسوؤں ڈاڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو سمجھ گئے آپ نے فرمایا سب لوگوں سے مجھ پر خدمت گزاری اور مالی درو میں ابو بکر کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور خلیل بناتا تو ابو بکر کو بنانا مگر خلت اسلامی کافی ہے۔ (تفسیر حقانی)

تفسیر؛

فرمایا: جب آجائے اللہ کی مدد اور فتح، الخ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدت حیات پوری ہونے پر استدلال؛

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ پہلے لوگ ایک ایک کر کے یاد دہ کر کے اسلام میں داخل ہوتے اور جب مکہ فتح ہو گیا تو پوری پوری فوج اور پورے پورے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے، نیز اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مسلمانوں کو اپنی وفات کی خبر دی اور اس پر حسب ذیل امور سے استدلال ہے:

(۱) جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ دکھا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اس سے آپ نے یہ استدلال کیا کہ آپ کا مشن اب پورا ہو چکا ہے، لہذا اب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وقت آ گیا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی پوری ہونے کی کچھ علامات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بتادی تھیں، ان علامات سے آپ نے جان لیا تھا کہ اب آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔

(۳) جب لوگوں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے سے اب تبلیغ اسلام میں مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں رہی تو آپ نے جان لیا کہ اب آپ کی زندگی پوری ہو گئی ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص 634-635 دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابن عباس (رض) نے ”اذ جاء نصر الله والفتح“ کی تفسیر میں کہا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھے اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے گویا اس سال میری روح فیض کر لی جائے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۵۷۵: مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۶ موسسۃ الرسالۃ، بیروت) المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۱۹۰۷: دلائل النبوة ج ۷ ص ۱۶۷ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۷۱۲:)

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر (رض) نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب کے ساتھ مجھ سے اذ جاء نصر الله والفتح کے متعلق سوال کیا، میں نے کہا، یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجل ہے، اس کے بعد دوسری روایت میں ہے، یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجل ہے، جس کی اللہ عز وجل نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تعلیم دی تھی اور بتایا تھا یہ آپ کی وفات کی علامت ہے، سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث صحیح)

البخاری رقم الحدیث: (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۴۰۲):

حمد اور تسبیح کا معنی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے استغفار کے مطلب؛

فرمایا: سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بیشک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

تسبیح کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے تنزیہ بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور حمد کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ بیان کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے شناء کرنا، جن کی اس نے آپ کو تعلیم دی ہے۔

اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ”سبحان اللہ وحمده“ پڑھتے رہیں کیونکہ یہ دو کلمات حمد اور تسبیح کے جامع ہیں۔ اس آیت میں آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ سے کوئی تقصیر یا تفریط ہوئی تھی، جس کی بناء پر آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہر لحظہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ نعمتیں ہیں بلکہ غیر متنبی نعمتیں ہیں جن کا زبان و بیان سے شکر نہیں ادا کیا جاسکتا تو اس لیے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا کماحقہ جو آپ شکر ادا نہیں کر سکتے تو اس پر اللہ تعالیٰ اس استغفار کریں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی معصوم جب اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کے درجات اور مراتب بلند کئے جائیں۔

اس کا تیسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس استغفار سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ اپنے لیے استغفار کریں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کریں، جیسے کہ اس آیت میں ہے:

(محمد ۱۹): آپ اپنے بظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں اور مومنین اور مومنات کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہو کہ جب آپ دائماً استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ”تواب“ فرمایا ہے یعنی وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرماتا ہے، بندہ ایک بار گناہ کر کے توبہ کرتا ہے، وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، بندہ پھر گناہ کر کے توبہ کرتا ہے تو وہ پھر توبہ قبول فرما لیتا ہے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو بکر صدیق (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے (گناہ کے بعد) استغفار کر لیا، اس نے اصرار نہیں کیا، خواہ وہ دن میں ستر بار (بھی) گناہ کرے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۵۴۰):

سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۶۳۰):

سورۃ النصر کے نزول کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بہ کثرت حمد اور تسبیح اور استغفار کرنا؛

حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ بہت زیادہ پڑھتے تھے: ”سبحان اللہ وبحمدہ، استغفر اللہ واتوب الیہ“ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ یہ بہت زیادہ پڑھتے ہیں: ”سبحان اللہ وبحمدہ، استغفر اللہ واتوب الیہ؟“ آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے یہ خبر دی ہے کہ میں غنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا، پس جب میں وہ علامت دیکھ لوں تو میں بہ کثرت پڑھوں: ”سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ“ پس بیشک میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے، وہ علامت ہے: ”اذا جاء نصر اللہ والفتح“۔ (النصر: ۱) یعنی فتح مکہ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۲۹۳۲۳:)

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کی قسم! بیشک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سبحانہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۳۰۷:، سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۲۵۴:، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۱)

حضرت اغرمزنی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک میرے قلب پر (رحمت کا) حجاب آجاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ سبحانہ سے استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۰۲: باب استحباب الاستغفار رقم الحدیث ۴۱: مسند احمد ج ۱ ص ۴۱۵)

نیز حضرت اغرمزنی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سبحانہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۰۲:، باب الاستغفار رقم الحدیث ۴۲:)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے استغفار کے متعلق امام رازی کی توضیحات:

(۱) نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا استغفار آپ کی تسبیح کرنے کے قائم مقام ہے، کیونکہ آپ نے کہا، اللہ تعالیٰ غفار ہے۔
(۲) آپ نے استغفار اس لیے کیا کہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے، کیونکہ کوئی مکلف اس خطرے سے خالی نہیں ہے کہ اس سے عبادت میں کوئی تقصیر ہو گئی ہو اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ معصوم تھے اور عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے، اس کے باوجود جب آپ استغفار سے مستغنی نہیں ہیں تو کوئی دوسرا استغفار کرنے سے کیسے مستغنی ہو سکتا ہے۔

(۳) آپ ترک افضل کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) بندہ جو عبادت بھی کرتا ہے، جب اس عبادت کا مقابلہ اپنے رب کی نعمتوں سے کرتا ہے تو اپنی عبادت کو اس کی نعمتوں کے شکر کے مقابل میں بہت کم پاتا ہے تو اس تقصیر شکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے۔

(۵) جب مالک ایک عبادت سے دوسرے عبادت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اپنی پہلی عبادت کو قاصر پاتا ہے، لہذا اس قصور پر استغفار کرتا ہے اور اللہ کی طرف سیر کے مراتب غیر متناہی ہیں، اس لیے استغفار کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں۔

(۶) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کیجیے اور جب آپ کی امت دن بہ دن زیادہ ہو رہی ہے تو آپ کے استغفار کی بھی زیادہ ضرورت ہے، سو آپ زیادہ سے زیادہ استغفار کیجیے۔ (تفسیر گیر ج ۱ ص ۱۸۱ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ یحییٰ بن محمد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

(۱) نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دائم ترقی کرتے رہتے تھے، جب آپ ترقی کر کے اگلے مرتبہ پر پہنچتے تو پہلے مرتبہ پر استغفار کرتے۔

(۲) آپ اپنے بلند مرتبہ کے اعتبار سے جس کام کو اپنے مرتبہ کے خلاف سمجھتے، اس پر استغفار کرتے۔

(۳) استغفار کا تعلق ان امور سے ہے، جو آپ سے سہواً صادر ہوئے، خواہ اعلان نبوت سے پہلے یا بعد میں

(۴) کوئی شخص بھی کما حقہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کر سکتا، اس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوتی ہے وہ اتنے ہی حقوق ادا کر سکتا ہے اور عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس سے کہیں زیادہ ہیں، جتنے وہ ادا کر رہا ہے تو اس کو اپنے عمل سے حیا آتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں تقصیر کر رہا ہے، سو اس کو جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے اور اس کو اپنے عمل سے اتنی زیادہ حیا آتی ہے اور وہ اتنا زیادہ استغفار کرتا ہے۔

(۵) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے استغفار کرتے ہوں کہ آپ کو اللہ سبحانہ کی عظمت اور جلال کی سب سے زیادہ معرفت ہے اور آپ کو یہ علم ہو کہ ہر چند کہ آپ کی عبادت تمام عابدین کی عبادت سے زیادہ ہے لیکن اللہ عز وجل کی کبریائی اور اس کی عظمت اور جلال کے مقابل ہمیں پھر بھی کم ہے اور اس کی پر آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوں۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۶۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مقاتل کے قوس کے مطابق ایک سال زندہ رہے اور حضرت ابن عباس (رض) کے قول کے مطابق دو سال زندہ رہے، اس کے اگلے سال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حج کیا، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم (المدہ ۳): آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اس کے بعد آپ اسی (۸۰) دن زندہ رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

لقد جاءکم رسول من انفسکم (التوبہ ۱۲۸): بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں۔

اس کے بعد آپ پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

والتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ (البقرہ ۲۸۱): اس دن سے ڈرو جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مقاتل نے کہا، اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔ (الکت والعیون ج ۶ ص 362)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۸۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ سورۃ النصر منی میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، پھر یہ آیت نازل ہوئی: "الیوم اکملت لکم دینکم" (المائدہ ۳): اس کے بعد آپ اسی (۸۰) دن زندہ رہے، پھر آپ پر آیت کلامہ (النساء ۱۷۶): نازل ہوئی، اس کے بعد آپ پچاس دن زندہ رہے، پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "لقد جاءکم رسول من انفسکم" (التوبہ ۱۲۸): کے بعد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: "والتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ" (البقرہ ۲۸۱): کے بعد آپ اکیس (۲۱) دن زندہ رہے، مقاتل نے کہا: اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص 207-208 دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) بَآءٌ، فعل ماضی واحد مذکر غائب بَآءٌ، مصدر مَیَّ، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ آجائے) نَفَرَ اللّٰہُ (نَفَرَ - اللّٰہُ) نَفَرَ، مضاف، اسم مصدر مرفوع، مَدَدَ، اللّٰہُ، مضاف الیہ، اللّٰہُ کی (اللہ کی مدد) وَالْفَتْحُ (وَالْفَتْحُ) ذ، حرف عطف، اور، الْفَتْحُ، اسم فعل (حالت رفع)، فح مراد، فح مکہ ذ، حرف عطف (اور) زَلَّزَتْ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر زالی بَیَّ، مصدر زَوَّیَّ، دیکھا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ (آپ دیکھیں) اَلنَّاسُ (لوگوں) یَزْخُلُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب یَزْخُلُ، مصدر زَخُوْا، داخل ہونا (وہ داخل ہو رہے ہیں) فِیْ وَیْنِ اللّٰہِ (فِیْ - وَیْنِ - اللّٰہِ) فِیْ، حرف جار، مِیْنِ، مضاف، دِیْنِ، اللّٰہِ، مضاف الیہ، اللّٰہُ کے (اللہ کے دین میں) اَتَوَلَّجَا (غول کے غول، فوج در فوج) واحد، فَوَجٌ، معنی تیز رو جماعت کے ہیں۔ فَتَحَ (ف - فَتَحَ) حرف عطف، تو، فَتَحَ، فعل امر واحد مذکر حاضر فَتَحَ، مصدر فَتَحَ، فتح کرنا، آپ تسبیح کریں (تو آپ تسبیح کریں) بَیَّ (ب - بَیَّ) حرف جار، کے ساتھ، مَحْمَدٌ، مجرور، حمد، تعریف (تعریف کے ساتھ) زَیَّکَ (زَب - ک) مضاف، رَب، پروردگار، ک، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی) وَاسْتَغْفِرْ (وَ - اسْتَغْفِرْ) ذ، حرف عطف، اور، اسْتَغْفِرْ، فعل امر واحد مذکر حاضر اسْتَغْفِرْ، مصدر اسْتَغْفَرَ، مغفرت مانگنا، بخشش مانگنا، آپ بخشش مانگیے، ذ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع "زَب" ہے (اور آپ اس سے بخشش مانگیے) اِذَا کَانَ تَوَّابًا (رج) ۳۰۳ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اِذَا (اِنَّ - اِنَّ)، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ذ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) کَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب کَانَ، مصدر کَوْنًا، ہونا (وہ ہے) تَوَّابًا - تَوَّابٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، توبہ کرنے والے اور توبہ قبول کرنے والے، دونوں کو، تَوَّابٌ، کہا جاتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے (بڑا توبہ قبول کرنے والا)

(الحمد للہ سورہ نصر مکمل ہو گئی)

[سورۃ اللہب]

آیت ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
تَنَزَّلَتْ بِكَ اَنْبِیَیْہِمْ وَتَنْبِیْ (۱) مَا اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ (۲) سَبَّحْتَ بِکَ اِذَا تَلَّہِمْ (۳) وَامْرَاۃُ حَمَّالَہٗ الْمُخْطَبِ (۴) فِی
جِدِّہَا حَبْلٌ وِّنْ مَّسَدٍ (۵)

ترجمہ:

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو جائے (۱) نہ اس کے مال نے اسے فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے (۲) وہ عنقریب
شعلہ والی آگ میں داخل ہوگا۔ (۳) اور اس کی بیوی بھی، جو سر پر لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔ (۴) اس کی گردن میں موٹھ
(کھجور کی چھال) کی رسی ہوگی (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ اللہب ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں لہب کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ
سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا چھٹا نمبر ہے۔ اس سے پہلے پانچ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس
کا ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے رہا:

گزشتہ سورۃ نصر میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق اور ہدایت ہی کو غلبہ و کامیابی حاصل ہوتی ہے اور دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتی
ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنے دین کو غالب و کامیاب فرمایا ہے، تاریخ عالم میں اس نے اپنی قدرت
عظیمہ کا مشاہدہ کر دیا کہ وہ پیغمبر اور ان کے ساتھی جو مکہ سے مجبور و مظلوم ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آئے چند ہی سال گزرنے پر
وہی اللہ کا رسول دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اسی سرزمین میں فاتح و کامیاب داخل ہو رہا ہے، تو اس کے بالمقابل اس سورت
میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دین خداوندی اور اللہ کے رسول کی دشمنی کا انجام کس طرح تباہی اور بربادی کی صورت میں رونما ہوتا
ہے چنانچہ وہ سرداران مکہ جن کے مال و دولت اور عزت و شہرت کی کوئی کمی نہ تھی کیسے ذلیل اور تباہ و برباد ہوئے۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صفا پہاڑی پر چڑھے اور قریش کو پکارا سب لوگ آپ کے بلانے
پر جمع ہو گئے اور پوچھا کیا معاملہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ تمہارا دشمن (پہاڑی کی اس طرف سے)
تم پر صبح کو یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں آپ نے فرمایا میں تمہیں
ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں؟ ابولہب نے کہا تو ہلاک ہو جائے کیا تو نے اس بات کے لیے ہم کو سب کو جمع کیا ہے

اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ - ترجمہ۔ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو (بخاری 4688، تفسیر طبری 30-217)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر کہا اے اولادِ غلب، اے اولادِ لوی، اے اولادِ مروہ، اے اولادِ کلب، اے اولادِ عبدمناف، اور اے اولادِ اقصیٰ میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لیے نفع کا اور دنیا کے معاملے میں کسی حصے کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ تم لا الہ الا اللہ پڑھ لو۔ تو ابولہب نے کہا تو ہلاک ہو گیا تو نے اس بات کے لیے ہمیں بلایا تھا اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ - ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ (اسباب النزول نیسا بوری 379)

حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت میں ہے کہ جب اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی (وانذر عشیرتک الاقربین) (سورۃ شعراء 214) ترجمہ۔ اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سناؤ۔

تو رسول اللہ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کو پکارا وہ سب لوگ جمع ہو گئے بعض خود آگئے اور بعض نے اپنا قاصد دیا آپ نے فرمایا اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فھر، اے بنی لوی، اگر میں تمہیں کہوں کہ کچھ گھڑ سوار اس پہاڑ کے دامن سے تم پر حملہ کرنے والے ہیں کیا تم میری تصدیق کرو گے انھوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں ابولہب نے کہا تم دن تجھ پر ہلاکت ہو تو نے اس بات کے لیے ہمیں بلایا تھا اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ - نیسا بوری 379، تفسیر بغوزاد المیسر 9-258)

تفسیر:

فرمایا: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو جائے، الخ

”تبت“ کا معنی

الہب ۱: میں ”تبت“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”تبت“ اور ”تباب“ ہے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: اس کا معنی ہے: دائمی نقصان۔ تبت يدَا ابی لہب“ کا معنی ہے: ابولہب دائمی نقصان میں رہے، قرآن مجید میں ہے:

وما زادہم غیر تنبیہ۔ (ہود ۱۰۱): اور انھوں نے اپنا نقصان ہی زیادہ کیا۔ وما کید فرعون الا فی تب۔ (المؤمن ۳۷): اور فرعون کی ہر سازش نقصان میں رہی۔ (المفردات ج ۱ ص ۹۳ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

”تب“ معنی ہلاکت اور ٹوٹنا بھی ہے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۶۶)

ابولہب کا نام اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی عداوت؛

الہب ۱: میں ہے: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابولہب اس کی کنیت ہے اور اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے، اس کی ماں خزاعیہ ہے، یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حقیقی چچا تھا، ابولہب کنیت کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس کا بیٹا لہب تھا، یا اس کے رخسار بہت سرخ تھے، الفاہکی نے کہا ہے کہ اس کی کنیت ابولہب اس وجہ سے تھی کہ لہب کا معنی ہے: شعلہ اور اس کا چہرہ اس کے حسن کی وجہ سے شعلے کی طرح بھڑکتا تھا، نیز اس کا انجام یہ تھا کہ یہ دوزخ کے شعلوں میں جھونکا گیا، اس لیے قرآن مجید نے اس کی کنیت کا ذکر کیا ہے، اس کے اسم کا ذکر نہیں کیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی کنیت کے بجائے اپنے اسم کے ساتھ زیادہ مشہور تھا، نیز قرآن مجید نے اس کا اسم اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کا اسم عبدالعزیٰ تھا، اور العزیٰ بت تھا، جس کی پرستش کی جاتی تھی اور عبدالعزیٰ کا معنی ہوا، عزیٰ کا بندہ، اور قرآن میں اللہ کے سوا کس اور کی بندگی کا ذکر مناسب نہ تھا۔ یہ تمام لوگ سے زیادہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عداوت رکھتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اعلان نبوت سے پہلے یہ اور ابوطالب لڑ پڑے اور ابولہب، ابوطالب کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا، اچانک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آگئے تو آپ نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اس کو زین پر دے مارا، اس نے کہا، ہم دونوں تمہارے چچا ہیں، پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے دل میں تمہاری محبت کبھی بھی نہیں رہی، ابولہب یہ سن کر غضب ناک ہوا اور ہمیشہ آپ سے عداوت رکھتا رہا، غزوہ بدر میں ابولہب نہیں گیا تھا اور اس نے اپنی جگہ بدیل کو بھیج دیا تھا اور جب اس کو قریش کی عبرتناک شکست کا پتا چلا تو یہ غم سے مر گیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۶ و الارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اعلان نبوت کے بعد ابولہب آپ سے بدترین عداوت رکھتا تھا، اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے۔

ربیعہ بن عابد ریلی پہلے زمانہ جاہلیت میں تھے، پھر اسلام لے آئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذوالحجاز کے بازار میں دیکھا، آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! ”لا الہ الا اللہ“ کہو، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ آپ اس کے راستوں میں جا رہے تھے اور لوگ آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے، میں نے دیکھا کوئی آپ سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا اور آپ خاموش نہیں ہو رہے تھے آپ یہی کہہ رہے تھے اے لوگو! ”لا الہ الا اللہ“ کہو تم آخرت میں کامیاب ہو جائے گے اور بیشک آپ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی تھا، وہ بہت خوبصورت تھا، وہ کہہ رہا تھا، یہ شخص اپنا دین بدل رہا ہے اور جھوٹا ہے، میں نے کہا، یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محمد بن عبد اللہ ہیں اور یہ نبوت کا ذکر کر رہے ہیں، میں نے پوچھا اور یہ کون شخص ہے جو ان کو جھوٹا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ان کا چچا ابولہب ہے، راوی نے کہا:

تم اس وقت کم عمر تھے؟ انھوں نے کہا نہیں! میں عقل مند تھا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۲ طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۵ ص ۴۰۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۰۰ سنن نسائی ۳۱۹)

ابولہب کی عبرت ناک موت؛

فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

ابولہب نے چونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق بددعا یہ کلمہ کہا تھا ”تبا لک“ آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے یا آپ ہلاک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں صورتہ بددعا یہ کلمہ فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ بددعا دینے سے پاک ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی، وہ ہلاک ہو گیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس کی ہلاکت کے احوال میں لکھتے ہیں:

ابورافع بیان کرتے ہیں: جنگ بد کے بعد ابولہب سات دن زندہ رہا، حضرت ام الفضل نے خیمہ کی چوب اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا، اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا، اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے اور یہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے، اسی بیماری میں وہ مر گیا، اس کے جسم سے سخت بدبو آ رہی تھی، تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی، لوگ اس بیماری سے طاعون کی طرح بھاگتے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا، تم کو حیا نہیں آتی، تمہارے گھر میں کہیں ہمیں بھی یہ بیماری نہ لگ جائے، اس نے کہا، تم اس کو دفن کرو، میں بھی تمہاری مدد کروں گا، ابورافع نے کہا، پس اللہ کی قسم! انھوں نے اس کو غسل میں دیا اور مکہ کی ایک بلند جگہ سے اس کو ایک دیوار کے ساتھ پھینک دیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے (نعوذ باللہ منہ) (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۶-۷۷ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ تفسیر کبیر ج ۱۱) فرمایا: اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

ابولہب کے بیٹے عتیبہ کا احجام؛

یعنی اس کا مال اور اس کی کمائی اس کو دوزخ کے عذاب سے نہ بچا سکے، اس آیت میں ہم نے کسب کا معنی کمائی کیا ہے اور کسب کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، بیشک سب سے پاکیزہ طعام جو تم کھاتے ہو، وہ تمہاری کمائی سے ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی سے ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۳۵۸: سنن

ابوداؤد رقم الحدیث ۳۵۲۸: سنن نسائی رقم الحدیث ۴۴۶۱: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۹۰: مسند احمد ج ۶ ص ۳۱)

ابولہب کے دو بیٹے تھے، عتیبہ اور عتیبہ اور ان دونوں کا نکاح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دو صاحب زادیوں سے تھا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عناد کی وجہ سے ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دیں۔ اس سلسلے میں یہ حدیث ہے:

قتادہ بن دعامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم (رض) کا نکاح عتیبہ بن ابولہب سے ہوا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اعلان نبوت فرمادیا اور دوسری صاحب زادی حضرت رقیہ (رض) اس کے بھائی عتیبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ ”تبت ید ابی لہب“ نازل فرمائی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹیوں عتیبہ اور عتیبہ سے کہا، میرا سرتم دونوں کے سر کے لیے حرام ہوگا، اگر تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی اور ابولہب کی بیوی اردی بنت حرب بن امیہ نے کہا، اے میرے بیٹو! تم ان دونوں کو طلاق دے دو، سوان دونوں نے آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دی، اور جب عتیبہ نے حضرت ام کلثوم کو طلاق دے دی تو وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئیں اور عتیبہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا، میں آپ کے دین سے کفر کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی کو چھوڑتا ہوں، نہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے نہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پھر وہ آپ پر حملہ آور ہوا اور آپ کی قمیض پھاڑ دی، وہ اس وقت تجارت کی غرض سے شام کی طرف جا رہا تھا، تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کر دے، وہ قریش کے تاجروں کے ساتھ روانہ ہوا حتیٰ کہ وہ سب رات کو شام میں ایک جگہ ٹھہرے، اس جگہ کا نام الزرقاء تھا، اس رات ان کے پاس شیر آیا اور ان کے درمیان چکر لگاتا رہا، عتیبہ نے کہا: ہائے میری ماں کا عذاب اللہ کی قسم! یہ مجھے پھاڑ کھائے گا، جیسا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی تھی، پھر لوگوں کے درمیان سے شیر اس کے پاس آیا، اس کے سر کو پکڑ کر اس کو جیسا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی تھی، پھر لوگوں کے درمیان سے شیر اس کے پاس آیا، اس کے سر کو پکڑ کر اس کو مار ڈالا۔ (المجم الکبیر ج ۲۲ ص ۵۴۶-۵۴۵ دلائل النبوة لابن نعیم رقم الحدیث ۳۸۰ تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۵۰ وروح المعانی جز ۳۰ ص ۴۷۱)

فرمایا، وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا۔

امام رازی فرماتے ہیں، اس آیت میں تین وجہوں سے غیب کی خبر ہے:

- (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ابولہب خسارہ میں رہے گا اور ہلاک ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔
- (۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: وہ اپنے مال اور اپنی اولاد سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور ایسا ہی ہوا۔
- (۳) اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہے اور ایسا ہی ہوا کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص 352-353 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

در اصل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کے صداقت پر تین دلیلیں ہیں کیونکہ آپ نے قرآن مجید کی وساطت سے تین پیش گوئیاں فرمائیں اور یہ تینوں پیش گوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اور یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

فرمایا: اور اس کی بیوی بھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے۔

ابولہب کی بیوی کی مذمت:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کی بیوی کافی تھی، اس کی کنیت ام جمیل تھی، اس کا نام تھا اروی بنت حرب بن امیہ یہ حضرت معاویہ کے والد ابوسفیان (رض) کی بہن تھی، امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ جب سورۃ تبت یدا ابی لہب ”نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی آئی، حضرت ابوبکر (رض) نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا: آپ ایک طرف ہو جائیں، آپ نے فرمایا: عنقریب میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے گی (میں اس کو دکھائی نہیں دوں گا) اس نے کہا، اے ابوبکر! تمہارے پیغمبر نے میری جھوکی ہے، حضرت ابوبکر نے کہا، اس کعبہ کے رب کی قسم! وہ شعر بناتے ہیں نہ شعر پڑھتے ہیں، اور اس نے کہا، تم ان کی تصدیق کرتے ہو، جب وہ پیٹھ پھیر کر چلی گئی تو حضرت ابوبکر نے کہا، اس نے آپ کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا، جب تک وہ پیٹھ پھیر کر چلی نہیں گئی، ایک فرشتہ مجھے چھپائے

ہوئے تھا اور امام ابو یعلیٰ اور امام ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے حضرت زید بن ارقم (رض) سے روایت کیا ہے کہ جب تبت یدا ابی لہب ”نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی سے کسی نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمہاری جھوکی ہے، تو وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آکر کہنے لگی، کیا آپ نے مجھے لکڑیوں کا گھٹا اٹھائے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے میری گردن میں رسی دیکھی ہے۔ فتح الباری ج ۶ ص ۴۷ دار لامعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ المستدرک ج ۲ ص ۳۶۱) حمالۃ الحطب کا معنی:

اس آیت میں ”حملۃ الحطب“ کا لفظ ہے ”حملۃ“ کا معنی ہے: اٹھا کر لانے والی اور ”الحطب“ کا معنی ہے: لکڑیاں وہ اپنے بخل کی وجہ سے جنگل سے لکڑیاں اٹھا کر لاتی تھی اور کانٹے لاکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے راستہ میں ڈال دیتی تھی تاکہ آپ کو وہ کانٹے چھیں ”حملۃ الحطب“ کا معنی چغلیاں کھانے والی بھی ہے، وہ لوگوں کی چغلیاں کرتی تھی اور ادھر کی بات ادھر لگاتی تھی۔ (جامع الترمذی رقم الحدیث ۲۹۵۹۹، تفسیر گیر ج ۱ ص 353-354 فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۷)

فرمایا: اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

ابولہب کی بیوی کے لیے دوزخ کی وعید:

اس آیت میں ”جید“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: گردن اور اس آیت میں ”مسد“ کا لفظ ہے، اس کا معنی کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہے۔ (القاموس المحیط ص ۲۷۵ القاموس ص 319 موسسۃ الرسالۃ، بیروت) الواحدی نے کہا ہے کہ درخت کی چھال سے جو بہت عمدہ طریقہ سے رسی بٹی جائے، اس کو مسد کہتے ہیں۔

یہ وہ مضبوط رسی تھی، جس سے وہ اپنی لکڑیوں کا گھٹا باندھتی تھی، قیامت کے دن اسی یا اس جیسی رسی کا پھندا اس کے گلے میں پڑا

ہوگا، اس آیت سے مقصود اس کو اور اس کے خاندان کو ایذا پہنچانا ہے۔ اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہنم کی آگ میں وہ ایسی حالت میں ہوگی کہ اس کی پیٹھ پر درخت زقوم کی کانٹے دار لکڑیوں کا گھٹا ہوگا اور اس کی گردن میں آگ کی زنجیروں کا پھندا ہوگا۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

تَبَّتْ، فعل ماضی واحد مَوْنَتْ غَائِبٌ تَبَّتْ یَتَبَّتْ، مصدر تَبَّ وَتَبَّاهَا، ہلاک ہونا، مسلسل ہدی میں مبتلا رہنا، برد باد ہونا، ٹوٹ جانا (وہ ٹوٹ گیا) یَزَّالَتْ لَبِیْ۔ یَزَّ، مضاف، اصل میں، یَزَّانِ، تھا، اضافت کی وجہ سے متنیہ کا نون حذف ہو گیا، دونوں ہاتھ، واحد، یَزَّ، لَبِیْ لَبِیْ، مضاف الیہ، ابو لہب کے (ابو لہب کے دونوں ہاتھ) وَ، حرف عطف (اور) تَبَّتْ، فعل ماضی واحد مذکر غَائِبٌ تَبَّتْ یَتَبَّتْ، مصدر تَبَّ وَتَبَّاهَا ٹوٹ جانا، ہلاک ہونا، مسلسل ہدی میں مبتلا رہنا، برد ہونا (وہ ہلاک ہو گیا) نا، نافیہ (نہ) اُسْتُخِی، فعل ماضی واحد مذکر غَائِبٌ اُسْتُخِی یُسْتُخِی، مصدر اُسْتُخِی، کام آنا (وہ کام آیا) عَنَدَ (عَنْ۔ ذُ) عَنَ، حرف جار بمعنی، باء، کے، ذُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کے) نَائِدٌ (نَالٌ۔ هُ) نَالٌ، مضاف، مل، ہُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا مال) وَ، حرف عطف (اور) نا، اسم موصول (جو) کَسَبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَسَبَ یُکْسِبُ، مصدر کَسَبَ، کماتا، حاصل کرنا (اس نے کمایا) مراد اس کی اولاد ہے۔ سَيَنْصَلِ (سَ۔ یَنْصَلِ) سَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، یَنْصَلِ، فعل مضارع واحد مذکر غائب یَنْصَلِ یَنْصَلِ، مصدر یَنْصَلِ، داخل ہونا، وہ داخل ہوگا، (عنقریب وہ داخل ہوگا) نَائِرًا (اُگَتْ) ذَاتٌ تَبَّتْ۔ ذَاتٌ، مضاف، والی، تَبَّتْ، مضاف الیہ، مصدر بمعنی، اُگَتْ کا مشتعل ہونا، عَطْلُوں (عَطْلُوں والی) وَ اِزْرَافٌ اور اس کی بیوی، وَ اِزْرَافٌ (وَ۔ اِزْرَافٌ۔ هُ) وَ، حرف عطف، اور، اِزْرَافٌ، مضاف، بیوی، جَعَّ، نَسَاءٌ، ہُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی بیوی) حَمَّانَةُ النُّطَلِ (جو) اِیْدِھن اٹھانے والی ہے۔ حَمَّانَةُ النُّطَلِ (حَمَّانَةُ۔ اَلنُّطَلِ) حَمَّانَةُ، مضاف، حَمَلٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ واحد مؤنث، اٹھانے والی، اَلنُّطَلِ، مضاف الیہ، لکڑی، اِیْدِھن (ایدھن اٹھانے والی) فِی جِیْبِہَا (فِی۔ جِیْبِہَا۔ ہَا) فِی، حرف جار، میں، جِیْبِہ، مجرور، مضاف، گردن، جَعَّ، جِیْوَہُ۔ اَبْجِیَاہُ ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، اِزْرَافٌ، ہے (اس کی گردن میں) حَبْلٌ (رِی) مَرْنٌ مَرْنٌ (مَرْن۔ مَرْنٌ) مَرْنٌ، حرف جار، سے، ضرور بتا ترجمہ، کی، مَرْنٌ، مجرور، اسم، نئی ہوئی، مونجھ (مونجھ کی)

(الحمد للہ سورہ ہب مکمل ہو گئی)

آیت احادہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ (۴)

ترجمہ:

آپ کہہ دیجئے: وہ اللہ ایک ہے۔ (۱) اللہ بے نیاز ہے۔ (۲) نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ (۳) اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ (۴)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الاخلاص ہے۔ یعنی اس میں انتہائی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اقرار ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا بائیسواں نمبر ہے۔ اس سے پہلے اکیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

سورۃ لہب میں یہ نکتہ سمجھایا گیا ہے کہ جب تک خائن، حریص اور حق کے مخالف لوگ موجود ہیں۔ معاشرہ پاک نہیں ہو سکتا اور نہ نظام حکومت درست ہو سکتا ہے۔ لہذا اب جب کہ سیاسی غلبہ حاصل ہو چکا ہے۔ فکر کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد اس سورۃ اخلاص میں اس مرکزی بات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے گرد سارے دین اسلام کی عمارت گردش کرتی ہے۔

شان نزول:

قتادہ اور ضحاک اور مقاتل کہتے ہیں کہ یہود کے کچھ لوگ نبی کے پاس آئے اور آپ سے کہا ہمارے سامنے اپنے رب کی صفت بیان کریں کیونکہ اللہ نے توراۃ میں اپنی صفت بیان فرمائی ہے اور ہمیں بتلائیے کہ وہ کیا چیز ہے اور کس جنس سے ہے کیا وہ سونا، چاندی ہے یا پتیل؟ کیا وہ کچھ کھاتا اور پیتا ہے؟ وہ دنیا کا کس سے وارث بنا اور کسے اپنا وارث بنائے گا؟ اس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی اور یہ سورت خاص طور پر اللہ کے ساتھ متعلق ہے۔ (غیاثی 380، ترمذی،

3364، تفسیر بغوی 4-544، زاد المسیر 9-266)

ابی بن کعب سے روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ سے کہا ہم سے اپنے رب کا نسب بیان کریں اس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ (۱) الخ

تفسیر:

فرمایا: آپ کہہ دیجئے: وہ اللہ ایک ہے، الخ

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل:

(۱) اگر اس کائنات کے متعدد پیدا کرنے والے ہوتے تو فرض کیجیے ایک خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا کیا جائے اور دوسرا خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا نہ کیا جائے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے کہ زید پیدا بھی ہو اور نہ بھی ہو، کیونکہ یہ اجتماع تقضین ہے تو جس کا ارادہ پورا ہو گا وہی خدا ہو گا، دوسرا خدا نہیں ہو گا۔

(۲) ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت، اور تغیر و تبدل نظام واحد پر چل رہا ہے، سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہو جاتا ہے، اسی طرح چاند اور ستارے بھی نظام واحد کے موافق طلوع اور غروب کر رہے ہیں، زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور متو ایک نظام کے تحت ہو رہی ہے، اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام متعدد ہوتے، ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں نظام واحد ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا نظام اور خالق اور موجد بھی واحد ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں، رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا، اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق تھا تو اس پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اور رسول بھیجتا، جو آکر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے، لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا، ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لا شریک ہونے کا دعویٰ سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم نہیں ہے۔

جب اللہ واحد ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں، ایک خیر کا خالق ہے وہ یزدان ہے اور ایک شر کا خالق ہے وہ اہرن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں، اللہ تعالیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم اور مشرکین مکہ کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہو گیا۔

فرمایا: اللہ بے نیاز ہے۔

”الصمد“ کے معانی اور مطلب:

اس آیت میں ”صمد“ کا لفظ ہے ”صمد“ کا معنی ہے: اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کا قصد کیا جائے اور اسے کسی کی طرف حاجت اور ضرورت نہ ہو، الا صمد نے کہا: ”الصمد وہ ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہو، السدی نے کہا: ”صمد“ وہ ہے جس کا مرغوبات کے حصول میں قصد کیا جائے اور آفات اور مصائب میں اس سے فریاد کی جائے، الحسین بن فضل نے کہا: ”صمد“ وہ ہے جو جس چیز کو بھی چاہے وہ کرے اور اپنے ہر ارادہ کو پورا کرے اور اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو

کوئی ٹالنے والا نہ ہو۔ ”صمد“ وہ ہے جو غنی ہو، قرآن مجید میں ہے: ”هو الغنی الحمید۔“ (الحمدید ۲۴:) وہ مستغنی ہے اور تعریف کیا ہوا ہے۔ ”صمد“ وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو۔ ”وهو القاهر فوق عبادہ“ (الانعام ۱۸:) وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے، قتادہ نے کہا: وہ کھاتا پیتا نہیں ہے۔ ”وهو یطعم ولا یطعم“ (الانعام ۱۸:) وہ کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا، نیز قتادہ نے کہا: ”صمد“ وہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے اور اس کے سوا ہر چیز فانی ہے: ”کل من علیہا فان۔“ (ہیثمی وجہ ربک (الرحمن ۲۷: ۲۶) زمین پر ہر چیز فانی ہے۔ اور آپ کا رب باقی ہے، ابو مالک نے کہا: ”صمد“ وہ ہے جس کو ادنگھ اور موت نہیں آتی: ”لانا غدہ سنۃ ولا نوم“ (البقرہ ۲۵۵:) اس کو نہ نیند آتی ہے نہ موت، مقاتل بن حیان نے کہا: ”صمد“ وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو، ربیع بن انس نے کہا: ”صمد“ وہ ہے جس پر کوئی اقت اور مصیبت نہ آئے، سعید بن جبیر نے کہا: ”صمد“ وہ ہے جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو، امام جعفر صادق نے کہا، جو ہمیشہ غالب ہو اور کبھی مغلوب نہ ہو، ”صمد“ وہ ہے جو تمام نقصانات اور تغیرات سے منزہ ہو اور زمان و مکان کے احاطہ سے مبرا ہو۔ (تفسیر گبیر ج ۱ ص ۳۶۲-۳۶۳ ملخصاً و موضعاً دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ) فرمایا: اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل؛

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی اولاد کی نفی کی ہے اور پھر دوسرے حصہ میں اس کی نفی کی ہے کہ وہ خود کسی کی اولاد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اولاد ہے، البتہ اس کے کئی فرقے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، مشرکین کہہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور یہودیہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد اس لیے نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے، اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتی اور جو پیدا ہوا وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ممکن اور حادث ہوگا۔ فرمایا: اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

یہ بھی پچھلی آیت کا متممہ ہے کیونکہ کوئی شخص اسی کو بیوی بناتا ہے جو اس کے کفو ہو اور اس کی ہم پہلہ ہو اس کائنات میں کوئی اس کا ہم پہلہ ہی نہیں ہے تو وہ کسی کو بیوی کیسے بنائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

(الانعام ۱۰۱:) اللہ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے، اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی؛

(الحمد للہ سورہ اخلاص مکمل ہو گئی)

[سورة الفلق]

آیت ۵۵

47

کوائف:

ما قبل سے ربط:

اس سے پہلے سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو بیان فرمایا تھا اور یہ کہ جو چیزیں اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔

اس کی ذات اور صفات ان سے منزہ ہے، اور اس سورت الفلق اور اس کے بعد کی سورت الناس میں یہ بتایا ہے کہ اس جہان میں جو بھی شر ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے، اسی طرح شیاطین، انس اور جن جو انسان کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور انسان کے دل میں برائی کے دوسے ڈالتے ہیں، ان سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

سورہ فتنہ دومرہ ناس کا شان نزول؛

کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبد اللہ بن عباس اور جمہور صحابہ وائمہ مفسرین (رض) اسی کے قائل ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہود نے سحر کر دیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہو گیا تھا اور اس دوران کبھی ایسا بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا ہے کہ میں نے یہ کام کر لیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کر لی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاری (رح) نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ (رض) کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیر (رض) تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام المؤمنین (رض) نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کر دیا گیا تھا (اور جب اس کے کچھ آثار بدن مبارک اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معمولات میں محسوس ہوئے) تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہ (رض) میں نے اللہ رب العزت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے نے بتادی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آتے ہیں (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سر ہانے بیٹھا تھا دوسرے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا البید بن الاعمصم نے، جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا تو بتایا بیڑ ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہ (رض) فرماتی ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباس (رض) کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ گھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا کہ گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ

ختم ہوگئی، یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہ (رض) ابن عباس (رض) اور زید بن ارقم (رض) کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات و احادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کسی وقت بیمار ہو جانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفا کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوہ احد میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز میں سہو پیش آجاتا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور ان کے پیش آنے سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقام رسالت اور وحی الہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہو سکتا اور نہ ہی احوال آپ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ نے فرما دیا تھا۔ انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکونی کہ میں بہر حال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلادو۔

تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وحی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کر لیا جائے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جو از قسم مرض و حوادث طبعیہ ہوں سے وحی الہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سی بات سے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کسی کام کر لینے کا خیال ہو گیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعاً وحی الہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی انبیاء (علیہم السلام) بہر حال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال و عوارض بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی جحیت و قطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار و مشرکین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور و مجنون ہیں کہ وحی الہی کے جوش اور جذبہ دعوت و تبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض و التقدير کسی سہو یا سحر کو نقصان تصور کیا جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرت خداوندی نے زائل کر دیئے تو پھر کیا اشکال ہو سکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الہیہ کو ظاہر کر رہی ہے (آیت) "سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء الله"۔ اس لیے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لمحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہوگئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلل نہیں واقع ہو سکتا۔

تفسیر:

فرمایا: آپ کہہ دیجئے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں؛ اٹھ

اللہ سے پناہ طلب کرنے میں صبح کے وقت کی تخصیص کی توجیہات:

فرمایا: آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ اس کی بنائی ہوہر چیز کے شر سے۔ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے۔

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ فلق سے مراد صبح کا وقت ہے، زجاج نے کہا، رات کو پچھاڑ کر صبح نمودار ہوتی ہے، اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جو ذات رات کے اس شدید اندھیرے کو اس جہان سے زائل کرنے پر قادر ہے، وہ ذات پناہ طلب کرنے والے سے اس چیز کو ضرور زائل کرنے پر قادر ہے جس سے وہ ڈر رہا ہے اور خوف زدہ ہے۔

(۲) صبح کا طلوع ہونا کشادگی کی نوید کی مثل ہے، پس جس طرح انسان رات میں صبح کا منتظر ہوتا ہے، اسی طرح خوف زدہ انسان اپنی مہم میں کامیابی کا منتظر ہوتا ہے۔

(۳) صبح کے وقت کی تخصیص کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت مظلوم اور بے قرار لوگ اپنی حاجات میں اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں، گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت کے رب کی پناہ طلب کرتا ہوں، جو ہر رنج اور فکر سے کشادگی عطا فرماتا ہے۔

(۴) ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت کو اس لیے خاص کیا ہو کہ فجر کی نماز قیامت کے تمام احوال کی جامع ہے، کیونکہ فجر کی نماز میں انسان طویل قیام کرتا ہے اور یہ طویل قیام اس کو قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پچاس ہزار سال کے قیام کی یاد دلاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

یوم یقوم الناس لرب العلمین۔ (المصطفیٰ: ۲) جس دن تمام لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

اور انسان جب نماز میں امام کی قرأت سنتا ہے تو وہ اس کو قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ کی قرأت کی یاد دلاتا ہے:

(الجبائیہ: 29): یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے سامنے سچ بول رہی ہے۔ اور جب انسان نماز میں رکوع کرتا ہے تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب مجرم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے: **فَاكْسُوْا رُءُوسَكُمْ (السجدة 12)**: وہ اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔

اور جب وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو وہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب کافروں کو سجدہ کے لیے بلایا جائے اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

(القلم 42) اور ان کو سجدہ کیلئے بلایا جائے گا، سو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔

اور جب وہ قعدہ میں روزانو بیٹھا ہوگا تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلائے گا جب تمام امتیں گھنٹوں کے بل گری ہوں گی:

(الجاثیہ 28): اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھنٹوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔

پس گویا کہ اللہ سے پناہ طلب کرنے والا یہ کہتا ہے: اے میرے رب کچھ جس طرح تو نے مجھے رات کے اس اندھیرے سے نجات دی ہے مجھے ان ہول ناک مصائب سے بھی نجات عطا فرما۔

(۵) صبح کا وقت بہت سعادت اور استجاب کا وقت ہے، قرآن مجید میں ہے:

ان قران الفجر کان مشہوداً۔ (بنی اسرائیل 78): بیشک فجر کے وقت قرآن پڑھنے میں (فرشتے) حاضر ہوتے ہیں۔

اس وقت میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، اس لیے اس وقت پناہ طلب کرنے والے کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ سے گڑا گڑا کردار نے اور استغفار کرنے کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کے بہت مناسب ہے، قرآن مجید میں ہے:

والمستغفرین بالاسحار (آل عمران 17): اور جو لوگ سحر کے قوت اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ (تفسیر گبیرج ۱۱ ص

371-372 ملخصاً و موضحاً دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ)

صبح کے قوت اللہ سے پناہ طلب کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پر ہلکی بارش ہوئی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا، ہم صبح کی نماز میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتظار کر رہے تھے، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں نماز پڑھانے کے لیے آئے، آپ نے فرمایا: پڑھو میں نے عرض کیا، کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا، پڑھو۔ ”قل هو اللہ احد“ اور معوذتین، جب شام ہو اور جب صبح ہو تین تین بار پڑھو، ان کی تلاوت تم کو ہر چیز سے کافی ہوگی۔ (سنن نسائی رقم الحدیث 5443):

فرمایا اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے۔

”نفث“ کا معنی:

اس آیت میں ”نفث“ کا لفظ ہے ”نفث“ کا معنی ہے: منہ سے ایسی پھونک مارنا جس میں کچھ لعاب کی آمیزش ہو اور بعض نے کہا، اس سے مراد صرف پھونک ہے اور ”العقد“ ”عقدہ“ کی جمع ہے، اس کا معنی گرہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب جادو گر جادو کے الفاظ پڑھنا شروع کرتا ہے تو وہ ایک دھاگا پکڑ لیتا ہے، وہ اس دھاگے میں ایک گرہ لگاتا ہے اور جادو کے الفاظ پڑھ کر اس گرہ میں پھونک مارتا ہے، پھر اس طرح گرہیں لگاتا جاتا ہے اور اس میں پھونکیں مارتا

جاتا ہے۔

اس آیت میں پھونک مارنے والے جادوگر کے لیے مونث کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جادو کا عمل زیادہ تر عورتیں کرتی ہیں کیونکہ وہ گرہ لگاتی جاتی ہیں اور پھونک مارتی جاتی ہیں اور اس میں اصل چیز یہ ہے کہ یہ عمل دل سے کیا جائے، اور عورتیں یہ کام زیادہ توجہ سے کرتی ہیں، کیونکہ ان کا علم کم ہوتا ہے اور ان میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) مونث کا صیغہ اس لیے آیا گیا ہے کہ اس سے مراد جادو گروں کی جماعت ہے کیونکہ جب کئی جادوگر مل کر جادو کریں گے تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔

(۳) ابو عبیدہ نے کہا: ”نفاثات“ (پھونک مارنے والیاں) سے مراد ہے، لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں، جنہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کیا تھا (لیکن تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کا اثر نہیں ہوا تھا

فرمایا: اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حسد کی تعریف، اس کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث؛

حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ اس کے پاس سے وہ نعمت زائل ہو جائے، خواہ اس کو وہ نعمت نہ ملے، اگر اس کی قدرت میں اس نعمت کو چھیننا ہو تو وہ اس نعمت کو چھین لے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور اس سورت میں ہر وہ شر داخل ہے، جس کا انسان کے دین یا اس کی دنیا میں خطرہ ہو۔

اگر انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا کر دے تو اس کو رشک کہتے ہیں، رشک کرنا ناجائز ہے اور حسد کرنا حرام ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، تم حسد کرنے سے باز رہو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث 4903)

حضرت ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کسی مومن کے پیٹ میں اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کی حرارت جمع نہیں ہوں گی اور نہ کسی بندہ کے دل میں ایمان اور حسد جمع ہوگا۔ (سنن نسائی رقم الحدیث 3106)

حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمانوں میں اللہ سبحانہ کی نافرمانی میں کیا گیا اور حسد وہ پہلا گناہ ہے جو اللہ کی نافرمانی میں زمین پر کیا گیا، ابلیس نے حضرت آدم سے حسد کیا اور قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔

ترتیب نحوی و تحقیق صرفی:

قُلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قال تَحْوِلْ، مصدر قَوَّلًا، کہنا (آپ کہہ دیجئے) اَنْتَوُذْ، فعل مضارع واحد متکلم غائِبٌ تَحْوِذْ، مصدر عَوَّذٌ، پناہ مانگنا (میں پناہ مانگتا ہوں) رَبِّ رَبِّ اَلْفَلَقِ (پ۔ رَب۔ اَلْفَلَقِ) پ، حرف جار، کی، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، اَلْفَلَقِ، مضاف الیہ، رات کی تاریکی کو پھانسی کو پیدا صبح کا نکالنا، صبح، اَلْفَلَقِ، کا دوسرا معنی، خَلَقْ، بھی لیے گئے ہیں، کیونکہ ہر چیز جو پیدا ہوتی ہے وہ دوسری چیز کو پھانسی کر باہر نکلتی ہے، اس معنی کے لحاظ سے، اَلْفَلَقِ، کا لفظ مخلوق کیلئے ہوگا، (صبح کے رب کی، مخلوق کے رب کی) مِنْ شَرِّ۔ مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، شر، برائی جس سے سب کو نفرت ہو (شر سے) نا، اسم موصول (اس چیز کے جو) خَلَقْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ، مصدر خَلَقَ، پیدا کرنا (اس نے پیدا کی) ذ، حرف عطف (اور) مِنْ شَرِّ فَاسِقٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، فَاسِقٍ، مضاف الیہ، غَسَقٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر اندھیری رات کا ہونا، تاریک ہونے والا، غروب آفتاب کے بعد تاریکی (اندھیری رات کے شر سے) اِذَا ظَرْف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) وَقَبْ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَقَبَ، مصدر وَقَبًا وَقَبًا، چھا جانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ چھا جائے) ذ، حرف عطف (اور) مِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ (مِنْ۔ شَرِّ۔ النَّفَّاثَاتِ) مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، النَّفَّاثَاتِ، مضاف الیہ، نَفَثَ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، جمع مؤنث، خوب دم کرنے والیاں، پھونکیں مارنے والیاں، واحد، النَّفَّاثَاتِ (پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے) اِنِّیْ اَنْفَخْتُ (فِی۔ اَنْفَخْتُ) فِی، حرف جار، میں، اَنْفَخْتُ، مجرور، گر ہیں، وہ گر ہیں جن کو جادو گر نیاں جادو بڑھ کر گرہ لگاتی ہیں (گرہوں میں) ذ، حرف عطف (اور) مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، حَاسِدٍ، مضاف الیہ، حَسَدًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، حَسَدَ، حَسَدَ کرنے والا (حسد کرنے والے کے شر سے) اِذَا ظَرْف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) حَسَدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب حَسَدَ، مصدر حَسَدًا، حَسَدَ کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ حسد کرے)۔

(الحمد للہ سورہ فلق مکمل ہو گئی)

[سورۃ الناس]

آیت ۱ تا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱) مَلِكِ النَّاسِ (۲) اِلٰهِ النَّاسِ (۳) مِنْ هَمِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۴) الَّذِیْ یُوسِوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ

(۵) مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ (۶)

ترجمہ:

آپ یوں کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں (۱) جو لوگوں کا بادشاہ ہے (۲) لوگوں کا معبود ہے (۳) دوسرے ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جانے والا ہے (۴) جو لوگوں کے سینوں میں دوسرے ڈالتا ہے، (۵) جنات میں سے اور انسانوں میں سے (۶)

کوائف:

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الناس ہے۔ یہ قرآن کریم کی آخری سورۃ ہے۔ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی چھ آیات ہیں اس سے پہلی سورۃ فلق کی پانچ آیتیں ہیں۔ گیارہ آیات کی یہ دو سورتیں ایک ہی وقت میں اکٹھی نازل ہوئیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت یعنی الفلق میں اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا ایسے تمام مہالک اور آفات سے جو حسی اور ظاہری ہیں کہ ہر مخلوق کے شر، ہر تاریکی کے فتنے سے ہر جادو کی مصیبت سے اور ہر حسد اور کید و مکر سے تو یہ تمام آفات ظاہری اور حسی تھیں اب اس سورۃ الناس میں ان آفات اور ہلاکتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے جو باطنی ہیں، اور وہ نفس سے اور نفس کے دوائی و تقاضوں سے پیدا ہوتی ہیں اور قلب پر وارد ہو کر انسان کے دین اور عقیدہ کو ہلاک و برباد کر دینے والی ہیں تو اس سورت میں ان سے پناہ حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تفسیر:

فرمایا: آپ یوں کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں: الخ

اس آیت میں انسانوں کے رب کی پناہ لینے کا حکم ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے اور سب کا مالک، مرنی اور مصلح ہے، اس میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مخلوق سب سے افضل ہے وہ انسان ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی نسبت انسان کی طرف کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کا ذکر فرمایا، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ انسانوں کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں، لیکن تمام انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ ہے، اور بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں، عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام انسانوں کا معبود ہے۔

جو شخص بادشاہ ہوتا ہے اور ملک کا سربراہ ہوتا ہے، وہی پورے ملک پر حاکم ہوتا ہے، وہی ملک کے باشندوں کے لیے قانون بناتا ہے، پورے ملک میں اسی کی فرماں روائی ہوتی ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ملک الناس“ (الناس: 2) یعنی وہی دنیا کے تمام لوگوں کا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے، اسی کی تمام جہانوں میں حکومت اور فرماں روائی ہے، اس نے ارشاد فرمایا:

ان المحکم الا لله (الانعام 57) حکم دینے کا حق صرف اللہ کا ہے۔ جب سب انسانوں کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اسی نے ان کی پرورش کی ہے تو تمام انسانوں کی معیشت اور معاشرت میں حکم دینے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ نیز فرمایا: ”الہ الناس۔“ (الناس: 3) یعنی وہی سب لوگوں کا معبود ہے، خواہ انسان کسی کی عبادت کریں لیکن تمام لوگوں کی

عبادت کا مستحق وہی واحد لا شریک ہے۔

فرمایا: پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کے شر ہے۔

اس آیت ”خناس“ کا لفظ ہے، ”خناس“ کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا، یہ لفظ ”خنس“ سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹنا اور چھپ جانا، قرآن مجید میں ہے: میں چھپنے والے (ستاروں) کی قسم کھاتا ہوں۔ (التکویر 15:)

یہ ستارے دن کے وقت چھپ جاتے اور نظر نہیں آتے یا اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

”خناس“ مبالغہ کا صیغہ ہے، اور یہ شیطان کا لقب ہے، جب انسان غافل ہو تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کو یاد کر رہا ہو تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جیسے ہی اللہ کی یاد سے رک جائے تو پھر وسوسہ ڈالنے آ جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس (رض) میان کرتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے قلب پر بیٹھا رہتا ہے، جب اس کو سہو ہو یا غفلت ہو تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور جب وہ اللہ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (جامع البیان 29678: ابن زید نے کہا: ”خناس“ وہ ہے جو ایک بار وسوسہ ڈالتا ہے اور دوسری بار پیچھے ہٹ جاتا ہے اور موقع کا انتظار رہتا ہے اور یہ شیطان الانس ہے، یہ انسانوں پر شیطان الجن سے زیادہ شدید ہوتا ہے، شیطان الجن وسوسہ ڈالتا ہے اور تم اس کو دیکھتے نہیں ہو اور شیطان الانس کو تم دیکھتے رہتے ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث)

فرمایا: جو لوگوں کے سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

اس آیت میں ”یوسوس“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”وسواس“ ہے اس کا معنی ہے: کسی برے خیال یا گناہ کے کام کو دل میں ڈالنا۔ شیطان انسان کے دل میں اللہ کی معصیت کو القاء کرتا ہے اور اس معصیت کو خوش نما لباس پہنا کر اس کو اس کام کی طرف راغب کرتا ہے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد منتریدی حنفی متونی 333ھ لکھتے ہیں:

وسوسہ ایک امر معروف ہے، شیطان انسان کے دل میں ایسی باتیں ڈالتا ہے جن سے وہ اپنے دین میں حیران ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں بری خواہشات ڈالتا ہے اور اس کو برے کام کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب شیطان انسان کو برائی کی طرف راغب کرے تو انسان کو شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

اور اگر شیطان آپ کو کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں، بیشک وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے۔

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جیسے ان کو شیطان کی طرف سے کوئی گناہ کا خیال آتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر

یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (الاعراف 200: - 201)

فرمایا: جو جنات اور انسانوں میں سے ہے۔

جنات میں سے جو شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، اس کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت علی بن حسین (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہوتا ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث 2138: سنن ابوداؤد رقم الحدیث 2471)۔
نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی انسان کسی شخص کو برے کاموں کی طرف مائل کرے تو وہ بھی شیطان ہے اور اس کے شر سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

ترکیب نحوی و تحقیق مرئی:

فعل امر واحد مذکر حاضر قال یقول، مصدر قوما، کہنا (آپ کہہ دیجئے) انھو، فعل مضارع واحد متکلم غاف یغوف، مصدر غوف، پناہ مانگنا (میں پناہ مانگتا ہوں) رَبِّ النَّاسِ (ب۔ رَب۔ النَّاسِ) ب، حرف جار، کی، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، النَّاسِ، مضاف الیہ، لوگوں کے، انسانوں کے (لوگوں کے رب کی) مَلِکِ النَّاسِ (مَلِک۔ النَّاسِ) مَلِک، مضاف، بادشاہ، النَّاسِ، مضاف الیہ، انسانوں کے، لوگوں کے، (لوگوں کے بادشاہ) إِلٰہِ النَّاسِ (إِلٰہ۔ النَّاسِ) إِلٰہ، مضاف، معبود، النَّاسِ، مضاف الیہ، انسانوں کے، لوگوں کے (لوگوں کے معبود کی) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ (مِنْ۔ شَرِّ۔ الْوَسْوَاسِ) مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، الْوَسْوَاسِ، مضاف الیہ، اسم مصدر ہے، دل میں برائی کا پیدا ہونا، وسوسہ اس خفیف آواز کو کہتے ہیں جس کا مفہوم تو دل تک پہنچ جائے اور لفظ سنائی نہ دے، یعنی ذہنی آواز، اَلْوَسْوَاسِ، شیطان کو بھی کہا جاتا ہے، یعنی وسوسہ پیدا کرنے والا، اس وجہ سے مصدر کو اسم فاعل استعمال کیا گیا، وسوسہ ڈالنے والا (وسوسے ڈالنے والے کی شر سے) الْخَنَّاسِ۔ خَنَّس، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (پچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے، کیونکہ شیطان پہلی دفعہ کسی بندے کے ذہن میں وسوسہ ڈالتا ہے تو وہ اسے رد کر دیتا ہے تو شیطان پچھے ہٹ جاتا ہے، شیطان بار بار وسوسے ڈالتا ہے اور بار بار پچھے ہٹتا ہے، یہاں تک کہ اگر بندہ اللہ کی پناہ میں نہ ہو تو وہ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جو) یُوسِسُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب یُوسِسُ، مصدر یُوسِسُ، وسوسہ ڈالنا (وہ وسوسہ ڈالتا ہے) فِیْ ضَرْبِ النَّاسِ (فِی۔ ضَرْبِ۔ النَّاسِ) فِی، حرف جار، میں، ضَرْبِ، مجرور، مضاف، سینوں، النَّاسِ، مضاف الیہ، لوگوں کے، انسانوں کے (لوگوں کے سینوں میں) مِنْ الْجَنَّةِ (مِنْ۔ الْجَنَّةِ) مِنْ، حرف جار، سے، الْجَنَّةِ، مجرور، جنوں (جنوں میں سے) وَ، حرف عطف (اور) النَّاسِ (لوگوں، انسانوں)

(ختم شد)

الحمد للہ میری یہ کوشش اپنے اختتام کو پہنچی اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرما کر قبولیت عامہ نصیب فرمائے اور مجھ سمیت میرے والدین اساتذہ کرام کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے آمین یا رب العالمین۔